صدارتی ایوارڈ یافتہ
۱۹۸۶ء

حضرت شمس بریلوی

مدینہ پبلشنگ کمپنی
ایم اے جناح روڈ
کراچی

نام کتاب ———— سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت
صدارتی ایوارڈ یافتہ ۱۹۸۶ء

مصنف ———— حضرت شمس بریلوی

ناشر ———— مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

باہتمام ———— فریدالدین و محمد مبین

کتابت ———— محمد الیاس خوشنویس

طبع دوم ———— جون ۱۹۸۸ء

تعداد ———— ایک ہزار

قیمت ———— روپے

عرضِ ناشر

الحمد للہ کہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کے قیام سے اب تک چھبیس سال کا عرصہ گزر چکا، ہم کارپردازانِ ادارہ ہمہ وقت اور ہر آن اسی کوشش میں مصروف رہے ہیں کہ اِس ادارے سے مذہبیات اور ادبیات پر بہترین کتب اپنے کرم فرما حضرات کی خدمت میں پیش کی جائیں۔

اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم اور قارئینِ کرام کے تعاون سے ہم آج تک اسی نصب العین کی تکمیل میں مشغول و مصروف رہے ہیں اور اب تک ہم نے اپنی جو مطبوعات آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں اُن کی پسندیدگی اور قبولیت نے اِس راہ میں ہمیں اور زیادہ سرگرم عمل بنا دیا ہے اور اب دینی کتب کے اصل متون یا ان کے تراجم کو موجودہ نسل کی رہنمائی کے لیے پیش کرنا ہی ہمارا مقصود اور نصب العین بن گیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس راہ میں اور زیادہ سرگرمی سے اپنے قدم اُٹھائیں گے۔

تفسیر قرآن اور احادیث کے بعد سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر لکھا گیا اور جتنی کتابیں اس موضوع پر شائع ہوئی ہیں، دنیا میں کوئی مذہب ایسے گرانقدر سرمایہ سے مالا مال نہیں ہے۔ سیرت طیبہ ایک آفاقی اور ہمہ گیر موضوع ہے اور اِس کا ہر پہلو اس قدر وقیع اور وسیع ہے کہ اس پر جس قدر بھی لکھا جائے وہ کم ہے مغازی رسول وشمائل نبوی واخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر چند کہ لاکھوں صفحات لکھے جا چکے ہیں پھر بھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش باقی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم　　　　کرشمہ دامنِ دل می کشد جا اینجاست

ہمارے محترم حضرت شمس بریلوی نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اور گراں مایہ موضوع سے ایک اچھوتا اور بلند پایہ عنوان انتخاب کیا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وحی ترجمان سے تعلق رکھتا ہے یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت" ہم یہاں اس موضوع کے سلسلہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ اِس موضوع کی ندرت اور انفرادیت کے سلسلہ میں 'سخن ہائے گفتنی' میں محترم شمس صاحب نے خود ہی بطور تمہید چند باتیں پیش کر دی ہیں جن کی آئینہ دار یہ کتاب "سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت" ہے۔

ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ اپنی مطبوعات کو حسنِ صُوری سے آراستہ و پیراستہ کرنے میں ہم نے کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیا ہے خصوصاً مذہبی کتب کو حسنِ صُوری سے جس قدر بھی ممکن ہو سکا ہے آراستہ کیا ہے اور آپ نے ہماری اِس کوشش کو سراہا ہے۔

اِسی نصب العین کے تحت پیش نظر کتاب "سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت" کو بھی بھرپور طریقے سے حسنِ معنوی کی طرح حسنِ ظاہری سے آراستہ کرنے میں بے اعتنائی نہیں برتی ہے۔ امید ہے کہ یہ گراں مایہ کتاب ہماری دیگر مطبوعات کی طرح آپ سے شرفِ قبول حاصل کرے گی۔ والسلام

آپ کے تعاون کے خواستگار

فریدالدین و محمد مبین

کارپردازان مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

۱۵ مئی ۱۹۸۵ء

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اِهْدَاء

یہی شمسؔ ہے مری آرزو یہ کمال عزت و آبرو
کہ حضورؐ کہہ دیں غلام سے تری نذر ہم کو قبول ہے

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا
ایک سراپا تقصیر اُمتی
شمسؔ بریلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

فہرست مشمولات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
۱۱۷	حماسہ یا فخریہ شاعری	۳۳۴
۱۱۸	جناب ابوطالب کا مشہور قصیدہ حماسہ اور نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم،	۳۴۱
۱۱۹	مدحیہ شاعری	۳۴۹
۱۲۰	مرثیہ نگاری	۳۵۱
۱۲۱	وہ اسباب و وجوہ جن کی بنا پر شاعری حضورؐ کے شایان شان نہیں تھی؛	۲۵۳
۱۲۲	اختتامیہ،	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ کہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی اپنے سال تاسیس سے تا ایندم جس کو بیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا، ہر دم اور ہمہ وقت قوم کی خدمت میں دینی کتب اور پاکیزہ اردو ادب کی پیشکش میں مصروفِ عمل ہے۔ اب تک آپ کے اس ادارے سے جس قدر کتب بھی شائع ہوئی ہیں ان کی پذیرائی قوم نے اس طرح کی ہے کہ ہمارے عزم میں مزید استحکام اور بلندی پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جس کے باعث ہم اس راہ میں زیادہ تندہی سے سرگرم عمل ہیں!

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر ہماری پیشکش مدارج النبوت کو جو قبولیت حاصل ہوئی ہم اس پر جس قدر بھی شکر ادا کریں وہ کم ہے۔ حدیث مبارکہ کا مجموعہ ارشاداتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے جس قدر پسند فرمایا اور اس کی پذیرائی فرمائی، وہ آپ کے دینی جذبات کی آئینہ دار ہے۔ تاریخ اسلام پر بھی مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کی تصنیف انیف، "تاریخِ اسلام" کو آپ نے شرفِ قبولیت بخشا ہم آپ کی اس توجہ کے شکر گزار ہیں۔

غنیۃ الطالبین، عوارف المعارف، "تاریخ الخلفاء" نفحات الانس کے اردو تراجم بھی ہماری مطبوعات میں ایک مقامِ خاص رکھتے ہیں، الحمد للہ علیٰ ذالک! آج اس "عرضِ ناشر" کے ساتھ آپ کی خدمت میں ایک بہت ہی گرانمایہ اور چھوٹی تصنیف بڑی مسرت اور ابتہاج کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ یعنی "سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت" اُردو زبان میں یہ اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے، جس کے مصنف ہمارے شعبۂ نشر و

اشاعت کے مبصر اور ناظم علامہ شمس بریلوی ہیں۔ حضرت شمس بریلوی کے چند مہتم بالشان تراجم آپ سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ خصوصاً تراجم پر آپ کے بصیرت افروز بسیط مقدمات آپ اپنا جواب ہیں!

صاحب قرآن کی "فصاحت و بلاغت" پر حضرت شمس بریلوی نے جس تحقیقی رنگ میں قلم اٹھایا ہے اور اس اچھوتے موضوع کو جس اسلوبِ بیان میں پیش کیا ہے وہ ان کی فکر اور قلم کا شاہکار ہے۔ ہم کو بڑی مسرت ہے کہ اس گرانمایہ کتاب کی اشاعت کا شرف ہم کو حاصل ہے۔ اور ہم نے حسنِ معنوی کے ساتھ ساتھ اس کو حُسنِ صوری سے آراستہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری اس پیشکش کو بھی شرفِ قبول حاصل ہوگا کہ یہی ہماری کاوش و محنت کا حقیقی صلہ ہے۔ والسّلام

آپ کے مخلص

۱۵ ستمبر ۱۹۸۴ء

فریدالدین، محمد مبین

کارپردازان مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن ہائے گفتنی

باعثِ تخلیقِ کائنات سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر دنیا کی قریب قریب تمام زبانوں میں قلم اٹھایا گیا ہے خواہ وہ مشرقی زبانیں ہوں یا مغربی! دنیا کا کوئی براعظم ایسا نہیں جس کے کسی نہ کسی ملک کی زبان میں یہ گرانقدر سرمایہ نہ ہو بس فرق صرف اتنا ہے کہ بعض زبانیں ایسی ہیں کہ ان کا ادبی سرمایہ بہت وقیع ہے اور بعض کا ادبی سرمایہ قلیل ہے۔ بعض زبانیں دنیا کے بیشتر ملکوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں اور بعض زبانیں اپنے مخصوص ممالک کے علاوہ دنیا میں نہ بولی جاتی ہیں اور نہ سمجھی جاتی ہیں۔

عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں یہ سرمایۂ عظمت وتقدیس سب سے زیادہ ہے۔ اس لیئے کہ ادبی حیثیت سے بھی یہ زبانیں سربلند اور گرانمایہ ہیں اور اس اعتبار سے بھی کہ مسلمان ان زبانوں کے ادبی سرمایہ کی تخلیق میں شریک غالب ہیں اس اعتبار سے وہ اس عظیم سرمایۂ سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف وتالیف میں ایک بڑے حصے کے مالک ہیں۔

انگریزی، جرمنی، فرانسیسی زبانوں میں اس عظیم موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی سعادتِ نگارش غیر مسلموں کے حصّے میں آئی ہے۔ مسلمان ان زبانوں میں اس مہتم بالشان موضوع پر بہت ہی کم قلم اٹھا سکے ہیں، ان زبانوں میں نگارشِ سیرت میں مستشرقین نے کج رفتاری سے کام لیا ہے یا راست بازی سے یہ ایک تفصیل طلب بات ہے۔ کارلائل، ولیم میور، منٹگری واٹ اس سلسلہ میں قابلِ ذکر

ہیں۔ سر ولیم میور نے سیرتِ طیبہ پر قلم اٹھایا اور اس میں طعن وتشنیع کے نشتر چلائے اور وہ نشتر خود اس کے رگ وپے میں پیوست ہو گئے۔ یہ نشتر سر سید احمد خان نے اس کے رگ وپے میں پیوست کئے! منٹگمری واٹ نے حقیقت نگاری کو اپنا شعار بنایا اور ستائش کا مستحق قرار پایا۔

مستشرقین نے سولھویں اور سترھویں صدی کے بعد ہی اس موضوع پر قلم اٹھایا جبکہ علوم وفنون کی روشنی میں آنکھیں کھولیں۔ ان مستشرقین نے جو کچھ اس موضوع پر لکھا وہ محض تاریخی اعتبار سے لکھا اور صرف اپنی ذہنی رسائی تک۔ عقیدت و احترام اور جذبہ ایمانی کو اس میں دخل نہیں تھا۔ مسلمان مفکرین اور دانشوروں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا وہ تاریخی حقائق اور جذبہ ایمانی کے اظہار کی ایک سمت تھی لیکن اس نگارش میں ان کا جذبہ ایمانی اور جوشِ عقیدت، حقیقت نگاری سے ان کو نہیں ہٹا سکا۔

قرونِ اولیٰ میں سیرت نگاری کا آغاز، غزوات، یا مغازی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، ان اولین صدیوں میں مغازی کے موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا اور یہی موضوع آئندہ سیرتِ طیبہ پر نگارش کی اساس بن گیا، سیرت ابن اسحاقؒ اس سلسلہ میں پہلی مستند سیرت ہے لیکن یہ کتاب قرنوں سے نایاب ہے۔ سیرت ابن اسحاق کے بعد سیرتِ ابن ہشام سامنے آتی ہے جو سیرت ابن اسحٰق ہی کا پرتو ہے اور اسی نہج اور اسلوب نگارش پر مرتب ہوئی ہے۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک سیرت نگاری میں روایات کی اسناد پیش کرنا ایک لازمی طریقۂ نگارش تھا، تاکہ بیان کردہ روایات میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ عرصہ دراز تک سیرت نگاری میں یہ اسناد بطور استدلال پیش کی جاتی رہیں۔ اس کے بعد سند کے طویل سلسلہ کو ختم کر کے صرف آخری راوی کا حوالہ دیا جانے لگا۔ قرونِ وسطیٰ میں یہ طریقہ استدلال ترک کر دیا گیا اور اس کے بجائے ان اولین سیرت نگار حضرات کے حوالے سے روایات بیان کی جانے لگیں اور اس کو کافی و وافی سمجھا جانے لگا۔

آٹھویں صدی ہجری تک روایاتِ سیرتِ طیبہ میں اس روش کو فارسی زبان میں لکھی جانے والی کتب سیرت میں بھی آپ موجود پائیں گے۔ مولانا جمال حسینی کی مشہور سیرت "روضۃ الاحباب" میں یہی روش اور اسلوبِ نگارش موجود ہے۔ معارج النبوت جو فارسی انشا پردازی کا ایک شاہکار ہے۔ اور فارسی ادب میں کتبِ سیر میں اس کا اسلوبِ نگارش آپ اپنا جواب ہے صرف متقدمین کے ان حوالوں ہی کو کافی سمجھا گیا ہے۔ نویں صدی ہجری میں حضرت مولانا جامی نے "شواہد النبوت" کے نام سے سیرت پر کتاب تصنیف کی، حد درجہ اختصار کے باعث انہوں نے بہت کم ایسے حوالوں سے کام لیا ہے۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے اس اسلوب کو ترک کر دیا۔

برصغیر پاک و ہند میں عربی اور فارسی میں سیرتِ مبارکہ پر بہت کم کتابیں لکھی گئیں صرف عہد شاہجہانی میں حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور "مدارج النبوت" دو جلدوں میں اپنی یادگار چھوڑی۔ حقیقت یہ ہے کہ دورِ مغلیہ جو برِصغیر پاک و ہند میں علوم و فنون کی ترویج کا ایک مثالی دور کہا جاتا ہے۔ معقولات یعنی عقلی موشگافیوں کا دور تھا۔ معقولات کے موضوع پر اس طویل دور میں بہت سی کتابیں معرضِ وجود میں آئیں جن میں حواشی کی کثرت ہے۔

دسویں صدی ہجری اس برصغیر میں حدیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت کا دور ہے۔ فنِ حدیث کے احیاء اور اس کے فروغ میں حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ نے بڑی کوشش کی۔ حدیث شریف کی مشہور کتاب "مشکوٰۃ" کی شرح عربی زبان میں "لمعات" کے نام سے اور فارسی میں "اشعۃ اللمعات" کے نام سے تحریر فرما کر ایک عظیم خدمت انجام دی اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے "مدارج النبوت" تصنیف فرمائی۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد برصغیر پاک و ہند کے دورِ ابتلا میں مسلمانوں پر جو مصیبتیں آئیں ان کی تفصیل تاریخ میں موجود ہے۔ اس دورِ ابتلا میں کس کو اتنا ہوش تھا کہ سیرت نگاری پر قلم اٹھاتا، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس دور کے ایک کثیر التصانیف بزرگ ہیں، لیکن افسوس کہ "سیرت" پر انہوں نے بھی اپنی کوئی

یادگار نہیں چھوڑی۔ "حجۃ البالغہ"، "الفوز الکبیر" دینی موضوعات پر ہیں، لیکن، سیرت ان کا موضوع نہیں ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں سیرتِ طیبّہ پر لکھی جانے والی آخری کتاب، "تاریخ حبیبِ الٰہ" ہے۔ جو انیسویں صدی کے وسط کی یادگار ہے!

اردو زبان میں "سیرتِ طیبّہ" کے موضوع پر سب سے پہلے سرسید احمد خاں نے مستقلاً تو نہیں البتہ ولیم میور کی دریدہ دہنی کے جواب میں سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض گوشوں اور پہلوؤں پر زبردست دلائل کے ساتھ قلم اٹھایا اور ولیم میور کی لایعنی باتوں کا مسکت جواب دیا۔ سرسید کے بعد علامہ عنایت رسول صاحب چریا کوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ، اپنی تصنیف "بشریٰ" کے تکملہ میں صرف کر دیا اور ایک اچھوتے موضوع پر یعنی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے سلسلہ میں تورات اور زبور کی بشارتوں پر ایک گرانقدر کتاب تصنیف فرمائی جو آج بھی آپ اپنا جواب ہے، اس تحقیق کے ساتھ اس موضوع پر اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ اوّلین اور آخرین کتاب ہے۔

بشریٰ کے بعد سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر محققانہ کام کا آغاز علّامہ شبلی نعمانی نے کیا، لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اپنے قلم سے اس کا تکملہ نہ کر سکے۔ اس کا تکملہ ان کے فاضل شاگرد مولوی سلیمان ندوی نے کیا۔ سیرت النبیؐ چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اردو میں اس کتاب کو جس میں، آدابِ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا عنصر بہت کم ہے اور محققانہ رنگ زیادہ ہے، ایک خاص مقام حاصل ہے اور اس کو سیرت پر ایک مستند کتاب سمجھا جاتا ہے۔

بعد ازاں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے رحمۃ للعالمین (۳ جلدوں میں) لکھی اور شبلی کی سیرت النبی میں جو خلا تھا، اس کو اپنی تحقیق سے پُر کر دیا۔ ان کی یہ تصنیف بہت مقبول ہوئی اور آج بھی اس کی مقبولیت کا وہی عالم ہے۔ اردو زبان میں مولانا مولوی عبدالرؤف داناپوریؒ کی اصح السیر (ہر دو جلد) بھی ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ تاریخی وقائع کے ساتھ ساتھ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے تشریعی پہلو اور نزولِ احکام کو زمانی ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے اور علامہ شبلی و سلیمان ندوی کی مرتبہ سیرت النبی کی بعض کوتاہیوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔

بیسویں صدی کے وسط سے کچھ پہلے یعنی قیامِ پاکستان سے تا ایندم پاکستان کے اربابِ علم و فضل نے اس موضوع پر خاص طور پر توجہ کی اور متعدد گرانقدر اور بلند پایہ کتابیں سیرتِ طیبہ پر لکھی گئیں۔ بعض کتب ان میں بہت بلند پایہ ہیں لیکن بایں ہمہ:

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچنان در اول وصف تو ماندہ ایم

اور یہ اس لیئے ہوا کہ ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا ہر ایک پہلو اتنا ذیشان اور اس قدر بلند پایہ ہے کہ فکر انسانی کی رسائی باوجود کوشش کے وہاں تک نہ ہوسکی اور نہ ان خصائص نبوت کا فکر تمام و کمال استقصا کرسکی! آپ کے شمائل آپ کے معجزات اور آپ کے خصائصِ نبوت پر لاکھوں صفحات کا ذخیرہ عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں موجود ہے۔ دلائل النبوت اور معجزات ہی کو لے لیجئے متعدد کتابیں عربی اور فارسی میں موجود ہیں، البتہ اردو اس سے تہی دامن ہے۔ اگر ان تمام کتب کا تذکرہ بھی کروں تو وہ تذکرہ خود ایک ضخیم کتاب بن جائے گا۔

آپ کے ارشاداتِ گرامی کے ذخیرے پر نظر ڈالیئے تو ان کے مجموعے جو صحاح، مسانید اور معاجیم کے ناموں سے مسلمانوں کی دسترس میں ہیں وہ بھی لاکھوں صفحات پر مشتمل ہیں۔ حضرت شیخ علی متقی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال المعروف بہ کنز العمال ایک بہت ہی مبسوط تالیف ہے۔ جس کو آپ نے علامہ سیوطی کی جمع الجوامع کو بہ ترتیب فقہی مرتب فرما کر ایک عظیم کام انجام دیا ہے۔ یہ کتاب ہزاروں صفحات پر محتوی ہے۔ اسی طرح صحاحِ ستہ اور مسانید کے متون ہیں۔ ان احادیث مقدسہ اور ارشاداتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی فصاحت و بلاغت خود

ایک عظیم موضوع ہے۔

متقدمین علمائے کرام نے اس موضوع پر فصاحتِ قرآن کے ضمن میں مختصراً قلم اٹھایا ہے۔ فصاحتِ قرآن پر فارسی اور اردو میں بہت کم سرمایہ ہے۔ اس لئے کہ اس موضوع پر بہت کم توجہ کی گئی، اسی طرح فصاحتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر موضوعِ تصنیف نہیں بنایا گیا۔ حالانکہ آپ کے بیان کی فصاحت وبلاغت منجملہ دیگر معجزات کے ایک عظیم معجزہ ہے، جس نے فصیحانِ عرب کی زبانوں کو لال و گنگ کر دیا تھا اور وہ ایک اُمّی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کی یہ بلندی دیکھ کر حیران تھے۔ آپ کی زبانِ اطہر کی فصاحت وبلاغت کی یہ اثر آفرینی ہی تو تھی کہ آپ جس سے کلام فرماتے وہ آن کی آن میں آپ کا منقاد و مطیع بن جاتا تھا اور دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہو جاتا۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی شقاوت اور قساوتِ قلبی کے باعث ایمان تو نہ لاتے لیکن وہ بھی دم بخود رہ جاتے اور جواب میں زبان نہیں کھول پاتے تھے۔

مری مدتوں سے یہ آرزو تھی کہ اس موضوع پر قلم اٹھاؤں، لیکن چھوٹا منہ بڑی بات، کج مج قلم اور ایسا عظیم اور وقیع موضوع وہ کس طرح ارفع و اعلیٰ موضوع کی راہوں کو طے کر سکے گا مگر اس بندہ نوازی کے قربان کہ توفیق الٰہی نے دست گیری کی۔ اگرچہ اس راہ میں قدم قدم پر ہمت جواب دے رہی تھی لیکن ؎

میرے کام آگئیں مری ناکامیاں یہ شانِ کرم دیکھنا! اللہ اللہ!

عزیزانِ گرامی قدر فریدالدین و محمد مبین صاحبان کارپردازان و مالکان مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کو جب میرے اس ذوق وشوق کا علم ہوا تو اپنے خلوص سے مری ہمت بندھائی۔ اور بار بار کے پُر خلوص تقاضوں سے اس راہ میں میرے سست رو قدموں کو گرم رفتار بنا دیا۔ مولائے کریم (جلّ جلالہٗ) کی رحمت کے بھروسے پر قلم تیزی سے چلنے لگا اور سرورِ ذیشان کی نگہ التفات کے قربان کہ اس عظیم کام کو پایۂ تکمیل پر پہنچا دیا۔ مجھے اس موضوع کے تحت کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا وہ ایک طویل داستان

ہے صرف اتنا عرض کروں گا کہ خطِ عربی اور عربی زبان کے منابع و مصادر کے سلسلہ میں بڑی کاوش کرنا پڑی، میں نے "صاحبِ قرآن کی فصاحت و بلاغت کو ملل قدیمہ کی تاریخ سے شروع کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ نزولِ قرآن سے پہلے اقوامِ عرب کن مراحل سے گزریں اور کن کن خطوں میں آباد ہوئیں۔ ان کی معاشرتی حالت کیا تھی، ایام العرب فی الجاہلیہ، ان کی معاشرتی زندگی میں کس طرح کارفرما تھے۔ قرآنِ حکیم کے نزول سے پہلے ان کے ادب اور فنون کس منزل پر تھے، شاعری ان کے مذاق پر کس طرح چھائی رہتی تھی، ان کی فصاحت و بلاغت کس منزل پر تھی۔ قرآنِ حکیم کے سامنے اپنی زباندانی پر ناز کرنے والے اپنی زبان کیوں نہ کھول سکے۔ قرآنِ حکیم کے وجوہِ اعجاز کیا تھے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بیانِ قرآن ہے اس لئے قرآنی خصوصیات سے اس کو بہت کچھ حصہ ملا ہے، ان تمام عنوانات پر اختصار کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ صاحبِ قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فصاحت و بلاغت کا کیا مقام تھا۔ آپ کے ارشادات گرامی، آپ کے جوامع الکلم، آپ کے ضرب الامثال، مکتوباتِ گرامی اور خطباتِ والا کی بلند پایگی کا کیا عالم تھا آپ کو فنِ شاعری کیوں نہیں سکھایا گیا تھا۔ میرے خیال میں یہ ایک اچھوتی بحث اور نیا موضوع ہے، ان تمام مباحث پر میں نے اپنے مبلغ علم کے بقدر کھل کر لکھا ہے۔ اور ع

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اللہ تعالیٰ میری اس سعی کو مشکور فرمائے اور بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ نذرانۂ عقیدت و محبت قبول ہو۔ (آمین)

اس تصنیف کے تکملہ میں عزیزانِ گرامیِ قدر پروفیسر مجید اللہ صاحب قادری (شعبۂ ارضیات کراچی یونیورسٹی)، پروفیسر حافظ عبد الباری صاحب (شعبۂ اسلامیات جامعہ ملیہ کالج کراچی) کے تعاون کو بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو سعادتِ دارین سے سربلند فرمائے۔

محبی و مکرمی جناب سید فاروق احمد صاحب (سینئر انسٹرکٹر، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف

پبلک ایڈمنسٹریشن کراچی کا بے حد شکر گزار ہوں کہ ہر مرحلہ پر وہ میری ہمت افزائی فرماتے رہے ہیں، ان کے اخلاص اور محبت نے میرے دل پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، میں جناب منشی محمد الیاس بدایونی کا اگر شکریہ ادا نہ کروں تو ناسپاسی ہوگی کہ انھوں نے بھرپور توجہ سے کتابت کے مرحلہ کا تکملہ کیا اور اعراب کی نگارش میں بڑی کاوش فرمائی۔ والسلام

ناچیز
شمس بریلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قدیم اقوامِ عرب کی تاریخ

تاریخ عرب کے محققین نے واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام سے پیشتر کی کوئی مکمل تاریخ دنیا میں موجود نہیں ہے، مورخین کو ایام عرب یا دورِ جاہلیت عرب کے جو کچھ حالات معلوم ہو سکے ہیں ان کے ماخذ عربوں کی قدیم قومی روایات جن کا تحفظ "نسابین" نے اپنے حافظ کی مدد سے کیا ہے اور ان کے اشعار (حماسہ ملی) ہیں، قومی اجتماعات میں ان اشعار کو پڑھنے کا بہت رواج تھا، اس عرب نژاد شخص کو لائق اور دوسرے افراد سے ممتاز گردانا جاتا تھا جو اپنے نسب، اپنے اسلاف کے احوال اپنی قوم یا قبیلے کی لڑائیوں (ایام عرب) کے حالات کو اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیتا تھا، اسلام نے نسبی تفاخر کو مٹانے اور اس احساس برتری کو ختم کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن نسبی سلاسل (علم الانساب) کے تحفظ کا اہتمام ان عربوں میں اسلام کی کئی صدیوں تک جاری و ساری رہا یہاں تک کہ علوم اسلامیہ میں علم الانساب کو بھی خاصی اہمیت حاصل رہی اور عہد اسلام کی پہلی تین چار صدیوں میں علم الانساب کا ایک عظیم ذخیرہ بصورت تالیفات جمع ہو گیا، اس سے ایک عظیم فائدہ برآمد ہوا کہ عہد جاہلیت کی کئی صدیوں کے احوال منضبط اور محفوظ ہو گئے۔ یہ کام عہد جاہلیت کی شاعری سے مربوط طریقے پر انجام

نہ پاسکا۔ البتہ معاشرتی احوال اور تمدنی زندگی پر ان سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے مثلاً
امراء القیس بن حجر بن عمرو کندی کے اس شعر ہی کو لے لیجئے ؎

فَظَلَّ طُهَاةُ اللَّحْمِ مِن بَينِ مُنضِجٍ
ضَعِيفَ شِوَاءٍ أَوْ قَدِيرٍ مُعَجَّلِ

یعنی قوم کے شکار کردہ جانوروں کا گوشت کھانے والوں یا گرم پتھروں پر گوشت کو پھیلا
کر کباب کرنے والوں یا ہانڈیوں میں جلد پکانے والوں میں تقسیم ہوگیا!
امراؤ القیس کے اشعار نے معاشرتِ عرب جاہلیت کے اس پہلو کو نمایاں کیا ہے کہ ایام
جاہلیت میں جب ان کا دل کباب کھانے کو چاہتا تو وہ پارچہ ہائے گوشت کو تپتے ہوئے پتھروں
پر ڈال دیتے تھے جہاں پارچے بھن جاتے تھے یہی ان کے معاشرے میں "کباب" تھے!
معاشرت کے متعدد پہلوؤں کی عکاسی کرنے والے ان اشعار جاہلیت کو ملاحظہ کیجئے جن کو شعرائے
معلقات سبع (سبعہ معلقات) نے پیش کیا ہے۔ آپ کو ان کے اشعار میں رزم و بزم کی جھلکیاں
ملیں گی، عشق و محبت کی داستانیں ہیں، بنتِ عم سے معاشقہ پر وہ آپ کو مفتخر ملینگے! خیموں
میں زندگی بسر کرنے کے اطوار آپ موجود پائینگے، سفر و حضر میں اونٹ ان کی زندگی کا قیمتی سرمایہ
ہے، وہ جب محبوب کی منزل پر پہنچتے ہیں تو اس کے فراق میں درد بھرے اشعار کہتے ہیں، ریت
کے تودوں اور ویران جھونپڑوں سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ اپنی شجاعت اور جوانمردی کے اظہار پر
تفاخر کرتے ہیں، پانی کے چشموں پر قبضہ کرنے پر جدال و قتال ہوتا ہے۔ سفر میں جب تھک کر قیام
کرتے ہیں تو بجائے سبزہ زار کے جنگلی درخت ہوتے ہیں، انہی درختوں کے پھول ان کا دل بھاتے
ہیں، بارش سے وقتی طور پر جو خودرو گھاس نکل آتی ہے وہی ان کے سبزہ زار ہیں!
۱: عرب کے عام درخت حنظل، تھوہر اور سمرہ یعنی ببول تھے۔ امراء القیس کہتا ہے ؎

کان غداۃ البین یوم تحملوا لدی سمرات الحی ناقف حنظل

میں قبیلہ کے ببول کے درختوں کے نزدیک حنظل توڑنے والے کی طرح اشکبار تھا

طرفہ کہتا ہے

کَاَنَّ البرین والدّما لبح علقت علیٰ عُشَرٍ او خروع لم یخضّبا

عشر (درخت مدار) اور خروع (ارنڈ) جگہ جگہ پائے جاتے ہیں؛

۲۔ **سڑکیں اور راستے:۔** کھوجی نقش پا سے پتہ چلاتے تھے کہ اس راہ سے کوئی گزرا ہے اور نقشِ پا سڑک پر نہیں بن سکتا بلکہ وہ ریتلی زمین پر اپنا نقش چھوڑتا ہے!

خرجت بھا امشی تجرّ وراءنا علیٰ اثرینا ذیل مرطٍ مرحلِ

گل پاشی تو اس وقت ہو سکتی تھی جب کہ پھولوں پر دست رس ہو، چہلیں کرتی ہوئی عورتیں ہنسی مذاق میں ایک دوسرے پر گوشت کے ٹکڑے پھینکتی تھیں جو عموماً اونٹ کے گوشت کے ہوتے تھے؛ امراء القیس کہتا ہے!

فضل العذاری یرتمین بلحمھا وشحم کھداب الدمقس المفتّلِ

۳۔ **وقت معلوم کرنا:۔** نہ مشینی گھڑیاں تھیں اور نہ سایہ سے وقت معلوم کرتے تھے بلکہ رات میں ستاروں سے وقت معلوم کیا جاتا تھا!

اذا ما الثریا فی السماء تعرّضت تعرض اثناء الوشاح المفصّل

ثریا ستارے جب آسمان پر اس طرح نمودار تھے جیسے آبدار موتیوں کے درمیان سیاہ پوتھ کے دانے؛

۴۔ تزئین حسن کے لئے گودنے کا رواج عام تھا اور عورتیں اس کو زیبائش حسن کا ذریعہ سمجھتی تھیں طرفہ بن العبد البکری کہتا ہے ؎

لخولۃ اطلال ببرقۃ تھمد تلوح کباقی الوشم فی ظاھر الید؛

لبید بن ربیعہ عامری کہتا ہے؛

اَوْرَجْعُ وَاشِمَۃٍ اُسِفَّ نُؤُرُھَا کِفَفًا تَعَرَّضَ فَوْقَھُنَّ وِشَامُھَا

عام طور پر پشت دست گدوایا جاتا تھا، جیسا کہ "ظاہر الید" سے نمایاں ہے، اسلام نے اس کو سختی سے منع فرمایا!

۵۔ قتل و خونریزی جاہلیت کا محبوب مشغلہ تھا لیکن "دیت" کی ادائیگی اس عصر جاہلیت میں بھی جاری و ساری تھی اور یہ دیت اونٹوں کے ذریعے ادا کی جاتی تھی؛

زہیر کہتا ہے:۔ تعفی الکلوم بالمئین فاصبحت ینجمھا من لیس فیھا بمجرم

اس شعر میں ان اونٹوں کے سینکڑوں کا بیان کیا ہے جو دیت میں ادا کرنا قرار پاتے ہیں اور جن کو دیت ادا کرنے والا قسط وار ادا کر رہا ہے۔

يُنَجِّمُهَا قَوْمٌ لِقَوْمٍ غَرَامَةً ۔۔۔ وَلَمْ يُهَرِيقُوا بَيْنَهُمْ مِلْءَ مِحْجَمِ

ایک قوم دوسری قوم کو دیت میں ان اونٹوں کو قسط وار ادا کر رہی ہے حالاں کہ انہوں نے سینگی بھر خون بھی آپس میں نہیں بہایا؛

۶۔ عہد جاہلیت میں جدال و قتال اور عظیم شخصیتوں کی ہلاکت کے واقعات کو بھی ان اشعار ہی کے ذریعہ محفوظ رکھا جاتا تھا؛ عہد جاہلیت کی مختلف جنگوں کا ذکر ان کے اشعار میں موجود ہے؛ جیسا کہ زہیر کے اس قصیدے میں ہے۔

وَلَا شَارَكَتْ فِي الْقَوْمِ فِي دَمِ نَوْفَلٍ ۔۔۔ وَلَا وَهَبٍ مِنْهُمْ وَلَا ابْنِ الْمُخَزَّمِ

اور ان لوگوں کے نیزے نوفل اور وہب اور مخزم کے بیٹوں کے خون میں شریک ہوئے

۷۔ بنت عم سے معاشقہ پر عہد جاہلیت میں جس طرح فخر کیا جاتا اسی طرح مے نوشی بھی ان کے لئے فخر و مباہات کا ذریعہ تھی! لبید بن ربیعہ عامری اور عمرو بن کلثوم تغلبی کے قصائد میں مے نوشی پر فخر و مباہات کے متعدد اشعار موجود ہیں میں عمرو بن کلثوم کے صرف دو شعر یہاں لکھتا ہوں؛ 29061

صَبَنْتِ الْكَأْسَ عَنَّا أُمَّ عَمْرٍو ۔۔۔ وَكَانَ الْكَأْسُ مَجْرَاهَا الْيَمِينَا

تَرَى اللَّحِزَ الشَّحِيحَ إِذَا أُمِرَّتْ ۔۔۔ عَلَيْهِ لِمَالِهِ فِيهَا مُهِينَا

یہاں اتنا موقع نہیں کہ زندگی کے تمام پہلوؤں کی نمائندگی کرنے والے اشعار جاہلیت کو پیش کروں، صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ ان کے اشعار میں زندگی کے ہر رخ کی عکاسی ہے۔ رزم بزم، تمول و عزت، سفر و حضر، عشق و محبت، مے نوشی، فراق و جدائی، جنگ و صلح، قصاص و دیت، ذرائع سفر (ان میں گھوڑے کا ذکر بہت کم ہے اونٹ کا ذکر بکثرت ہے اور اس کی تعریف عجب عجب انداز سے کی گئی ہے) خود ستائی، فخر و مباہات، اپنے قبیلہ کی مدح و ستائش آبا و اجداد کی بزرگی اور برتری پر فخر! ملک کے جغرافیائی حالات، جنگل کی جڑی بوٹیاں، ریت کے تودے، سراب، پانی کے چشمے، حیاتِ انسانی کے ان تمام گوناگوں پہلوؤں کی عکاسی آپ کو نہ صرف

سبعہ معلقات کے شعراء کے یہاں بلکہ دوسرے شعرائے جاہلیت کے اشعار میں ملے گی اور ان ہی سے تاریخ دور جاہلیت مرتب ہوئی ہے۔ عورت، اونٹ، گھوڑے اور پانی کے چشموں پر قبضہ اور اقتدار خاندانی رقابتیں اور انتقام، لوٹ مار اور جنگ و جدال کا باعث تھیں، یہ جنگ توپ تفنگ کی جنگ نہ تھی بلکہ نیزے، تیر اور تلوار کی جنگ ہوتی تھی ان ہی کو ایام عرب کہتے تھے یعنی عربوں کی خانہ جنگیاں، ان جنگوں کی کوئی باقاعدہ تاریخ مرتب کرنے کا نہ ان کو ہوش تھا اور نہ اتنا علم؛ انھوں نے ان واقعات کو اشعار میں محفوظ کرلیا، یہی اشعار ایام جاہلیہ کے ترجمان ہوتے تھے اور بعد کو آنے والے ارباب فضل نے ان ہی سے تاریخ ایام جاہلیت مرتب کی ہے۔ مختصراً "ایام العرب فی جاہلیت" میں چھوٹی بڑی صدہا لڑائیوں اور خانہ جنگیوں کا تذکرہ آپ موجود پائینگے

یہ "ایام عرب" قبائل کے مابین ہی برپا ہوئیں ان میں اتنی طاقت تو نہ تھی کہ کسی دوسرے متمدن ملک پر خروج کرتے یا دوسری اقوام نے جب ان پر حملے کئے تو وہ ان کے دفاع کی اہلیت رکھتے۔ البتہ باہمی خانہ جنگیوں اور لوٹ مار میں یہ بڑے چابکدست تھے " ایام عرب فی جاہلیت" یعنی (عصر جاہلیت کی لڑائیاں) جن کا ماخذ اور مبنیٰ اشعار جاہلیت ہیں، ان میں قابل ذکر لڑائیاں " ایام عرب" یہ ہیں؛

۱۔ ایّام القحطانین فیما بینھم :۔ (قحطانیوں کی باہمی جنگیں)

ان تمام جنگوں میں قبیلۂ اوس و خزرج کی جنگ بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ قرآن حکیم نے اپنے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور قحطانیوں کی خانہ جنگیوں میں اوس و خزرج کی لڑائی کے بعد "یوم بعاث" یا بعث کی جنگ ہے؛

۲۔ ایّام القحطانین والعدنانین (وہ جنگیں جو قحطانیوں اور عدنانیوں کے درمیان ہوئیں):۔

یہ لڑائیاں تعداد میں ۹ ہیں اور ان میں مشہور ترین جنگ "یوم طغفہ" ہے؛

۳۔ ایّام ربیعۃ و تمیم (قبیلۂ ربیعہ اور تمیم کی جنگیں):۔

(ان دونوں قبائل میں پندرہ مرتبہ تصادم ہوا) ان میں "یوم الوقیط" بہت مشہور ہے

۴۔ ایام قیس و تمیم (قبیلہ قیس و تمیم کی باہمی چپقلشیں اور لڑائیاں)،۔
یہ دونوں قبائل اپنی پوری پوری قوت کے ساتھ گیارہ مرتبہ ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے!

۵۔ ایام قیس و کنانہ (قیس اور قبیلہ کنانہ کی لڑائیاں)۔
قبیلہ قیس اور کنانہ کے مابین تین لڑائیاں ہوئیں اور ان میں "حرب الفجار" بہت مشہور ہے۔ حرب الفجار ثانی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اعمام کے ساتھ شریک تھے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت صرف اتنی تھی کہ آپ اپنے اعمام بزرگ کو ترکش سے تیر نکال نکال کر دیدیتے تھے، یہ لڑائی چونکہ اشہر الحرام میں واقع ہوئی تھی اس لئے اس کو "حرب فجار" کہا گیا یہ جنگ جو یوم عکاظ سے بھی موسوم ہوئی ۵۸۹ء میں ختم ہوئی!

۶۔ ایام قیس و تمیم (وہ جنگیں جو قبیلۂ قیس اور قبیلۂ تمیم کے درمیان ہوئیں)۔
یہ لڑائیاں تعداد میں کل سات ہیں، ان لڑائیوں میں "یوم شعب جبلہ، ذی نجب اور رغام بہت مشہور ہیں!

۷۔ ایّام ضبّہ وغیرھم (وہ لڑائیاں جو بنی ضبّہ اور دوسرے قبائل سے ہوئیں)۔
یہ جنگیں صرف پانچ بار وقوع پذیر ہوئیں اور ان میں دو لڑائیاں بہت اہم ہیں، ایک یوم النسار اور دوسری شقیقہ!

۸۔ ایّام متفرقہ:۔ ان میں یوم جدیس، ذات الاثل اور صفوۂ مشہور ہیں۔ پہلی جنگ قبیلہ طسم اور جدیس کے مابین واقع ہوئی! ان تمام ایام کے وقائع مختصراً متحارب قبیلوں کے شعراء نے اپنے مفاخر میں اور بعض نے بطور مرثیہ نظم کئے ہیں، متقدمین مورخین اسلام نے ان ہی شعراء کے کلام سے ان "ایّام" کی نشاندہی کی ہے۔ ان شعراء میں:۔

۱۔ عدّی بن مرینا الاسود ۲۔ ہند بنت لغمان ۳۔ حنظلہ بن ثعلبہ،
۴۔ اَعشیٰ قیس عیلانی ۵۔ بکیر اصم بنی الحارث بن عباد ۶۔ امرأو القیس،

۷۔ مشاس بن عبدۃ ۸۔ درہم بن زید ۹۔ ابو قیس بن الاسلت
۱۰۔ قیس بن الخطیم الاوسی ۱۱۔ حسان بن ثابت النجاری الخزرجی ۱۲۔ خفاف بن ندبہ
۱۳۔ جعفر بن عتبنہ ۱۴۔ شریح بن حارث البروعی ۱۵۔ متمم بن نویرہ
۱۶۔ قیس بن جردۃ الطائی ۱۷۔ لقیط بن زرارہ ۱۸۔ عبید بن الابرص
۱۹۔ عبد یغوث ۲۰۔ مسہر ۲۱۔ عامر ۲۲۔ جشاس
۲۳۔ المہلہل۔ ۲۴۔ ربیعہ بن طریف ۲۵۔ قیس بن عاصم

مذکورہ بالا شعرا کے علاوہ متعدد شعراء جاہلیت نے ان واقعات کو بطور فخر و مباہات اور بصورت مراثی نظم کیا ہے اور ان ہی کے کلام سے ان ایام عرب اور عہد جاہلیت کی تاریخ مرتب ہوئی ہے ان صفحات میں ان تمام شعرار کا تذکرہ محال ہے اور اتنی گنجائش بھی نہیں کہ شعراء ایام عرب کا وہ کلام پیش کرسکوں جو تاریخ عہد جاہلیت کا مبنیٰ اور ماخذ ہے مجھے یہاں صرف اس امر کا اظہار کرنا مقصود تھا کہ عہد جاہلیت کے تمدن کی تاریخ میں ہمارے ماخذ اور منابع یہی اشعار ہیں۔ ہم جب عہد جاہلیت کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد وہ ایک سو سال کا زمانہ ہے جو اسلام سے قبل گزرا ہے؛

ملل قدیمہ کی تاریخ کے ماخذ و منابع کتبات سنگیں ہیں یا صحائف قدیمہ (مسخ و محرف شکل میں) اور قرآن مجید یا نسّاب کی یادداشتیں ہیں جو قومی اجتماعات یا جنگ و جدال کے مواقع پر اظہار تفاخر کے لئے وہ بیان کیا کرتے تھے؛

نسّابین نسّابین عہد جاہلیت میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور قبیلہ میں ان کا ایک خاص مقام تھا۔ چونکہ عرب نسب کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے اس لئے ان کے یہاں علم نسب اور نسابین کی بڑی اہمیت تھی، کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں کوئی نسب دان (نسّاب) موجود نہ ہو اور اس نسب دان کا اہم کام یہ ہوتا تھا کہ وہ فروع کو اصول سے ملاتا تھا اور وہ ان لوگوں کو اس سلسلہ سے خارج کر دیتے جو حقیقت میں اس قبیلہ کے سلسلۂ نسب میں شامل نہیں تھے، بعض مشہور قبائل کے نسب دانوں کا یہاں مختصر سا ذکر کیا جاتا ہے؛

اس قبیلہ کا نسب دان یا نسّاب!	مختصر حال
١۔ دغفل بن حنظلہ السدوسی	یہ بنی ذہل بن ثعلب کے قبیلہ کا ایک فرد تھا اور اپنے دور کا بہترین اور بلند پایہ نسب دان سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اسلام کا زمانہ پایا۔ یہ بنی شیبان کا نسّاب تھا
٢۔ ورقاء الاشعر	یہ اپنے زمانہ کے علمائے انساب سے تھا اس کو عربوں کا عظیم نسب دان قرار دیا گیا ہے، قبیلہ بنی تمیم کا نسّاب تھا؛
٣۔ زید بن الکیس النمری	دغفل کے مرتبہ کا نسّاب تھا، یہ علاوہ نسّاب ہونے کے نہایت فصیح و بلیغ خطیب بھی تھا؛
٤۔ نخّار بن اوس بن الحرث	یہ شخص بھی ایک بلند پایہ نسّاب تھا۔
٥۔ صعصعہ بن صوحان	عہد جاہلیت کا مشہور نسّاب تھا اسلام کا زمانہ بھی پایا، قبیلہ نزار سے اس کا تعلق تھا؛
٦۔ عبداللہ بن عبدالحجر بن عبدالمدان۔	عہد جاہلیت کا نسّاب تھا، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوا۔ عبداللہ نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا عطا فرمودہ ہے؛

تاریخ عصر جاہلیت میں اور متعدد نسّابین کا ذکر ہے، مذکورہ بالا نسابین وہ ہیں جو قریب عہد اسلام گزرے ہیں اور انھوں نے زمانہ اسلام کو بھی پایا ہے اور علم الانساب میں شہرت کے مالک ہیں؛ نسّابین کی زبان سے ادا ہونے والے یہ سلسلہ ہائے نسب مبالغہ اور کذب سے بھی خالی نہیں ہوتے اکثر نسّابین نے اس سلسلہ میں مبالغہ آمیزی اور دروغ گوئی سے بھی کام لیا ہے۔ ان قدیم نسبوں کے بیان کے سلسلہ میں ان کے اقوال تصدیق طلب بھی ہیں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجداد گرامی کے سلسلہ میں عدنان تک توثیق کی اور اس کو درست قرار

دیا ہے اور عدنان کے اوپر کی پشتوں کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کذب النسابون عدنان سے اوپر نسب میں نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے:

شعرائے جاہلیت کے اشعار اور نسابین کے بیان شدہ نسب ہائے قبائل کے علاوہ ایک تیسرا ماخذ ایام عرب اور تاریخ قدیم کے لئے وہ کتبات اور شکستہ اور ویران عمارتیں ہیں جو ملک یمن اور دوسرے تاریخی شہروں میں پائی جاتی ہیں اگرچہ وہ تاریخی شہر ویران اور برباد ہوگئے لیکن ان کے خرابوں میں جو کتبات ہیں وہ ان کی تاریخی حیثیت کے تعین کرنے والے ہیں ان کتبات میں سے کچھ پڑھ لئے گئے ہیں اور ابھی کچھ کا پڑھنا باقی ہے' ان کتبات اور آثار صنادید عرب کے ذریعہ عرب کی تاریخ قدیم اور عصر جاہلیت کے بارے میں بہت سے انکشافات ہو چکے ہیں حالانکہ عرب خود ان حقائق سے بے خبر تھے۔ یہ تو "تاریخ عرب قدیم" مرتب کرنے والوں کی مساعی کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے جدوجہد کر کے قدیم تاریخ کا کھوج لگایا اور "تاریخ عرب قدیم" کے تار و پود مرتب کئے ہیں ان ہی کتبات سے ان روابط کا پتہ چلتا ہے جو ایران و عراق و شام و فلسطین، مصر و یونان اور روم کی سلطنتوں سے عربوں کے قائم تھے، اسی طرح ان کتبات ہی سے اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا ہے کہ "ملک عرب ہی بنی سام کا اصل مستقر تھا"، یعنی سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سب سے اوّل اس عظیم صحرائی خطے" میں آکر مقیم ہوئی تھی اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تین ہزار پچاس برس قبل "بنی سام"، کا ایک سیلاب تند رو اسی سرزمین سے بابل، نینوا شام، ارض کنعان اور مصر میں امنڈ آیا تھا پھر ان علاقوں میں بنی سام نے عظیم اور پرشکوہ سلطنتیں قائم کیں، ملکی قوانین مرتب کئے اور دنیا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کی تعلیم دی اور خدا شناسی کا درس دیا؛

مصر، آشوریہ اور بابل جیسے عظیم شہروں کے کھنڈروں میں پائے جانے والے آثار اور وہاں کے کتبات بھی تاریخ عرب جاہلیت کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں؛

اس تاریخ کا چوتھا ماخذ توریت، زبور اور قرآن مجید ہے؛ قدیم تاریخ عرب کے سلسلہ میں توریت اور زبور میں بہت کچھ تصریحات موجود ہیں۔ یہود سے عربوں کے جو تعلقات قائم تھے اس کا کچھ اندازہ عبرانی اور عربی کے قریبی تعلق سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ دونوں سامی

زبانیں ہیں! پندرھویں صدی قبل مسیح میں جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو فلسطین پہنچنے سے پہلے وہ چالیس برس تک سینا اور نفود کے صحرا میں پھرتے رہے ہیں قرآن حکیم میں ارشاد ہے :-

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ	پروردگار نے فرمایا اچھا ان کی سزا یہ ہے کہ) چالیس سال تک اس ملک (فلسطین) میں جانا ان کو نصیب نہیں ہوگا جنگل میں حیران سرگردان پھرتے رہیں گے۔ تم (اے موسیٰ) ایسے نافرمان لوگوں کا غم مت کرو۔

(سورۃ المائدہ، آیت ۲۶)

توریت اور زبور کے متعدد ابواب میں تاریخ قدیم کی جھلکیاں موجود ہیں؛ چنانچہ "کتاب آفرینش" میں بنی اسماعیل کا سامان تجارت یعنی روغن بلساں اور مصالحوں سے لدے ہوئے اونٹوں کے ساتھ آنا مذکور ہے جو بنی اسماعیل کے تجارتی کاروبار کا ایک ہلکا سا نقشہ ہے؛

باب تکوین۔ ارمیاہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے تاریخی واقعات، یسیعیاہ، یسوع کتاب خروج۔ استثنا۔ گنتی۔ تلمود۔ میں موجود ہیں۔

توریت اور "اناجیل" میں ملل قدیمہ کے ان ہی سلاطین کا تفصیلی ذکر ہے جو "موسوی مشرب" تھے یا ان کے مقابل آنے والے سلاطین کا ذکر ہے، جو شکست خوردہ اور ہزیمت آشنا ہوئے محرف صحیفوں سے ملل قدیمہ اور بنی اسرائیل کی تاریخ کو یورپ نے مرتب کیا ہے، یہی تراجم ہمارے سامنے ہیں!

قرآن مجید میں، بنی اسرائیل کی تاریخ بہت تفصیل سے موجود ہے چنانچہ سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل کا تفصیلی تذکرہ ہے، قوم نوح، قوم عاد و ثمود، اصحاب الرس، اصحاب الایکہ، اصحاب لاخدود کا تذکرہ ہے۔ سب سے بسیط تذکرہ قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کا ہے مندرجہ ذیل صراحت سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا؛

قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کی تاریخ

اِن سُورتوں میں مطالعہ کیجئے

نمبر شمار	نام سورۃ	پارہ	رکوع	نمبر شمار	نام سورۃ	پارہ	رکوع
۱۔	سورۃ البقرہ	۱ و ۲	۲،۳،۷،۸،۱۹،۳۰	۱۶۔	سورۃ المومنون	۱۸	۳
۲۔	" آلِ عمران	۳، ۴	۶، ۷	۱۷۔	" النمل	۱۹	۱
۳۔	" النسَاء	۵	۲۳	۱۸۔	" الصّافات	۲۳	۴
۴۔	" مائدہ	۶	۳، ۵، ۱۰	۱۹۔	" حم السجدہ	۲۴	۶
۵۔	" الانعام	۷ / ۸	۲ / ۱۱	۲۰۔	" الزخرف	۲۵	۶
۶۔	" اعراف	۹	۱۳ تا ۱۹	۲۱۔	" الدّخان	۲۵	۱ و ۲
۷۔	" انفال	۱۰	۲	۲۲۔	" الاحقاف	۲۶	۲
۸۔	" یونس	۱۲	۲	۲۳۔	" الذّاریات	۲۷	۲
۹۔	" ہود	۱۲	۹	۲۴۔	" القمر	۲۷	۲
۱۰۔	" الرعد	۱۳	۵	۲۵۔	" الحدید	۲۷	۴
۱۱۔	" النحل	۱۴	۱۶	۲۶۔	" الصّف	۲۸	۱
۱۲۔	" بنی اسرائیل	۱۵	۱۲	۲۷۔	" الجمعہ	۲۸	۱
۱۳۔	" مریم	۱۶	۴	۲۸۔	" الحاقہ	۲۹	۱
۱۴۔	" طٰہٰ	۱۶	۴	۲۹۔	" المزمّل	۲۹	۱
۱۵۔	" انبیاء	۱۷	۴	۳۰۔	" النّٰزعٰت	۳۰	۱

۳۱۔ سورۃ الفجر پارہ ۳۰ رکوع ۱

ان تمام سُورہ مبارکہ میں یہودیوں کی قومی تاریخ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان پر احسانات ان کی نافرمانی، توبہ، انعامات، من وسلویٰ، فرعون اور اس کا تمرد، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، نشونما، فرعون کے مستقر سلطنت کو ترک کرنا۔ مدین پہنچنا۔ حضرت شعیب علیہ السلام

کا مہمان ہونا۔ ان سے ایک معاہدہ۔ ان کی بیٹی صفورا سے عقد۔ وطن کو واپسی۔ راستے میں آگ لینے کے لئے طور پر پہنچنا۔ پیغمبری اور معجزات کا عطا ہونا۔ ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے دربار میں جانا اور اعلاء کلمۂ حق۔ ساحران دربار سے مقابلہ۔ ساحروں کا ایمان قبول کرنا۔ بنی اسرائیل کو قبطیوں کی غلامی سے آزاد کرنا۔ ان کو ساتھ لے کر نکلنا۔ عسکر فرعون کا ان کے تعاقب میں روانہ ہونا۔ دریائے نیل میں حضرت موسیٰؑ اور اسرائیلیوں کے لئے راستہ بن جانا من وسلویٰ کا نزول۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حصول توراۃ کے لئے پہاڑ پر تشریف لے جانا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنانا۔ سامری کا گئوسالہ بنایا اور اسرائیل کا اس کی پرستش شروع کر دینا۔ بنی اسرائیل کی روز افزوں نافرمانیاں۔ سینا کے بیابان میں تباہ حال اور سرگرداں پھرنا اور پھر ارضِ فلسطین پہنچنا؛ غرضکہ یہ تمام واقعات جو بنی اسرائیل کی ایک سچی تاریخ ہے قرآن حکیم نے پیش کر دی ہے۔ میں نے ان سورتوں کا حوالہ دیا ہے جن میں یہ واقعات مذکور ہیں صرف انہی سورتوں پر منحصر نہیں ہے اور سورتوں میں بھی کہیں کہیں بنی اسرائیل کا ذکر ہے ۔

قرآن حکیم میں امم سابقہ یا امم ماضیہ میں سب سے زیادہ مبسوط واقعات واحوال اسی نافرمان قوم بنی اسرائیل کے ہیں' صرف یہی نہیں بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام' ملک سبا' سبا کی ملکہ بلقیس۔ قوم حنیفی' ارض مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے حالات اور ان کی قوم' حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد' حضرت صالح علیہ السلام کے حالات اور قوم ثمود؛ عاد وثمود کی بربادی۔ حضرت لوط علیہ السلام' شہر سدوم اور اس کے باشندوں کی بربادی۔ اصحاب الایکہ اصحاب اخدود اور اصحاب الفیل کے واقعات ان کی زندگی کے نشیب و فراز' ان کی نافرمانی اور تباہ حالی کو قرآن حکیم نے کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے ؛

عرب جاہلیت اور قدیم اقوام عرب کی تاریخ لکھنے والے حضرات نے ان ہی ارشادات کو اپنا ماخذ بنایا ہے' مستشرقین یورپ نے جب ان اقوام قدیمہ کی تاریخ پر قلم اٹھایا تو

انھوں نے توریت، زبور اور انجیل کی روایات کو اپنا ماخذ قرار دیا؛

عرب مورخین نے جب اپنی تاریخ کی نگارش پر قلم اٹھایا تو اس تاریخ کو تین طبقات پر منقسم کیا۔ عرب بائدہ۔ عرب عاربہ اور عرب مستعربہ؛ میں یہاں بہت ہی مختصر طور پر ان تینوں طبقات کا ذکر کروں گا؛

۱۔ عرب بائدہ، کے معنی ہیں ــــ ہلاک ہو جانے والوں کے، اس سے مراد سرزمین عرب کی وہ قدیم ترین اقوام ہیں جو سب سے پہلے اس عظیم جزیرہ نما میں آکر آباد ہوئیں اور قرآن حکیم کے اس ارشاد کے بموجب فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ یہ سب اپنے اپنے وقت مقررہ پر عرب ہی میں ختم ہو گئیں۔ عاد اول، عاد ثانیہ، ثمود اول، ثمود ثانیہ، جرہم، طسم جدیس، بنی لحیان اور بنی معین، قرآن حکیم میں ان اقوام کے احوال مختلف سورتوں میں موجود ہیں یہ تمام اقوام عرب بائدہ یں شامل کی گئی ہیں؛

قوم عاد:۔ عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد عاد اُولیٰ کہلائی، ان کا مسکن احقاف تھا یعنی ربع الخالی کا جنوبی علاقہ تھا اور یہ ریگ برسانے والی سخت آندھی سے ہلاک ہوئے۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے تھے لیکن ان کی نافرمانی اور مشرکانہ باتیں جب ختم نہ ہوئیں تو:۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ — اور عاد سو وہ بڑے زور کی سخت آندھی سے ہلاک کر دیئے گئے۔

آج بھی ربع الخالی میں ریگ کے جو طوفان اٹھتے ہیں قیامت اٹھاتے ہیں۔ ریگ کے کوہ نما تودے آن کی آن میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ اور نشانِ راہ ذرا سی دیر میں معدوم ہو جاتے ہیں؛ آج تک پختہ راستے نہیں بنائے جاسکے کہ بگولوں اور آندھی کے ریتیلے تھپیڑوں سے باقی رہنا محال ہے!

احقاف کی تباہی کے بعد بچے کھچے افراد بابل کی سرزمین پر نکل گئے، یہاں پہنچ کر انھوں نے بہت جلد وقار حاصل کر لیا اور کافی عرصہ تک شاہانِ بائدہ کے نام سے بابل اور مصر پر

حکومت کرتے رہے ان ہی کی اولاد اور ان کے اخلاف عاد ثانی کے نام سے یمن اور سبا میں برسر اقتدار رہے! قوم عاد تمام عرب میں پھیلی ہوئی تھی تباہی کے بعد جو لوگ بچ گئے تھے وہی تاریخ ملل قدیمہ میں عاد ثانی کہلاتے۔ حضرت لقمان اسی قوم عاد ثانی کے کچھ عرصے تک حکمران رہے۔

قوم ثمود:۔ ثمود بن جثر بن ارم، جن کا مسکن وادی القریٰ کا پہاڑی خطہ یعنی مدینہ اور شام کا درمیانی سنگلاخ تھا۔ سنگ تراشی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے!

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۙ (سورۃ الفجر) وَکَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ (سورۃ الحجر آیت ۸۲)

اور قوم ثمود نے وادی (القریٰ) میں اپنے رہنے کے لئے پہاڑ تراشے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بنائے تھے

حضرت صالح علیہ السلام ان کی ہدایت کے لئے مامور فرمائے گئے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ (الاعراف ۷۳) وَاذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ الخ (سورۃ الاعراف ۷۴)

قوم ثمود میں ہم نے ان ہی کے بھائی صالح کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اے ثمود! یاد کرو (اس انعام کو) کہ تم کو عاد کے بعد ان کا خلیفہ بنایا۔

لیکن اس قوم نے ان سے اللہ کی نشانی طلب کی اور اس نشانی (اونٹنی) کو ان کی تنبیہ کے باوجود مار ڈالا! اس نافرمانی پر قہر الٰہی نازل ہوا اور پوری قوم برباد اور فنا کردی گئی!

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْیٰهَا ؕ فَکَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۙ وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا

(سورۂ شمس، آیت ۱۳-۱۴-۱۵)

ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر (صالح علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ کی اس اونٹنی سے اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا، سو انھوں نے پیغمبر کو جھٹلایا پھر اس اونٹنی کو (کونچیں کاٹ کر) مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی اور اس (ہلاکت) کو تمام قوم

کے لئے عام فرما دیا اور اللہ کو اس ہلاکت
سے اخیر میں کسی خرابی کا اندیشہ نہیں ہوا

قوم ثمود پر اس ہلاکت کی وضاحت بھی قرآن حکیم نے فرمائی ہے۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ۝ — پھر زلزلے نے ان کو (نیچے سے) آدبایا صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے مرے پڑے تھے۔

سورۃ الاعراف آیت ۷۸

قوم ثمود کا مستقر یا صدر مقام حجر تھا، حجر اس شاہراہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کو جاتی ہے، اب یہاں پر حجاز ریلوے کا اسٹیشن فج الناقہ واقع ہے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک پر جب تشریف لے گئے تو اس مقام سے گزرے تھے۔

اولادِ ہود علیہ السلام — حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سلسلہ نسب حضرت ہود علیہ السلام سے پانچویں پشت میں مل جاتا ہے یعنی :-

حضرت ہود علیہ السلام
قحطان — فلج
رعو
سروج
غور
حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش مضافات بابل میں ہوئی یعنی تل مغیرہ میں یہ مقام شہر اخیریہ سے جنوب مغرب میں کچھ فاصلہ پر واقع ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کتب سیر میں تفصیل سے موجود ہیں اور قرآن حکیم میں متعدد سورتوں میں آپ کا ذکر آیا ہے۔

وَاذۡكُرۡ فِی الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ۝

(سورۂ مریم آیت ۴۱)

ترجمہ: اے پیغمبر! کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو، وہ بڑے راستی والے پیغمبر تھے!

عربِ عاربہ

عاربہ کے معنی حضریت سے محروم صحرائی یعنی "بدوی"، کے ہیں، ممکن ہے کہ اس قوم کی ابتدائی حالت ایسی ہو کہ اس پر عاربہ کا لفظ صادق آتا ہو اور اس قوم کی ابتداء دشت نوردی اور بدویت سے ہوئی ہو حالانکہ تاریخی شواہد یہ بتاتے ہیں کہ ترقی کی راہ میں یہ قوم بھی بہت آگے نکل گئی تھی۔

عرب عاربہ میں بڑی بڑی متمدن قومیں پیدا ہوئیں اور انھوں نے عظیم سلطنتیں قائم کیں۔ "عرب عاربہ" کا مورث اعلیٰ قحطان ہے۔ یمن ان کا مستقر اور مرکز تھا، یہاں سے پھر یہ دوسرے ممالک میں پھیلے۔ قحطان سرزمین یمن کا پہلا بادشاہ تھا، اس نے سب سے پہلے تاج شاہی استعمال کیا، ورنہ اب تک عرب "تاج" کے استعمال سے نا آشنا تھے۔ قحطان سام بن نوح (علیہ السلام) کی اولاد سے ہے اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت سے دو ہزار برس قبل وہ مملکت یمن پر حکمراں تھا۔ حضر الموت (ربع الخالی) کا عظیم ریگزار اسی قحطان کے فرزند "حضار موت" کے نام پر موسوم ہوا، جو آج بھی دنیا کے عظیم ریگستانوں میں شمار ہوتا ہے اور حضرموت کے نام سے جانی پہچانی چیز ہے؛ عصر حاضر کے عرب اس کو "ربع الخالی" کے نام سے موسوم کرتے ہیں؛ اس کی نسل نے "حضرموت" کی سلطنت قائم کی، آخر میں یہ سلطنت، مملکت سبا کے زیر اقتدار آگئی اور جنگ و جدل کے ایک طویل سلسلہ نے ان کو برباد کردیا جو نسل باقی رہی وہ "بنی کندہ" میں ضم ہوگئی۔

بنی قحطان کی سب سے مشہور اور مستحکم سلطنت "سبا کی سلطنت" تھی، سبا قحطان کا نبیرہ تھا جس کا نام عبد شمس تھا لیکن سبا لقب پڑ گیا حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک ارشاد میں فرمایا ہے کہ سبا ایک شخص کا نام تھا جس کا اصل نام ذہنوں سے مٹ گیا اور لقب (سبا) تاریخ کے صفحات پر محفوظ رہ گیا، سبا بڑی متمدن اور مہذب سلطنت تھی جیسا کہ قرآن حکیم میں مذکور ہے، ہدہد بارگاہِ سلیمان (علیہ السلام) میں عرض کرتا ہے

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝	میں نے ایک عورت کو ان پر (سبا کے لوگوں پر) حکومت کرتے ہوئے پایا اور ہر طرح کے سازو سامان اس کو میسر ہیں اور اس کے یہاں شاندار

تخت ہے؛

یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام فلسطین اور شام پر حکمراں تھے اور جنوبی عرب کی شاداب اور زرخیز مملکت یمن پر سبا کی ملکہ بلقیس حکمراں تھی۔ قبل مسیح تک سلطنت قائم رہی۔ قبل مسیح میں یمن کا حکمران شدّاد بن عاد ثانی تھا اس کے بعد اس کے بھائی حضرت لقمان اور پھر ذو شد حکمراں ہوئے۔ ان کے بعد حارث الرائش نے حضرموت کی وسیع سلطنت کو سبا کی سلطنت میں ضم کر لیا اور اس کا لقب اس عظیم کارنامے کے باعث تبع پڑ گیا جس کو تبع اوّل سے موسوم کیا جاتا ہے ان تبابع یمن میں صعب ذوالقرنین کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا، جن کی سد کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے؛

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا	انھوں نے ذوالقرنین سے عرض کیا کہ اے ذوالقرنین یاجوج و ماجوج جو اس گھاٹی کے اُس طرف رہتے ہیں ہماری اس زمین پر بڑا فساد برپا کرتے ہیں کیا ہم آپ کیلئے کچھ خرچ (رقم) جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک سد بنا دیں (کہ وہ پھر ادھر نہ آنے پائیں)۔ ذوالقرنین نے جواب دیا مال پر میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے سو مال کی تو مجھے ضرورت نہیں البتہ قوت (ہاتھ پاؤں) سے میری مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں سو تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ چنانچہ جب تہ بہ تہ ان کے دونوں سروں کے خلا کو پر کر دیا تو حکم دیا کہ اب دھونکو چنانچہ دھونکا

اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ	شروع ہوگیا یہاں تک کہ جب وہ آگ سے لال
وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ	انگارا ہوگئیں تو اس وقت حکم دیا کہ اب میرے
نَقْبًا ؕ	پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ اس پر ڈال دوں ،
سورۃ الکہف آیت ۹۴ تا ۹۶	سو اب نہ وہ لوگ اس پر چڑھ سکتے تھے اور
	نہ (غایت استحکام کے باعث) اس میں نقب
	لگا سکتے تھے ،

چنانچہ اس سدّ کے ذریعے حضرت ذوالقرنین نے یاجوج و ماجوج کے فتنے کو ختم کردیا اور بحیرۂ خضر کے کنارے جبل طے کے درّے کو بند کردیا جو ان کی گزرگاہ تھا۔ صعب ذوالقرنین کے بعد ذی سدّ ذوالاذعار وغیرہ حکمراں ہوئے ان تبابعہ کا شمار ۲۶ ہے جنھوں نے سترہ سو سال کی مدت تک یکے بعد دیگرے حکومت کی، ملکہ سبا بھی اسی خاندان سے تھیں، سبا کی مملکت میں سونے، چاندی اور دیگر جواہر کی کانیں تھیں۔ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی دُعا موجود ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام یہ آرزو فرماتے تھے کہ سبا کا سونا ان کے عظیم فرزند کو بطور نذر پیش کیا جائے

(باب ۱۵۰ زبور ۲)

قوم سبا صنعت و حرفت میں بھی بہت ممتاز تھی چنانچہ ملکہ بلقیس (ملکہ سبا) کا تخت ان کی صناعی اور زرگری کا بہترین نمونہ تھی، ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت اوران کا دین قبول کرلیا۔ تاریخ عرب میں ملکہ سبا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے۔

ملک سبا کا صدر مقام شہر مآرب تھا، زراعت کی فراخی اور ملک کی خوشحالی کے لئے بہت سے بند ملک میں جابجا تعمیر کرائے گئے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سبائی فن تعمیر اور فن ہندسہ (انجینئرنگ) میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تبع آمر نے سب سے عظیم اور مشہور بند عرم شہر مآرب میں تعمیر کرایا، یہ ۱۵۰ فٹ طویل اور ۵۰ فٹ عریض تھا، بند کی عظیم دیوار شہر مارتبہ اور کوہ ابلق کے درمیان تھی، اس آب رسانی کے عظیم نظام سے مآرب کے آس پاس کی ریگستانی زمین سرسبز اور شاداب کھیتوں میں بدل گئی اور ۳۰۰ مربع میل کا علاقہ بہشت زار بن گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے

نافرمان بنے رہے اور پھر عذاب الٰہی نے ان کو آ گھیرا یہ بند مآرب ایک عظیم سیلاب سے تباہ و برباد ہوگیا اور قوم سبا کا نام و نشان مٹ گیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے :۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ	سبا کے رہنے والوں کے لئے ان کے
آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ	وطن میں (بحیثیت مجموعی) نشانیاں موجود
وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ	تھیں باغ کی دو قطاریں تھیں دائیں اور
رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ	بائیں (تاکہ) اپنے رب کا دیا ہوا رزق
بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ	کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ، تم کو رہنے
فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ	کو عمدہ شہر دیا جو بخشنے والا پروردگار ہے سو
سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم	انھوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا
بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ	سیلاب چھوڑ دیا (بند توڑ دیا) اور ہم نے
أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ	ان کے دو رویہ باغوں کے بدلے ان کو اور
وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ	دو باغ دیئے جن میں یہ چیزیں رہ گئیں۔
سورۃ سبا۔ آیت ۱۵-۱۶	بدمزہ پھل، جھاؤ اور کچھ بیری کے درخت

سبا کی وسیع و عریض سلطنت میں یہ تین بڑے ممالک شامل تھے حبش، یمن اور شمالی عرب کے بعض علاقے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چھ سو چھیاسی سال قبل جیسا کہ مذکور ہوا اس عظیم سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ حبش کی سلطنت پر اکسومی خاندان قابض ہوگیا اور شمالی عرب کے مقبوضہ علاقوں پر بنی اسماعیل کا تصرف ہوگیا، اسی زمانے میں ملوک حمیر نمودار ہوئے جن کا مختصر حال پیش کیا جاتا ہے :

ملوک سبا کے بعد حمیری ملوک کا دور شروع ہوا جس کا آغاز ۱۱۵ ق۔م سے ہوا اور اس حکمراں خاندان کا پایہ تخت یمن تھا۔ حمیری سلاطین کی قوت رفتہ رفتہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ ۲۰۶ء میں تبع ابوبکر نے ایران پر حملہ کیا اور اس کے بعد حجاز کے تمام علاقے پر قبضہ کرلیا یہ یہودی مذہب کا پیرو تھا۔ ۵۲۵ عیسوی میں ذونواس حمیری یمن کا بہت ہی طاقتور حکمراں تھا، اس کا جانشین ذویزن ہوا اور اس کے قتل کے بعد یمن کی حمیری سلطنت کا خاتمہ ہوگیا، ذونواس حمیری متعصب

یہودی حکمراں تھا اس کی کوششوں سے جزیرہ نمائے عرب کے اس ملک میں یہودی مذہب کا بہت فروغ ہوا۔ ذونواس نے اپنے عہد اقتدار میں اپنی سلطنت کے بیشتر عیسائیوں کو تہ تیغ کرا ڈالا لیکن یہودی مذہب بہت پھیل چکا تھا اور حجاز میں ان کی بہت شہرت تھی چنانچہ قرآن پاک کے مطالعہ کے وقت آپ دیکھتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا خطاب بنی اسرائیل اور مشرکوں سے بکثرت ہے لیعنی یہودیوں اور بت پرستوں سے!

ذونواس اور اس کے متبعین کا ذکر قرآن حکیم میں اصحاب الاخدود لیعنی خندقوں والوں کے نام سے کیا گیا ہے، یہ بڑے بڑے مستطیل گڑھے تھے جن میں آگ دہکائی گئی تھی اور پھر اس دہکتی ہوئی آگ میں نجران کے ہزاروں عیسائی باشندوں کو آگ سے دہکتی ہوئی ان خندقوں میں جبراً دھکیل کر جلا کر بھسم کر ڈالا۔ ذونواس سے انتقام لینے کے لئے بادشاہ حبشہ نے اپنے سپہ سالار ابرہہ کو ذونواس پر لشکر کشی کا حکم دیا اور ابرہہ نے یمن پر حملہ کر کے ذونواس کو شرمناک شکست دی اور ذونواس کو سمندر کی لہروں نے اپنی آغوش میں لے لیا ذوثیرن یا ذوالیزن بھی ابرہہ کے ہاتھوں مارا گیا، اس کے بعد ابرہہ نے خود تاج و تخت سنبھالی لیا، اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنے تعمیر کردہ کلیسہ کو کعبۃ اللہ کا درجہ دینے کے لئے حضرت عبدالمطلب کے عہد میں مکہ پر حملہ کیا اور غضب الٰہی نے اس کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ سورۃ الفیل میں بڑے ایجاز و اختصار کے ساتھ اس کی تباہی کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تھی عرب عاربہ کی مختصر تاریخ، اب عرب مستعربہ کی تاریخ کے ورق الٹیے!

تیسرا ماخذ لیعنی عرب مستعربہ

عرب مستعربہ کے معنی ہیں عرب بن جانے والے لوگ! یہ وہ قوم ہے جو غیر عرب ممالک سے آکر عرب میں آباد ہو گئی اور پھر یہاں رہتے رہتے عرب بن گئی اس قوم کی بنیاد اس وقت پڑی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے شیر خوار فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اس "وادی غیر ذی زرع" لیعنی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر واپس چلے گئے قرآن حکیم کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے۔ جو دعائے خلیل ہے:۔

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ... اے ہمارے پروردگار! میں اپنی اولاد

ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ	کو تیرے معظم گھر کے قریب ایک چٹیل
عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا	میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں
لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً	آباد کرتا ہوں تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام
مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ	کریں تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف
وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ	مائل فرما دے اور ان کو محض اپنی قدرت
لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝	سے کھانے کو پھل عطا فرما تاکہ یہ لوگ
(سورۃ ابراہیم آیت ۳۷)	ان نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

اس وادی میں شہر مکہ آباد ہے، یہ واقعہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً تین ہزار چار سو سال قبل کا ہے اور دوبارہ تعمیر کعبہ ان ہی دو بزرگ ہستیوں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عنفوانِ شباب میں قدم رکھنے والے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی قرآن حکیم میں ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ	اور جب اس گھر کی بنیادیں ابراہیم اور
مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ	اسمٰعیل (علیہم السلام) نے بلند کیں؛

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی اور اس وادی میں بنی اسمٰعیل (علیہ السلام) اور بنی جرہم کی اولاد روز بروز بڑھتی گئی۔ ان کے علاوہ دو اور قومیں بھی اس علاقے میں آکر آباد ہو گئیں (کہ قدرت الٰہی نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے کی جگہ سے صفا اور مروہ کے درمیان زمزم کا چشمہ پیدا کر دیا تھا اور وہاں پانی کی نایابی ختم ہو گئی تھی) ان دو قوموں میں ایک یہود تھے اور دوسری قوم صابی تھی یہ یہود تو ارض کنعان عراق اور مصر سے ترک وطن کر کے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے اور صابی عراق اور بابل سے فرار ہو کر یہاں آئے تھے۔ رفتہ رفتہ یہود کی آبادی کا دائرہ وسیع ہونا شروع ہوا اور یہ لوگ وادی القریٰ خیبر، فدک اور یثرب (مدینہ منورہ) اور بلاد یمن تک پھیل گئے؛ مہاجنی لین دین نے ان کی ساکھ قائم کر دی اور ان کا شمار رو دادروں میں ہونے لگا۔ اپنے تمول کے اعتبار سے عزت وقار کی نظر سے دیکھے جانے لگے، صابی مکہ، اطراف مکہ اور قریب کی بستیوں میں جاکر

آباد ہو گئے۔ اِن دونوں فرقوں کے علاوہ اطراف میں مسیحی آبادی تھی جو شمالی عرب میں آباد تھی۔ ان مختلف فرقوں کے مذاہب کا اثر یہاں کے قدیم باشندوں پر بھی پڑا۔ کچھ نے یہودیت کو اپنایا اور کچھ نے صابئیت اور عیسائیت کو قبول کرلیا جو باقی رہے وہ بدستور بت پرستی کو شعار بنائے رہے، واضح ہو کہ دین مسیحی اور موسوی کو قبول کرنے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے جو باہر سے آئے تھے۔ عربی نسل کے قدیم باشندوں میں سے معدودے چند افراد نے ان دینوں کو قبول کیا؛

آلِ اسمٰعیل حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وادی ذی زرع میں کعبہ کے قریب اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ سکونت پذیر تھے کہ بنی جرہم کا ایک تجارتی قافلہ ادھر سے گزرا، آبِ زم زم کی وجہ سے اس قافلہ نے یہیں پڑاؤ ڈال دیا اور مستقل سکونت اختیار کرلی، سردار قافلہ بنی جرہم فضاض نامی شخص تھا، بنی جرہم کے اس سردار کی صبیّہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی۔ جناب اسماعیل علیہ السلام سے ان کے بطن سے (۱۳) بچّے پیدا ہوئے ان میں بارّہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی یہ بیٹی فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام اَوْدم نامی سے بیاہی گئیں؛

اِن بارّہ بیٹوں کے نام جو تاریخ نے محفوظ رکھےّ ہیں یہ ہیں؛

۱۔ نابت، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد نابت خانہ کعبہ کے متولیّ ہوئے، ان کی اولاد نے شام و عرب کے علاقوں میں عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں۔ ان کا پایہ تخت حکومت حجر تھا جو قوم ثمود کا مسکن رہ چکا تھا۔ یہی تاریخ میں "اصحاب الحجر" کہلاتے ہیں، ایک ہزار سال سے زیادہ اِن کا دَورِ حکمرانی جاری وساری رہا لیکن امتداد زمانہ سے ان کی سلطنت کمزور ہوتی چلی گئی اور آخر کار ۱۰۶ق م میں سلطنتِ روم کے زیرنگیں آگئے۔ نابت کی نسل خوب پھولی پھلی اور جزیرہ نمائے سینا سے عراق تک اور ارض مقدس سے یثرب تک پھیل گئی؛ آلِ غسّان اور مدینہ کے مشہور قبائل اوس و خزرج انہی کی نسل سے تھے؛

۲۔ قیدار یا قیدار اعظم، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے یہ دوسرے صاحبزادے قیدار

شہرت وعظمت میں تمام بھائیوں سے ممتاز تھے، توراۃ میں بھی ان کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے۔
قیدار ابنائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مکہ سے چلے جانے کے باوجود یہیں مقیم رہے اور یہ اپنے نانا مضاض کے خاندان کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے، حرم الٰہی کی نگہبانی کے فرائض قیدار ہی کے سپرد تھے، قیدار کی نسل کو اللہ تعالیٰ نے بڑا فروغ بخشا، قیدار کے متعدد بطون (قبیلہ کی شاخیں) مکہ سے نکل کر تمام عرب میں پھیلتے رہے لیکن بنی قیدار کا ایک بطن یا قبیلہ مکہ میں ضرور رہتا تھا، ہر سال حج کے زمانے میں بنی اسماعیل جو قریبی اور دور کے علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے، جوق در جوق مکہ میں آتے اور کعبہ کی زیارت کر کے واپس چلے جاتے تھے اس وقت تک ان میں حضریت کے لوازم کے بجائے بدویت سرایت کئے ہوئے تھی، نہ انھوں نے مکانات بنائے تھے اور نہ سامان آرائش وآسائش کی فراہمی پر توجہ مبذول کی تھی؛

۳۔ ادبائیل:۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے یہ تیسرے فرزند تھے، ان کی نسل نیل و فرات کے درمیان آباد تھی؛

۴۔ ھشام:۔ ان کی نسل بہت جلد ختم ہوگئی، بنی ہشام کوئی لائق ذکر یادگار قائم نہ کرسکے

۵۔ شماع:۔ ان کی نسل سرزمین نجد میں آباد ہوئی لیکن جلد ہی دنیا سے فنا ہوگئی۔

۶۔ دُومَا:۔ یہ مدینہ اور شام کے درمیان آباد تھے۔ دومۃ الجندل کا مقام ان کی یادگار ہے؛

۷۔ مشا:۔ حدود عراق میں یہ خاندان آباد تھا۔ واسط و بصرے کے درمیان انھوں نے ایک شہر آباد کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا مدفن اسی جگہ تھا۔

۸۔ حَدَد:۔ ان کی نسل تیما کے قریب آباد ہوئی۔ حدد نامی پہاڑی ان ہی کے نام سے منسوب ہے؛

۹۔ تیما:۔ یہ لوگ عرب وشام کے بعض علاقوں میں آباد تھے؛

۱۰۔ یطور:۔ یطور کی اولاد شام کے صوبے حوران میں آباد تھی اب اس کا وجود نہیں ہے

۱۱۔ نفیش:۔ ان کی اولاد بھی صوبۂ حوران میں آباد تھی۔ یطور کی طرح یہ بھی صفحۂ ہستی پر

باقی نہ رہے؛

۱۲۔ قیدماہ:۔ ان کی اولاد کا مسکن یمن میں تھا' اصحاب الرس یہی لوگ ہیں۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ اس امت نے اپنے نبی کو کنوئیں میں ڈال کر ہلاک کردیا تھا۔ "رس" کنوئیں کو کہتے ہیں اسی بنا پر ان کو "اصحاب الرس" کہا جاتا ہے؛

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے تقریباً بارہ سو سال بعد بنی قیدار میں عدنان نامی ایک عظیم شخصیت پیدا ہوئی۔ عدنان کے یہاں بہت سے فرزند پیدا ہوئے' ان تمام فرزندوں میں معد نامی فرزند کو اپنے عہد میں عربوں کی سیادت کا شرف حاصل تھا۔ بخت نصر آپ کا معاصر تھا ۶۰۵ق م میں بخت نصر نے حجاز پر حملہ کردیا لیکن جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا، معد کچھ مدت کے لئے "حرآن" چلے گئے۔ معد کی نسل کو اللہ تعالیٰ نے بڑی وسعت بخشی خصوصاً معد کے فرزند "نزار" ابوالقبائل ہیں یعنی تمام قبائل عرب کے مورث اعلیٰ۔ عرب کے تمام قیداری قبائل میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں ہے جس کا سلسلہ نسب "نزار" کے واسطے کے بغیر عدنان تک پہنچتا ہو' نزار کے پانچ فرزند ہوئے جن سے پانچ قبیلے وجود میں آئے۔ بنی انمار' بنی آباد' بنی ربیعہ' بنی قضاعہ اور بنی مضر؛ عرب کے یہ قیداری قبائل ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ پہلے اور کچھ بعد' یمن سے شام تک اور حجاز و نجد سے بحرین و عراق تک پھیلے ہوئے تھے' ان پانچ قبائل میں سے تین قبائل یعنی بنی ربیعہ' بنی قضاعہ اور بنی مضر کو بڑا فروغ حاصل ہوا؛

اس مدت میں بحرین میں عبدالقیس کی ریاست' نجد میں بنی بکر، بنی تغلب اور بنی کندہ کی ریاستیں قائم ہوئیں' یہ تمام ریاستیں یعنی ان کے حکمراں اور رعیت آل نزار سے تھے یعنی نسلاً یہ سب کے سب نزاری تھے؛

مضر کی دوسری پشت میں بنی مدرکہ (مدرکہ بن الیاس بن مضر) موحد اور خدا پرست تھے' بت پرستی کا ان میں شیوع نہیں ہوا تھا۔ یہ سب دین حنیفی کے پیرو تھے۔ بنی قضاعہ (بنی نزار) مکہ کے حکمراں اور خانہ کعبہ کی تولیت پر متصرف تھے۔ اس خاندان کا ایک رئیس عمرو بن لحی نامی نے جو اپنی فیاضی کے باعث ہر دل عزیز تھا' بت پرستی کو

اپنا شعار بنالیا اور ملک شام سے ہبل نامی بت کو لاکر کعبہ میں رکھ دیا، اس کی فیاضی سے متاثر اور مستفید ہونے والوں نے عمرو بن لحی کی خوشنودی کے لئے بت پرستی شروع کردی، موحدین اس کے دائرۂ اثر کے باعث اس بت کو کعبہ سے نہ ہٹا سکے!

مدرکہ کی پانچویں پشت میں فہر (فہر بن مالک بن نضر بن کنعانہ بن خزیمہ بن مدرکہ) پیدا ہوئے (فہر کا لقب قریش تھا) ان کو تمام نزاری قبائل کی سرداری کا شرف حاصل تھا، ان ہی فہر کے چھٹے بطن میں کلاب پیدا ہوئے جن کے عظیم فرزند قصیّ ہیں، ان کا اصل نام زید تھا۔ فہر اپنی جوانی ہی میں بنی قضاعہ کے حاجیوں کے ساتھ مکہ آ گئے تھے اور اپنے بڑے بھائی کے ساتھ مکہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ حرم کعبہ کی تولیت اور حکومت کے سلسلہ میں بنی خزاعہ اور بنی نضر (بنی کنانہ) میں جنگ چھڑ گئی، اطراف مکہ میں جو چند قبائل آباد تھے وہ سب کے سب قصیّ کے پرچم کے نیچے جمع ہو گئے اور قصیّ نے ان قبائل کی مدد سے بنو خزاعہ کو شکست دیدی جس کے نتیجے میں قصیّ مکہ کے حاکم اور کعبہ کے خادم مقرر ہو گئے!

حضریت میں بھی بدویت

قصیّ نے برسر اقتدار آکر سب سے پہلے ان تمام قبائل منتشرہ کو جو ابِ قریش کے معزز لقب سے ممتاز تھے (یعنی فہر بن مالک کی نسل سے تھے) مکہ ہی میں بسا لیا، جو لوگ کعبہ کے قرب و جوار میں آباد ہوئے، وہ قریشِ بطاح کہلائے اور جنھوں نے مکہ کے مضافات میں سکونت اختیار کرلی ان کو "قریش ظواہر" کہا جانے لگا۔ ابھی تک شہر مکہ میں بھی لوگ خیموں کے اندر زندگی بسر کرتے تھے۔ قصیّ پہلے شخص ہیں جنھوں نے متمدن دنیا کی اس اہم ضرورت کو پورا کیا اور خیموں میں بسنے والوں کے لئے مکانات تعمیر کرائے، شہر مکہ کو سہولت کی خاطر مختلف منطقوں یا محلّوں میں تقسیم کیا اس طرح قوم قیدار بن اسمٰعیل کی نسل پہلی بار متمدن اقوام کی صف میں شامل ہوئی مکہ میں "دار الندوہ" کا قیام بھی جناب قصیّ کی فراست کا کارنامہ ہے اور انہی کی تجویز سے مشورت باہمی اور اہم امور ملکی پر سرداران قبائل سے تبادلۂ خیال کے لئے ایک مخصوص عمارت "دار الندوہ" کے نام سے تعمیر کی گئی۔ قریش کی جانب سے قصیّ نے ان پانچ امور کی ذمہ داری قبول کرلی تھی اوّل دار الندوہ کی سربراہی۔ دوم حجابہ یعنی خانہ کعبہ کی دربانی اور حرم محترم کی خدمت

سوم سقایہ، یعنی حج کے وقت حجاج کو پانی فراہم کرنے کا انتظام؛ چہارم رفادہ حاجیوں کے طعام کا انتظام؛ پنجم لواء یعنی علم برداری کی نگہداشت، ان کی تیاری اور بروقت جنگ ان کی سپردگی کہ جنگ کے موقع پر کس قبیلے یا گروہ کے کس فرد کو علم سپرد کرنا ہے' یہ ایک بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ تاریخ اسلام میں بھی سپردگی علم یا علم برداری ایک مخصوص اعزاز تھا اور اس کے بہت سے واقعات مذکور ہیں؛ کچھ عرصہ بعد جناب قصیؔ نے ان عہدوں کو قریش کے مختلف خاندانوں میں تقسیم کر دیا؛

جناب قصیؔ کے مشہور اور نامور فرزند عبدمناف ہیں جو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّ محترم عبدالمطلب کے دادا ہیں۔ قصیؔ اور عبدمناف کی کوششوں سے عرب تمدن سے آشنا ہوئے اور شہری زندگی کو انھوں نے اپنایا۔ اسی ہاشمی (قریشی) خاندان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ نبی آخرالزماں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم، اس خاندان میں عبدالمطلب کے گھرانے میں پیدا ہوئے اور چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوّت سے سرفراز و سربلند فرمایا۔ جو آل اسمٰعیل (علیہ السلام) سے تھے اور عدنانی تھے؛

شجرۃ المبارکۂ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عربی زبان کا سرچشمہ

★★
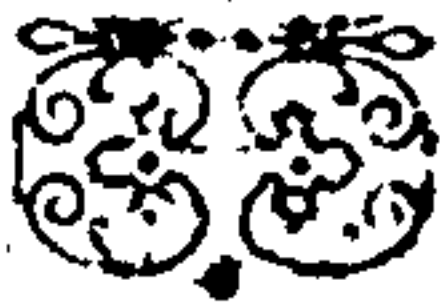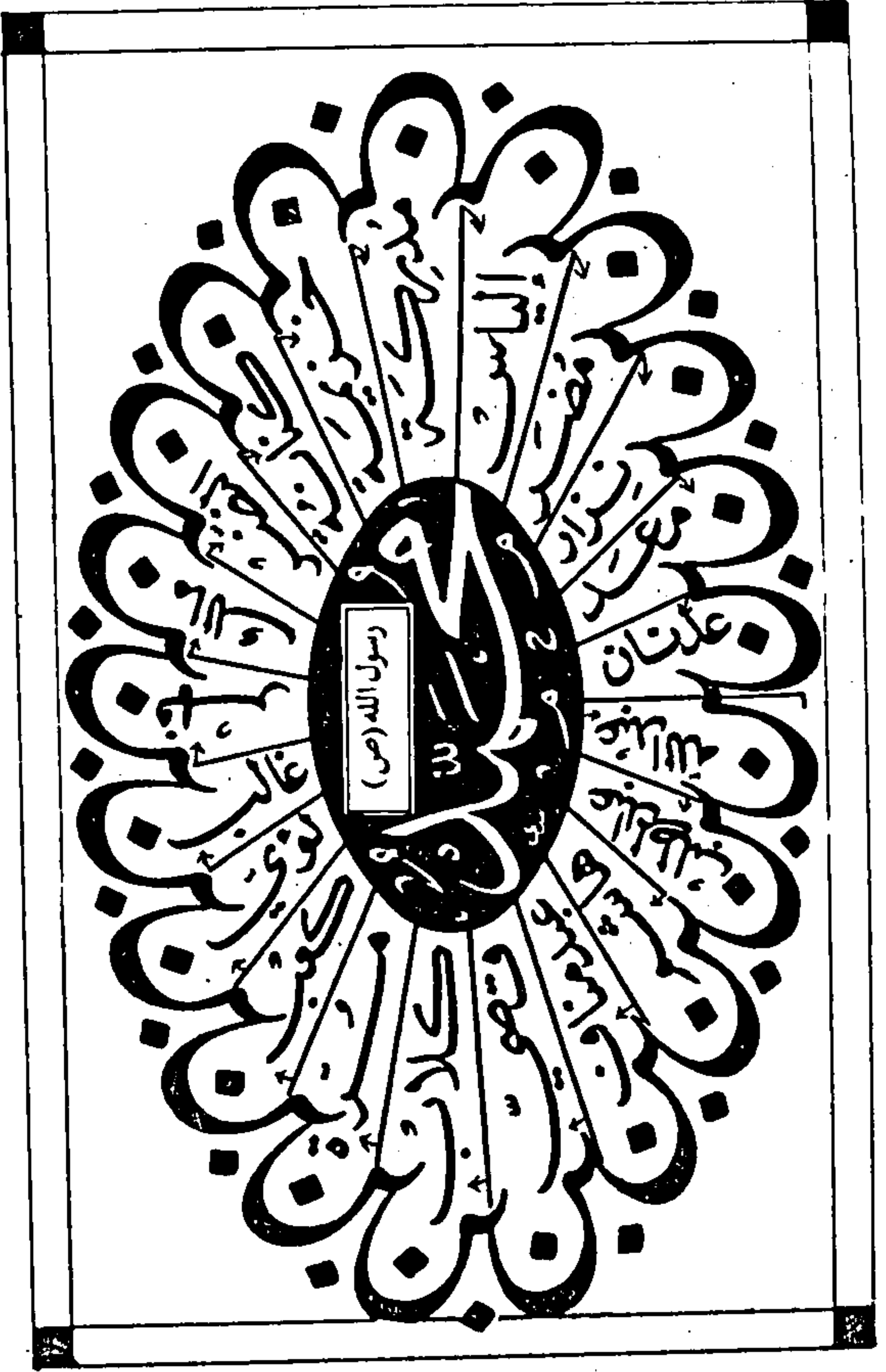
هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ (سورۃ الدہر آیت ۱)

بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا!

بنی نوع انسانی کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتا ہے۔ مورخین نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک نسب نامہ بھی مرتب کیا ہے لیکن ہزاروں برس قبل کی تاریخ کو شواہد کے بغیر تسلیم کر لینا مشکل ہے۔ قرآن حکیم نے اس سمت میں جزوی اشارے کئے ہیں ان ہی سے مورخین نے مفسرین کے بیانات سے استفادہ کرتے ہوئے ان ہستیوں کے نام پیش کئے ہیں جن کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام کے پدر و جد سے اوپر کی جانب حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے!

بنی نوع انسان کے ہاتھوں پہلا قتل حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند قابیل کے ہاتھوں سے ہوا۔ قاتل مقتول کے لاشہ کو چھپانے اور اپنے جرم کو پوشیدہ رکھنے کے لئے حیران و سرگرداں پھر رہا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ اس لاشہ کا کیا کرے اور کس طرح اس کو نظروں سے اوجھل کر دے۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا:-

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْاَةَ اَخِيْهِ ؕ (سورۃ المائدۃ پ۶ آیت ۳۱)

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا وہ زمین کریدتا تھا (اور دوسرے مردہ کوے کو اس میں چھپاتا تھا) یہ بتانے کو کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے!

واضح ہو کہ انسانی تاریخ پر کئی دور ایسے گزرے ہیں کہ ان ادوار کی حیات انسانی پر محض

قیاس ہی سے کام لیا گیا ہے، قدیم حیات انسانی کا پہلا دور مورخین نے دورِ حجری متعین کیا ہے یعنی پتھر کا زمانہ! اس دور میں انسان نہ تو تہذیب آشنا ہوا تھا اور نہ زندگی بسر کرنے کے لئے اس کے پاس سازوسامان تھا۔ درختوں پر رہنا، پتھروں کی ضربات سے جانوروں کا شکار کرنا اور ان کے گوشت کو کھا لینا۔ متمدن دنیا کی ایک بہت ہی اہم ضرورت یعنی آگ سے وہ مدتوں کے بعد واقف ہوا وہ بھی اتفاقیہ کہ دو پتھروں کے رگڑنے سے چنگاریاں پیدا ہوئیں اور خشک پتے جل اٹھے اس وقت وہ سمجھا کہ یہ کام آنے والی چیز ہے چنانچہ آگ سے کام لینا شروع کیا۔ پتھروں کو آگ سے گرم کرکے ان پر گوشت کو ڈال دیتے تھے پھر اس کو الٹ پلٹ کر بھون کر کھا لیتے تھے۔ تاریخ اس کو دورِ حجری سے تعبیر کرتی ہے!

بہرحال یہ تسلیم ہے کہ تمام انسان قدیم زمانے میں یکبارگی متمدن نہیں ہوئے تھے بلکہ ایک قوم کے بعد دوسری قوم کے درمیان صدیوں اور قرنوں کا فصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے چھ ہزار برس پہلے سرزمین مشرق میں مصری قوم سب سے پہلے تمدن آشنا ہوئی، مصری کس طرح تمدن آشنا ہوئے، تاریخ ملل قدیمہ اس سلسلہ میں خاموش ہے۔ اس چھ ہزار برس کے طویل دور میں تمدن آشنا ہونے والی اقوام مشرق کے طویل وعریض خطے میں جس میں کئی براعظم شامل ہیں، مصری، کلدانی، آشوری، یہودی، فنیقی اور ایرانی ہیں اور مغرب کی مشہور قوموں میں یونانی اور رومی ہیں! ان قوموں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو ان میں بھیجتا رہا لیکن فطرت انسانی سرکشی کی خوگر ہے، بہت کم افراد ان پیغمبروں کی کوششوں سے اپنے خالق پر ایمان لائے، نافرمانی اور سرکشی کے جرم میں یہ قومیں تباہ ہوتی رہیں اور ان کی جگہ نئی قوم لیتی رہی!

بہرحال دورِ حجری میں انسان قرنوں تک زندگی گزارتا رہا اس کے بعد دھاتوں کا دور یعنی فلزی دور شروع ہوا، انسان کو دھاتوں پر دسترس حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے حصول کے لئے عقل و فہم سے نوازا اور لوہے کا استعمال اس نے سیکھ لیا، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ	اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں بڑی ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے اس میں

لِلنَّاسِ ۚ (سورۃ الحدید آیت ۲۵) طرح طرح کے فائدے ہیں ؛

ان دھاتوں خصوصاً لوہے سے اس نے آلات شکار و کشاورزی بنائے، زمین کو کاشت کرنے لگا، لوہے کے برتن بنانے لگا، جناب ذوالقرنین (جو اپنی قوم کے صاحب دانش و فہم سردار و سربراہ تھے) کے زمانے میں لوہے کی چادریں تیار کی جاتی تھیں۔ تانبے کی دھات دریافت ہو چکی تھی، قرآن مجید میں اس کی نشاندہی اس طرح فرمائی گئی ہے کہ جب جناب ذوالقرنین فتوحات کرتے ہوئے ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو دو پہاڑوں کے درمیان آباد تھی انھوں نے ذوالقرنین سے کہا کہ اس گھاٹی کے اس طرف ایک قوم یاجوج و ماجوج نامی آباد ہے وہ ہم پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں اور ہمارے یہاں پہنچکر بڑا خون خرابہ کرتے ہیں، آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک "سد" بنادیں چنانچہ جناب ذوالقرنین نے ان سے کہا :

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ (سورۃ الکہف آیت ۹۶)	اچھا تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک کہ جب انھوں نے بیچ کے خلا کو پُر کردیا (تہ بہ تہ رکھتے ہوئے) تو حکم دیا کہ (آگ کو) دھونکو، دھونکنا شروع ہوگیا، یہاں تک کہ وہ چادریں جب لال بھبھوکا ہوگئیں تو اس وقت حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ اور اس پر ڈال دو

اس طرح وہ سد تیار ہوگئی اور یاجوج و ماجوج کے شر سے اس قوم کو رہائی مل گئی۔ فلزاتی دور کے بعد تہذیب و ترقی کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں مصر کی سرزمین پر بہت ترقی ہوئی یہ اجتماعی زندگی کا دور تھا۔ بادشاہت کو اس دور میں بڑا فروغ ہوا، خدا کے نافرمان بندے اور دعویٰ خدائی کرنے والے فراعنہ مصر ہی سے منسوب ہیں۔ انسان زیب و زینت اور آرائش کی چیزیں بنانے لگا، لباس تیار کرنے لگا اور تمدن کی دنیا میں اس نے قدم رکھ دیا دیکھئے اللہ تعالیٰ عطائے لباس (لباس کی تیاری کا سلیقہ اور اس کا فہم) کی نعمت کا ذکر اس طرح فرماتا ہے:-

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ط
(سورۃ الاعراف آیت ۲۶)

اے آدم کی اولاد (انسان) ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا (سامانِ لباس) جو تمہارے پردے والے بدن کو بھی چھپاتا ہے اور تمہارے لئے زینت کا بھی موجب ہے

انسان نے فن تعمیر بھی حاصل کرلیا اور رفتہ رفتہ اس میں اس قدر ترقی کی کہ آج ان آثار الصنادید کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے، اس دور میں بتدریج زراعت کو بھی خوب ترقی ہوئی چاندی سونے کی دھاتیں دریافت ہوگئیں، ان سے ظروف و زیورات بننے لگے، فراعنۂ مصر کے ایوان ان ظروف و زیورات طلائی اور نقرئی سے بھرے رہتے تھے۔ دوسرے ملکوں سے تجارت بھی شروع ہوگئی، تجارت کا مدار زیادہ تر "بارٹر سسٹم" جنس کے بدلے جنس پر ہی تھا۔ قیمتی دھاتوں کے ٹکڑے بھی اس تبادلے اور قیمت میں استعمال ہوتے تھے لیکن دشواریاں پیش آتی تھیں، ان دشواریوں کو رفع کرنے کے لئے سکّے کا رواج ہوا، متعدد ممالک کے آثار قدیمہ سے دستیاب ہونے والی چیزوں میں یہ سکّے بھی شامل ہیں۔ سکّے کے رواج کے سلسلے میں قرآن حکیم میں یہ ارشاد باری موجود ہے:۔

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ (سورۃ الکہف آیت ۱۹)

اب اپنے میں سے کسی کو یہ سکہ (روپیہ) دے کر شہر کی طرف بھیجو!

اس تہذیب یافتہ دور میں سب سے ترقی یافتہ اور عظیم و قدیم قوم سامی قوم تھی جو سام بن نوح علیہ السلام سے منسوب تھی۔ نافرمان کنعان ابن نوح علیہ السلام اپنی نافرمانی کی پاداش میں طوفان نوح کی ایک لہر کے تھپیڑے کھا کر ڈوب گیا:۔

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ہ
(سورۃ الھود آیت ۴۳)

اور دونوں (حضرت نوحؑ اور نافرمان بیٹے) کے بیچ میں ایک موج حائل ہوگئی اور وہ (کنعان) بھی مثل دوسرے کافروں کے غرق ہوگیا!

جناب سام حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر سلامتی سے ہمکنار ہوئے

(آپ ایمان کی دولت سے سربلند تھے) ان ہی سام کی نسل سامی کہلاتی ہے، مرورِ زمانہ سے سامی بہت سی اقوام میں بٹ گئے تھے، ان ہی کی معاصر قومیں یعنی عاد و ثمود کو بہت فروغ حاصل ہوا، اور مشرقی اقوام کا ایک عظیم سلسلہ ان کی نسل سے پھولتا پھلتا رہا لیکن خود یہ قومیں (عاد و ثمود) اپنی نافرمانیوں کے باعث تباہ ہوگئیں، قوم نوح علیہ السلام کے بعد عاد و ثمود تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہیں، قرآن حکیم میں ان کے بارے میں جو تذکرہ ہے وہ اس طرح ہے :۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ؕ (سورۃ ابراہیم آیت ۹)	اے کافرو! کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گزرے ہیں یعنی قوم نوح اور عاد (قوم ہود) اور ثمود (قوم صالح علیہ السلام)

قوم ثمود فن تعمیر میں کمال درجہ مہارت رکھتی تھی، قرآن حکیم نے ان کی اس فنی مہارت کی خبر دی ہے :۔

۱۔ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۙ (سورۃ الفجر آیت ۹)	اور (تمھارے رب نے) ثمود کے ساتھ کیا کیا جنھوں نے (دار القریٰ میں) پہاڑ کو تراشا تھا (اور مکانات بنائے تھے)
۲۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ؕ (سورۃ الاعراف، آیت ۷۴)	اور یاد کرو، جب تم کو عاد کے بعد (ان کا) جانشین بنایا اور تم کو زمین میں بسایا تم اس کی نرم مٹی سے (اینٹیں بنا کر) محل کھڑے کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو اور اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ملک میں دنگا فساد مت پھیلاؤ!

لیکن اس نافرمان قوم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حضرت صالح علیہ السلام سے کہنے لگے :۔

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝

(سورۃ اعراف آیت ۷۶، ۷۷)

وہ متکبر کہنے لگے ہم تو، جس پر تم ایمان لائے ہو اس کو نہیں مانتے۔ آخر انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اس کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم کو نہیں مانا اور کہنے لگے کہ اے صالح علیہ السلام اگر تم پیغمبر ہو تو وہ عذاب ہم پر لے آؤ جس کا ڈراوا تم دکھاتے ہو؛

اِن بدبختوں نے خود ہی عذاب الٰہی کو دعوت دی، چنانچہ ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور پوری قوم تباہ ہو کر رہ گئی؛

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝

(سورۃ اعراف آیت ۷۸)

پھر زلزلے نے ان کو نیچے سے آدبایا، صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے (مرے) پڑے تھے؛

مورخین نے عرب کی تمام اقوام کو تین طبقات پر منقسم کیا ہے۔

عرب بائدہ عرب عاربہ عرب مستعربہ (بنو اسماعیل علیہ السلام)

یہ تینوں طبقات جو مستقل قوموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ الگ الگ زبانیں استعمال کرتے تھے جن کا سرچشمہ سامی زبان ہے لیکن ان تینوں زبانوں میں سامی زبان سے بہت کچھ اختلاف پیدا ہو گیا چونکہ مختلف قومیں ان کو استعمال کرتی تھیں لہٰذا یک رنگی ختم ہو گئی؛ اس طرح زبانوں کی مزید تقسیم ہو گئی یعنی امم بائدہ (امم سامیۂ اول) کی زبان آرامی تھی، آرامی قوم امم سامیہ میں سب سے طاقتور اور دور دراز علاقوں تک پھیل جانے والی قوم تھی نتیجۃً اُن کی زبان بھی ملک عرب کے دور دراز خطوں یا منطقوں تک پہنچ گئی عرب بنو آرام کو بنو ارم کہتے ہیں؛ ان کی حکومت ابتدائی زمانے میں تمام عرب، عراق، شام اور مصر میں پھیلی ہوئی تھی چونکہ آرامی زبان کی کوئی کتاب محفوظ نہیں صرف کتبات سے قدیم قوموں کی زبانوں کی نشاندہی ہوتی ہے، اس لئے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ موجودہ عربی اور سابقہ آرامی

زبان میں کس حد تک مماثلت ہے، اس آرامی قوم میں عاد و ثمود نامی قومیں پیدا ہوئیں، جن کا ذکر قرآن حکیم میں بھی ہے اور تورات میں بھی، چونکہ ان قوموں کا اصل وطن عرب تھا لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان قوموں یعنی عاد و ثمود کی زبان بھی عربی تھی، کونسی عربی اس کا تعین ناممکن ہے!

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے فاضل مقالہ نگار نے آرامی زبانوں کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ :۔ "آرامی زبانوں کی جغرافیائی حیثیت سے اس طرح حد بندی کی جا سکتی ہے کہ وہ سامی زبانیں ہیں جو اصلاً میسوپوٹامیا اور جنوب مغربی مقامات سے فلسطین تک جاری ہوئیں"۔

مقالہ نگار نے اس جغرافیائی حد بندی میں ان مقامات کو شامل نہیں کیا جو عرب میں واقع تھے اور جو بنو ارم کا خاص مولد و منشا تھا اس لئے مقالہ نگار کی اس رائے سے کس طرح اتفاق کیا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر مغرب کے مشہور مستشرق تھیوڈر نولڈیکی نے اس رائے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اصل حقیقت کو واضح کیا ہے۔ نولڈیکی کا کہنا ہے کہ :۔

"یہ زبان یعنی آرامی، عراق، شام اور عراق عرب میں بولی جاتی تھی بلکہ ایران کی زبانوں میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں"۔

مولانا سلیمان ندوی مرحوم ارض القرآن میں اس مقام پر کہتے ہیں کہ :۔

"ہم نولڈیکی کے اس بیان کی تشریح اپنے نظریہ "امم سامیہ" کی بنا پر "جن کی عراق، شام، مصر اور ایران میں حکومتیں قائم ہو چکی تھیں" یہ کرتے ہیں کہ حکومت کے سایہ میں یہ زبان (آرامی) بھی ان ممالک میں پھیلتی چلی گئی"۔ اس تشریح کے بعد یہ دعویٰ قابل قبول ہونا چاہئے کہ عاد و ثمود وغیرہ امم بائدہ کی زبان عربی آرامی تھی، ثمود کے متعلق ایک اور بات بھی غور کے قابل ہے کہ شمالی عرب کے جن مقامات میں ثمود کی سکونت ثابت ہے وہاں ایک خاص خط کے بہت سے کتبات پائے گئے ہیں جن کی زبان

آرامی عربی ہے۔"   (ارض القرآن)

تھیوڈر نولڈیکی (مشہور مستشرق) کا یہ قول اس سلسلہ میں مزید وضاحت کرتا ہے

"بہت قدیم زمانے میں شمالی عرب اپنی زبان کو قید تحریر میں لائے کیونکہ بعض سیاحوں نے شمالی حجاز کے علاقے میں ایسے کتبات پائے ہیں جو ایک مجہول (غیر معروف) خط میں ہیں جو سبائی خط سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے جن کا زمانہ بظاہر عہد عیسوی (سنہ عیسوی) سے قبل کا ہے، ان کتبات کا نام ثمودی ہے کیونکہ وہ ثمود کے مقام پر پائے گئے ہیں لیکن ایسا کہنا بمشکل ہی مناسب ہوگا کیونکہ جس زمانے میں ثمود ایک ترقی یافتہ قوم تھے اور وہ پہاڑوں کو کاٹ کر مکانات بناتے تھے جن کا ذکر قرآن نے کیا ہے، اس ملک کی زبان نبطی تھی۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۴)

یہ کتبات مقام حجر میں پائے گئے ہیں جو ثمود کا دارالحکومت رہا ہے اور وہاں کے عمارتی کتبات کی زبان نبطی ہے، اس سے نولڈیکی نے یہ رائے قائم کی کہ ثمود کی زبان نبطی تھی حالانکہ اس ترقی یافتہ قوم نے نبطی زبان کو کبھی نہیں اپنایا۔ یہ قوم جب اپنے عروج پر تھی تو اس کی زبان نبطی نہیں تھی، نبطی زبان بہت بعد کی زبان ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں رشید نے عربی زبان پر جو تحقیقی مضمون لکھا ہے وہ اس مضمون میں کہتا ہے کہ:۔

"ایک بظاہر بعد کے زمانے کا خط ان کتبات میں پایا جاتا ہے جس کا نام پہلے خط قبل عربی تھا اور اب اس کو ثمودی کہتے ہیں، یہ کتبات اسی مقام پر دستیاب ہوئے ہیں جہاں لحیانی کتبات ملے تھے اسی خط کے چند کتبات مدائن میں بھی پائے گئے ہیں، اس خط کو لحیانی بھی کہہ سکتے ہیں اور ثمودی سمجھنا بھی خلاف قیاس نہیں ہو سکتا۔"

عرب محققین نے جو یہ کہا ہے کہ اہل عرب نے ان قدیم قوموں کی زبان کا نام "مسند" رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مسند زبان والے عاد و ثمود، عمالیق جرہم، ضخم طسم، جدیس اور امیم ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جو سب سے پہلے عربی بولے ان کی زبان مسند اور خط مسند ہے؛

(معجم یاقوت)

یہ خیال غلط ہے کہ عربوں کی زبان مسند تھی اور ان کا خط بھی مسند تھا، مسند صرف ایک خط کا نام ہے جس کی صراحت آپ خط عربی کی تحقیق میں پائیں گے، مسند کوئی زبان نہیں تھی، یہ جو کچھ بیان کیا گیا امم سامیہ کے طبقہ اولیٰ کی زبانوں کے سلسلہ میں ایک وضاحت تھی، طبقہ اوّل کے بعد امم سامیہ کا طبقہ دوم وجود میں آتا ہے یعنی بنو قحطان (یقطان)، اور طبقہ سوم میں بنو اسماعیل (علیہ السلام) اب ان دونوں طبقات یا قوموں کی زبان پر نظر ڈالنی چاہیئے، عرب کی ان دو بڑی تقسیموں میں بہت سے امور میں باہم امتیاز اور تفریق ہے، اہل عرب اس کی قومی تقسیم اس طرح کرتے ہیں: بنی قحطان اور بنی اسماعیل علیہ السلام، جب کہ مستشرقین نے ان دونوں قوموں کو جغرافیای اعتبار سے اس طرح تقسیم کیا ہے کہ:-

۱- بنو قحطان، یہ جنوبی عرب کے باشندے تھے؛

۲- بنو اسماعیل علیہ السلام، یہ شمالی عرب پر قابض و متصرف تھے، اس طرح عربی زبان بھی ان دو جغرافیائی حدود کے اعتبار سے جنوبی عربی یعنی قحطانی زبان اور شمالی عربی یعنی بنو اسماعیل کی زبان قرار پاتی ہے؛

سامی نسل
اور
اقوام عرب سے ان کا رشتہ

سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت کے وقت سامی نسل کے صرف دو نمایندے یا دو اقوام باقی رہ گئی تھیں ایک عرب دوسرے یہودی لیکن یہود کے مقابل میں سامی نسل کی خصوصیاتِ جسمانی اور شعوری کو عربوں نے زیادہ محفوظ رکھا لیکن ان کی زبان یعنی موجودہ عربی (عربی حجازی) تحریری ادب کے اعتبار سے سامی زبانوں میں سب سے کم سن ہے، عربوں کی تحریر کے متعلق آپ "خط عربی" کے ضمن میں پڑھیں گے کہ وہی عنوان تحریری ادب کی تفصیلات کے لئے صحیح مقام ہے۔

عربی زبان میں سامی زبان کی اہم خصوصیات اور نشانیاں جن میں فعل کی گردانیں بھی ہیں، عبرانی اور اس کی ہم نسل زبانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ محفوظ ہیں، یہی نشانیاں اور افعال کی گردانیں سامی زبانوں کے مطالعہ میں صرف کار آمد ہی نہیں بلکہ ان کو اس سلسلہ میں ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے اگرچہ آج ممالک غربی (یورپ و امریکہ) میں سامی لفظ کا اطلاق زیادہ تر یہود پر کیا جاتا ہے لیکن آج یہودیوں کی جسمانی خصوصیات سامیوں سے بالکل مشابہہ نہیں البتہ ان کی زبان عبری یا عبرانی صرف سامی نسل کے ایک عظیم ورثہ کی صورت میں ان کے یہاں محفوظ ہے جب کہ عرب العاربہ خصوصاً حضریت سے دور دور رہنے والے بدو جسمانی، معاشرتی، حیاتیاتی اور لسانی اعتبار سے سامی نسل کے بہترین نمائندے ہیں اور اس کا سبب عربوں کی غیرت قومی اور جغرافیائی حالات کے سبب، غیر قوموں سے عدم اختلاط ہے بعض مورخین عصر حاضر جن پر مستشرقین کا لفظ صادق آتا ہے یہ شبہ کرنے لگے ہیں کہ سامی نسل کے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے بڑے بیٹے سام کی اولاد

نہیں ہیں لیکن وہ یہ نہیں بتا سکے کہ اگر ان کا دعویٰ صحیح تسلیم کیا جائے تو وہ بتائیں کہ سامی کون ہیں اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے؛

آجکل خاص جزیرہ نمائے عرب، فلسطین، شام، عراق، لبنان، شرق اردن اور بر اعظم افریقہ کے مسلمان ممالک عربی بولنے والوں کے ملک ہیں اگرچہ ساحلی افریقی ممالک پر غیر قوموں کے تسلط نے تہذیب و زبان پر اپنا اثر ضرور ڈالا لیکن اُن کا انتداب اصل زبان کو نہ مٹا سکا؛

حضرت عیسٰی علیہ السلام سے تین ہزار پانچسو برس قبل دجلہ و فرات کی وادی میں اہل بابل جو اپنے اصل پایہ تخت کی نسبت سے اکادی کہلاتے ہیں، آکر آباد ہوگئے ان کے بعد آشوری اور پھر کلدانی یہاں آباد ہوئے۔ ۲۵۰۰ ق م سے کچھ بعد، عمودی کنعانی اور فنیقی بھی شامل تھے یہاں آباد ہوگئے؛ اس طرح دجلہ و فرات کی وادی ان مختلف اقوام کا گہوارہ بن گئی۔ ۲۰۰۰ق مسیح اس وادی میں آرامی بھی آباد ہوگئے اور فلسطین میں یہودی پہنچ گئے اگرچہ یہ سب کی سب مختلف قومیں تھیں لیکن یہ سب آپس میں قریبی رشتہ رکھتی تھیں جس کا انکشاف انیسویں صدی میں اس وقت ہوا جب پیکانی یا خط میخی پڑھ لیا گیا۔ اور ان کا آشوری، عبری، آرامی، عربی اور حبشی زبانوں سے تقابلی مطالعہ کیا گیا تو یہ بات ثابت ہوئی کہ ان سب زبانوں میں باہم ایک مشابہت قریبہ موجود ہے! قواعد کے اصول کے تحت جب ماہرین السنۂ قدیمہ نے ان کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ان تمام زبانوں میں زمانے صرف دو ہیں یعنی ماضی اور مضارع (جو حال اور مستقبل پر دلالت کرتا ہے) ان زبانوں کی تصریف کا اصول بھی قریب قریب یکساں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ مختلف اقوام یعنی بابلی، اشوری، کلدانی، عمودی، فنیقی، یہودی، عرب اور حبشی الگ الگ آباد ہونے سے قبل کسی زمانے میں ایک قوم بنکر ضرور رہے ہوں گے!

سامی نسل کا مرکزی مقام

سامی نسل کا اصل وطن کونسا تھا؟ اس سلسلہ میں محققین مختلف الخیال ہیں ان میں سے بعض آراء محض مفروضات

پر مبنی ہیں! زیادہ تر آرا کا ملخص یہ ہے کہ سامیوں کا اصل وطن جزیرہ نمائے عرب تھا اور یہی رائے قابلِ قبول ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سامیوں کا اصل مسکن مصر تھا لیکن یہ صحیح نہیں اسلئے کہ ۵۰۰۰ ق م قبل مسیح سامیوں کی زائد آبادی جس کی جزیرہ نمائے عرب کی زیرین پٹی پر سکونت کے امکانات (کثرتِ آبادی کی وجہ سے) ختم ہوگئے تو یہ لوگ اندر کا رخ تو یوں نہ کر سکے کہ زرخیز خطے سے نکل کر شورستان میں کس طرح گزر بسر کرتے اور اس پٹی سے آگے یوں نہیں بڑھ سکتے تھے کہ بحر احمران کو راستہ دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ اب اس فاضل آبادی کو شمال میں جزیرہ نمائے سینا میں پہنچ کر نیل کی زرخیز وادی ہی میں ٹھکانا نصیب ہو سکتا تھا۔ جہاں کی زرخیزی جزیرہ نمائے عرب کی ساحلی پٹی سے کہیں زیادہ تھی لہٰذا یہ ۳۵۰۰ ق م کے لگ بھگ اس زرخیز وادی میں پہنچ گئے۔ اس فاضل آبادی کا کچھ حصہ ایک لمبا چکر کاٹ کر مشرقی افریقہ کے شمالی راستے سے مصر پہنچ گیا جہاں حامی نسل پہلے سے آباد تھی اس طرح حامیوں اور سامیوں میں اختلاط اور میل جول کے مواقع پیدا ہوگئے اور اسی اختلاط سے مصر کی وہ عظیم قوم پیدا ہوئی جس نے ایک متمدن قوم کی بنیاد ڈالی

ان سامی مہاجرین کی ایک عظیم جماعت جس کے نفوس کا شمار تاریخ کے حافظے میں محفوظ نہیں ہے، مشرق کی راہ سے شمال کی طرف بڑھی اور دجلہ و فرات کے بین النہرین علاقہ کی سرسبزی و شادابی نے اس کے قدم روک لئے یہاں ایک متمدن قوم سمیری پہلے سے آباد تھی جب یہ لوگ یہاں پہنچے تو چونکہ حضریت سے ناآشنائے محض تھے، سمیریوں کے تمدن اور حضری خصوصیات نے ان کو آگے نہیں بڑھنے دیا، سمیریوں سے انھوں نے تمدن و عمرانیات کی بہت سی خصوصیات کو اپنایا جن میں سب سے عظیم فن کتابت ہے گویا فن کتابت میں سامیوں کے استاد سمیری ہیں، سمیری، سامی نسل سے تعلق نہ رکھتے تھے، اس طرح سمیریوں اور سامیوں کے اختلاط سے دجلہ و فرات کی اس وادی میں ایک اور مہذب اور متمدن قوم پیدا ہوئی جس کو بابلی کہا جاتا ہے۔ بابلیوں اور مصریوں نے جس طرح اس وقت کی اقوام کو تمدن آشنا کیا وہ ایک جداگانہ تشریح کی محتاج ہے یہاں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ حامیوں اور سامیوں کے اختلاط سے وجود میں

آنے والی قوم اور سمیریوں اور سامیوں کے میل جول سے نمودار ہونے والی قوم نے تمدن انسانی کے لئے ایک شاہراہ متعین کردی جس پر آنے والی قومیں بڑے فخر کے ساتھ تاریخ تمدن کے تار و پود تیار کرتی ہوئی نظر آتی ہیں؛

سامیوں کی اس نقل و حرکت نے جزیرہ نمائے عرب کے قدیم سامی باشندوں میں کامیاب ہجرت کی بنیاد ڈال دی تھی یہ لوگ ان مہاجرین کی کامرانی و کامیابی کے قصے سنتے تھے اور ان میں بھی ہجرت کی ایک تحریک پیدا ہوئی جس نے ان کو نقل مکانی پر مجبور کردیا اور ۲۵۰۰ ق م میں ایک اور سامی قوم یعنی عمودی یہاں سے نکل کر شام و عراق کے سرسبز علاقے میں پہنچ گئے جس کو تاریخی اصطلاح میں سرزمین ہلال خضیب کہا جاتا ہے۔ اس مہاجر قوم میں کنعانی بھی شامل تھے۔ ۲۵۰۰ ق م کے بعد شام و فلسطین کے ساحلی علاقے پر بسنے والی وہ قوم جس کو فنیقی کہا جاتا ہے اس ہلال خضیب کی سرزمین پر آکر بس گئی۔ تاریخ فنیقیوں کے اس کارنامے کو نہیں بھلا سکتی کہ یہی وہ قوم ہے جس نے خالص صوتی حروف کو لکھنے میں استعمال کیا، مصری اس سے نابلد تھے، ان کے یہاں تصویری خط رائج تھا، یہ طریقۂ نوشت نوع انسانی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ فنیقی حروف یا شکلیں تعداد میں کل بائیس ہیں، آشوری اور مصری اگرچہ بہت قدیم سے لکھنا جانتے تھے جیسا کہ ان کے کتبات اور عمارتی نوشتوں سے ظاہر ہے، میں ان کی تحریر کا ایک بہت ہی مختصر نمونہ آپ کے سامنے کتابت کی تاریخ میں پیش کروں گا۔ لیکن ان کا طرز تحریر نہایت مشکل تھا کیونکہ ان کے خط کا ایک حرف کسی مقام پر (تحریر میں) ایک آواز کی جگہ سمجھا جاتا تھا اور کبھی وہی ایک حرف پورے کلمے کے معنی ادا کرتا تھا۔ فنیقی چونکہ کاروباری لوگ تھے اور ان کی تجارت پورے عروج پر تھی اس لئے ان کو ایک سادہ خط کی ضرورت تھی اسی غرض سے انھوں نے جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے بائیس[۲۲] حروف تیار کئے جن میں سے ہر ایک حرف ایک خاص آواز دیتا ہے (پورے جملہ کا مفہوم ادا نہیں کرتا) ان تمام حروف کو وہ الف با سے تعبیر کرتے تھے۔ دنیا کی بیشتر اقوام نے فنیقی الف با کو قبول کرلیا البتہ شکلوں میں تھوڑا بہت اختلاف

ضرور ہے؛

فنیقی پہلی قوم ہے جس نے سیدھی طرف سے الٹی طرف لکھنا شروع کیا، عبری، سریانی اور عربی خط بھی اسی انداز اور سمت میں لکھے جاتے ہیں صرف یونانیوں نے اس کی تقلید نہیں کی وہ چپ سے راست کی طرف لکھتے ہیں جن کی پیروی میں مغربی اقوام نے بھی اسی طرح لکھنا شروع کیا اور آج تمام عیسائی قومیں تعصب کہہ لیجئے یا تقلید کامل، اسی طرح لکھتی ہیں، حالانکہ لاطینی الف با، فنیقی الف با ہی سے مشتق ہے؛

۱۵۰۰ق م اور ۱۲۰۰ق م کے درمیانی زمانے میں یہودی جنوبی شام اور آرامی شمالی شام کے زرخیز خطے میں آکر بس گئے ان کے بعد ۸۰۰ ق م میں قبطیوں نے جزیرہ نمائے سینا کے شمال مشرق میں اپنے قدم جمالئے! مہاجرت کا یہی وہ عظیم سلسلہ تھا جس نے سامی قوم کو دور و دراز اور قرب وجوار کے زرخیز علاقوں میں پہنچا دیا، اس توضیح سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سامیوں کا اصل وطن عرب تھا اور عربوں نے سامی خصوصیات کو بہت ہی خالص شکل میں برقرار رکھا اور اس نسل کی دوسری شاخوں کے مقابلہ میں قدیم سامی خصوصیات کو ان کی نسبت زیادہ نمایاں کیا۔ یہی سبب ہے کہ عربوں کی زبان، سامی زبان کی ابتدائی شکل یعنی مہاجرت کی ابتدائی صورت سے بہت ہی زیادہ قریب رہی ہے؛

جزیرہ نمائے عرب کی ساحلی پٹی سے دوسرے سرسبز و قابل زراعت علاقوں میں مہاجرت کے اس طویل سلسلہ میں سامیوں نے اپنی زبان کا بھرپور تحفظ کیا اور ہر صورت میں سامی زبان کو زندہ رکھا، عراق عرب میں سمیریوں کی زبان زندہ نہ رہی ورنہ اس وادی کے ہجرت کرکے آنے والے باشندوں کو سامی کہنا مشکل ہوجاتا۔ رہا قدیم مصر کا معاملہ تو اس سرزمین میں اگرچہ سامیوں اور حامیوں کا اختلاط رہا اور اس اختلاط سے ایک مخلوط زبان تیار ہوئی لیکن اہل مصر کو سامی نہیں کہا جاسکا اس طرح سامیوں کا جداگانہ وجود برقرار رہا اور لسانی امتیاز محو نہ ہوسکا، نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے اس جداگانہ وجود ہی کے باعث تاریخ میں ان کی اہمیت ہے اور ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکا؛

آشوری، بابلی، آرامی، عبرانی، فنیقی، جنوبی عربی، حبشی اور شمالی عربی سب اسی ایک

مورث اعلیٰ یعنی "سامی زبان" کی شاخیں ہیں، ہاں اس بات کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اصل سامی مفقود ہو گئی جس کے معنی یہ لئے جاسکتے ہیں کہ وہ محض بول چال کی زبان تھی یا یہ کہ دوسری اقوام کی طرح ان کی حجری تحریر بھی مرورِ زمانہ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئی لیکن اس کی اصل کا پتہ اس کی ان شاخوں سے چلتا ہے جن کے آثار باقی ہیں:

سامی زبان اور اس کی شاخوں کو سمجھنے کے لئے اس جغرافیائی تخصیص اور تقسیم سے کام لینا پڑے گا جو جزیرہ نمائے عرب کو مختلف منطقوں میں تقسیم کرتی ہے:

جنوبی عرب

قوموں کی تقسیم کے اعتبار سے عرب دو عظیم منطقوں میں تقسیم تھے یعنی جنوبی عرب اور شمالی عرب! پہلے ہم جنوبی عرب کو لیتے ہیں اس عظیم خطے میں ربع الخالی کے ریگزار کو بھی شامل کیا گیا ہے یہ تقسیم کسی سیاسی یا تمدنی تقسیم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ تقسیم طبعی اور جغرافیائی ہے: یہ تقسیم اس ریگستان سے ہوتی ہے جہاں جادۂ منزل اور راہ کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ جنوبی عرب کے شہری عام طور پر یمن، حضرموت اور قریبی ساحلی علاقوں پر آباد تھے، جنوبی عرب کی زبان سامی ہے جس کو سبائی یا حمیری بھی کہا جاسکتا ہے، حبشہ کی قومی زبان اس سے بہت قریبی تعلق رکھتی ہے

شمالی عرب

شمالی عرب کے لوگ، اونٹ کی کھال کے بالوں والے خیموں میں رہنا پسند کرتے ہیں، شمالی عرب کے مشہور منطقے نجد و حجاز ہیں: تمدن اور تہذیب کی دوڑ میں سب سے پہلے جنوبی عرب والوں نے قدم رکھا اور شہرت کے میدان میں داخل ہوئے، شمالی عرب والے ظہورِ اسلام تک کسی خاص شہرت کے مالک نہیں تھے:

عربوں نے جو نسب پر بڑے نازاں اور متفخر ہیں اپنی قوم کو دو بڑے قدیم گروہوں میں تقسیم کیا اس تقسیم سے لسانی فرق پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ یہ دو قدیم گروہ عرب بائدہ (عرب بعیدہ) عرب بائدہ اب مفقود ہیں ان میں مشہور قومیں عاد و ثمود، طسم و جدیس ہیں اس کے بعد نسّابین عرب نے موجودہ نسل کو دو عظیم خاندانوں میں تقسیم کیا ایک عرب عاربہ، دوسری عظیم نسل عرب مستعربہ کی ہے:

عربِ عاربہ قدیم نسل کے عرب ہیں جن کا وطن یمن تھا اور مورث اعلیٰ قحطان (یہی قحطان، تورات میں یقطان کے نام سے مذکور ہے) عربِ مستعربہ میں، حجازی، نجدی قبطی، تدمیری یا تدمری عرب یہ سب قومیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں جن کے مورث اعلیٰ عدنان اسماعیلی نسل کے ایک مشہور فرد تھے۔ ان دونوں یعنی قحطانیوں اور عدنانیوں میں زبان کا فرق موجود ہے۔ مکہ کے قریش جن میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ شمالی عرب کی نزاری شاخ سے تعلق رکھتے ہیں اسی طرح قریب کے ملکوں میں آباد یعنی مشرقی شام کے غسانی اور عراق حیرہ کے لخمی امراء یا ملوک نسلاً جنوبی عرب کے باشندے تھے جو کبھی پہلے شمال میں آباد ہو گئے تھے، انہی خاندانوں کے امرا اور ملوک سے مصر کے تعلقات قائم ہوئے، آشوریوں سے رسم و راہ قائم ہوئی، یہود تو قریبی ہمسائے تھے، خود ان کی زبان سامی سے عبرانی کا خصوصی تعلق ہے کہ عبرانی کی اصل سامی زبان ہی ہے، اس قریبی تعلق کا ان عربی ناموں سے بھی پتہ چلتا ہے جو تورات میں مذکور ہیں؛

ان تمام تعلقات پر اگر اختصار سے بھی لکھا جائے تو اس عرب قدیم کی تاریخ کے لئے ایک دفتر درکار ہوگا، یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ محض ان اقوام کی نشاندہی کے لئے لکھا ہے جن کا سامی زبان یا اس کی شاخوں سے تعلق ہے۔

سبا اور دوسری جنوبی عربی ریاستیں

سبا جس کا ذکر قرآن مجید میں سورۂ سبا میں کیا گیا ہے سب سے پہلی قوم ہے جس نے تمدن کی دنیا میں قدم رکھا۔ قرآنی شہادت موجود ہے، ملکۂ سبا کا تخت بیش قیمت جواہر سے آراستہ تھا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ سبائی صنعت و حرفت میں بھی بہت ممتاز تھے، سونا چاندی اور جواہرات ان کے پاس وافر مقدار میں موجود تھے جہاں تک کتبات کا تعلق ہے تو خط پیکانی کے تحریر کتبات میں اس متمدن قوم کا ذکر موجود ہے، سبا کا قدیم وطن جزیرہ نمائے عرب کا جنوب مغربی خطہ تھا، آج بھی اس علاقے کی سرسبزی و شادابی ضرب المثل ہے، نجران کا علاقہ اس خطہ کی بہشت ہے، ساحلی علاقے پر آباد ہونے

کے باعث کئی ملکوں خصوصاً ہندوستان سے تجارتی تعلقات قائم تھے، یہاں خلیج فارس سے موتی، ہندوستان کی تلواریں، کپڑا، مرچ مصالحے، چین کا ریشم، حبشہ کے غلام، ہاتھی دانت اور سونا پہنچتا تھا! مآرب ان کا پایہ تخت تھا، مآرب کا بند ان کے فن تعمیرات کا شاہکار تھا، یہ سبائی ہی تھے جنھوں نے یمن سے شام تک بری راستہ تجارت کے لئے قائم کیا جو مکہ (معظمہ) سے گزر کر پیڑا سے ایک طرف مصر کو اور دوسری طرف شام و عراق کو جاتا تھا، ان راستوں کے باعث مصر و شام و عراق سے ان کے تجارتی روابط قائم ہو گئے۔

جنوبی عرب کے کتبات

سبائی و حمیری قوموں کا نظام کسی تاریخی کتاب کی ترجمانی کا مرہون منت نہیں ہے بلکہ یہ ان سنگ نبشتوں یعنی حجری کتبات سے اخذ کئے گئے ہیں جو زیادہ تر جنوبی عرب میں پائے گئے ہیں ان حجری کتبات میں ان قوموں کا قبائلی نظام، ذات پات پر سختی سے عمل، موروثی جاگیرداری اور ملوکیت نسلی کے اشارات یا جزوی اطلاعات حاصل ہوئیں، جنوبی عرب سے کتبات کا حصول کوئی قدیم تاریخی حقیقت نہیں ہے بلکہ یہ کوششیں اٹھارویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہیں، سب سے پہلے ۱۷۷۲ء میں جنوبی عرب میں کتبات کی موجودگی کا علم ہوا اور اس وقت سے تا حال یہ کوششیں جاری و ساری ہیں!

اس کے بعد انیسویں صدی کے آخر میں نجران سے ایک مستشرق نے مختلف ۳۵، ۳۶ مقامات سے ۶۸۵ کتبات کی نقول حاصل کیں، اس طرح مختلف مستشرقین کی کوششوں سے تقریباً تین ہزار کتبات کی نقول دستیاب ہو گئیں۔ ان میں بہت سے کتبات پڑھ لئے گئے ان کتبات سے یہ انکشاف ہوا کہ جنوبی عربی یا سبائی زبان میں جس کو بعض مورخین حمیری بھی کہتے ہیں انتیس[۹] حروف ہیں جن کی اصل سینائی ہے جو فنیقی اور مصری خط کی ایک درمیانی کڑی ہے۔ سبائی زبان کے حروف بھی دوسری سامی زبانوں کی طرح حروف صحیح پر مشتمل ہیں۔ اس زبان کی اور متعدد خصوصیات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنوبی عربی، اکادی (یعنی اشوری بابلی) اور حبشی زبانوں سے قریبی مماثلت رکھتی ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ بعید از قیاس نہیں ہے کہ یہ زبانیں قدیم سامی زبان جو گفتگو میں استعمال ہوتی تھی اس

کی قائم مقام ہیں لیکن یمنی تمدن کے زوال کے بعد یہ جنوبی عربی مفقود ہوگئی اور اس کی جگہ شمالی عربی (عربی مبین) رائج ہوگئی؛

جنوبی عرب کی منائی قوم کی مملکت کی وضاحت بھی سامی زبان کے سلسلہ میں ناگزیر ہے اس قوم کی مملکت اوران کے اقتدار کا زمانہ ۱۲۰۰ق م سے ۶۵۰ ق م تک کل چھ سو سال ہے' اس مملکت کا عروج نجران اور حضرموت کے درمیانی خطے میں ہوا، جب اس مملکت کا عہد عروج تھا تو جنوبی عرب کا بڑا وسیع علاقہ اس کے زیر انتداب آگیا تھا جو وسطی اور شمالی عرب تک پھیلا ہوا تھا۔ موجودہ 'آل علا' کا علاقہ اس حکومت کی قدیم چھاؤنی تھی' معان نامی شہر اس حکومت کی قوت کا مرکزی شہر تھا۔

منائی وہی زبان بولتے تھے جو ان کے بعد آنے والے سبائی بولتے تھے' منائی اور سبائی زبان میں صرف اعراب کا فرق تھا۔ کتبات اور حضرموت کے عماراتی نوشتوں سے ان کا مختصر حال معلوم ہوسکا ہے' مجھے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ جزیرہ نمائے عرب کی جس سمت میں قدم بڑھائیے زبان کے اعتبار سے ان کا رشتہ سامی زبان سے منسلک ہوتا ہے

حبشی سامی نژاد ہیں

تاریخ کے ابتدائی دور میں ہی حضرموت اور یمن کے عرب سرزمین کوش میں آکر آباد ہوگئے تھے' ان ہی آباد کار عربوں نے حبشی حکومت اور تمدن کی بنیاد رکھی لیکن قرب جوار کے حبشیوں کے اختلاط سے ایک نئی تہذیب نے جنم لیا۔ اگر ان حضرموتی اور یمنی عربوں کا تعاون ان کو حاصل نہ ہوتا تو خالص حبشی تہذیب کبھی وجود میں نہیں آسکتی تھی؛

پانچویں صدی قبل مسیح میں جنوبی عرب کے بہت سے قبائل نے اس سمت کا رخ کیا جب کہ بہت سے شام و عراق میں جاکر آباد ہوگئے؛ بڑے پیمانے پر یہ نقل مکانی' "سدّ مآرب" کے ٹوٹ جانے کے بعد عمل میں آئی جو خداوند تعالیٰ کی نافرمانی میں ایک عذاب کی شکل میں "سیلِ عرم"، بن کر ان کی بستیوں' کھیتوں اور باغوں کو اجاڑتا چلا گیا۔ چنانچہ اس نقلِ مکانی اور حبشی اختلاط سے پہلی ریاست اکسوم کے نام سے پہلی صدی عیسوی میں قائم ہوئی۔ جنوبی عرب کی خوشحالی کا دور ختم ہوچکا تھا۔ مالی حالت کے خراب

ہوتے ہی سیاسی زوال شروع ہوگیا اور پھر تبرا، تدمیر اور شمال مغربی عراق پر رومی قابض ہو گئے لیکن حبشہ کی سلطنت پروان چڑھتی رہی، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مسلمانوں نے پہلی ہجرت کر کے اس مملکت میں سکونت اختیار کی، وہاں عیسوی مذہب رائج تھا اور اس وقت وہاں اصحمہ نامی بادشاہ سریر آرائے سلطنت تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا؛

حبشی سلطنت نے بہت جلد ترقی کی اور وہ لوگ اتنے طاقت ور ہو گئے کہ چوتھی صدی عیسوی میں جنوبی عرب پر بھی قابض ہو گئے، جنوبی یمن پران کی حکومت ایک ربع صدی تک قائم رہی۔ حمیری سلاطین نے ایک بار پھر سنبھالا لیا اور حبشیوں سے سلطنت واپس لیکر وہ ۵۲۵ء تک حکومت کرتے رہے اس آخری یا دوسرے دَور کے حمیری بادشاہ کا لقب تبعؑ تھا۔ حمیری سلاطین کے اس دَور دوم میں ۹ سلاطین کے نام کتبات میں ملتے ہیں حمیریوں کے اس آخری دور میں یہودی اور عیسائی مذہب ان میں داخل ہو گئے جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت کے ابتدائی دور تک وہاں جاری وساری رہے آخری حمیری بادشاہ یا تبعؑ ذو نواس تھا، اس کے ساتھ یمن کی خود مختار حمیری حکومت کا خاتمہ ہوگیا البتہ عیسائی اور یہودی مذہب قائم رہا؛

قوم نبط سامی زبان کے سلسلہ میں نبطی زبان کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس سلسلہ میں بہت اختصار کے ساتھ ان کے بارے میں کچھ تاریخی حقائق آپ کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں؛

جنوبی عرب کے مذکورہ شاہی خاندانوں کے علاوہ عہد ماقبل اسلام جزیرہ نمائے عرب کے شمال اور وسط میں کئی آزاد ریاستیں قائم ہوئیں ان میں سب سے پہلی حکومت نبطیوں کی تھی ۶۰۰ ق م میں دوسری اقوام کی طرح ایک صحرائی قوم کی طرح اس علاقے میں آکر آباد ہوئے جو اب شرق اردن کہلاتا ہے یہاں انھوں نے ادومی قوم کی اراضی اور شہر بترا پر قبضہ کر لیا۔ نبطیوں کا اصل نام الانباط تھا، ادومی آل یعقوب سے تعلق رکھتے تھے؛

کتبیات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ شہر حجر نبطی مملکت میں داخل تھا جو اب مدائن صالح کہلاتا ہے نبطیوں کی یہ سلطنت ۱۰۶ء عیسوی تک قائم رہی اور قیصر روم نے ان کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ انھوں نے سب سے پہلے ۶۲ ق م میں اپنا سکہ ڈھالا۔ کیا یہی وہ سکہ تو نہیں جس کو اصحاب کہف نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو دیگر شہر بھیجا تھا جس کو قرآن حکیم نے سورۃ الکہف میں "ورق" سے تعبیر کیا ہے اور ہم سابق میں اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

نبطیوں کی روزمرہ بولی شمالی عربی تھی لیکن ان کا اپنا کوئی خط نہ تھا وہ اپنے ہمسایوں کے آرامی حروف تحریر میں استعمال کرتے تھے۔ گویا ان کی علمی زبان آرامی تھی۔ نبطیوں کا یہ شکستہ خط تیسری صدی عیسوی میں شمالی عربی کا رسم الخط بن گیا۔ اس خط نے مرور زمانہ کے ساتھ بدلتے بدلتے گول نسخ کی صورت اختیار کر لی جو مدتوں بعد میں پیدا ہونے والے خط کوفی سے اس کی ساخت میں بالکل جداگانہ ہے۔

سامی زبان کے سلسلہ میں صرف ایک قوم تدمُر کا ذکر کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ تدمری زبان بھی اسی سامی زبان کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ تدمر قوم کا مرکزی مقام پامیرا یا عربی زبان کا تدمر تھا۔ آج بھی اس کے کھنڈر "آثار الصنادید" کی صورت میں ان کے جاہ و جلال کی گواہی دے رہے ہیں، تدمر صحرائے شام کے سرسبز علاقے میں واقع تھا۔ ۹ ق م کا ایک کتبہ یہاں سے دستیاب ہوا ہے ان کے مزید تاریخی حالات پر روشنی نہیں پڑ سکی ہے یہ ۲۷۰ء تک اس علاقے پر حکمرانی کرتے رہے ان کی زبان نبطی اور مصر کی آرامی زبان کے مماثل یعنی مغربی آرامی ہی کی ایک شاخ تھی؛

اب رہے غسانی ملوک جو ان کے بعد نمودار ہوئے اور یہ دو زبانیں استعمال کرتے تھے آرامی اور عربی، ان دونوں میں اسماء اور افعال کا فرق ہے، ملوک غسانی تمدن اور تہذیب سے خوب آشنا تھے۔ شعر و شاعری کا بھی بھرپور مذاق رکھتے تھے۔ سبعہ معلقہ کا مشہور شاعر لبید اس خاندان کا پروردہ نعمت تھا۔ مداح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ ملوک غسان سے خونی رشتہ رکھتے تھے۔ سامی زبان اپنی مختلف شاخوں میں مذکورہ اقوام سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ ان اقوام کا ذکر کر دیا جائے

جن سے سامی زبان کی یہ شاخیں منسوب ہیں یا ان کو وہ استعمال کرتی تھیں ورنہ قاری کا ذہن الجھن کا شکار رہتا، مجھے اعتراف ہے کہ میں نے ان اقوام کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ کیا ہے میں تفصیل میں کس طرح جا سکتا تھا جب کہ میرا موضوع ہے "صاحب قرآن کی فصاحت" یہ جو کچھ لکھا ہے محض سامی زبان اور اس کی شاخوں یا اس کے شجرہ کے تعارف کے طور پر لکھا ہے: تاکہ قارئین یہ جان سکیں کہ موجودہ عربی زبان کن تبدیلیوں سے آشنا ہوتی ہوئی اس منزل تک پہنچی ہے: مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ دونوں زبانیں بھی چھوٹے چھوٹے شعبوں میں اس طرح تقسیم ہوگئیں، یہ تقسیم قبائل اور قومی نقطہ نظر سے کیگئی ہے!

۱۔ قحطان کی زبان، عربی
۲۔ جرہم کی زبان، زبور
۳۔ قحطان بن عامر کی زبان، زقزقہ
۴۔ اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ کی زبان، مبین
۵۔ حمیر کی زبان، مسند (اس سلسلہ میں پہلے عرض کیا جاچکا کہ مسند زبان نہیں بلکہ خط کا نام ہے)
۶۔ حضرموت کی زبان، زبور
۷۔ اہل مہرہ کی زبان، موَیل
۸۔ معد کی زبان، مبین
۹۔ اہل عدن کی زبان، رشق
۱۰۔ اشعر کی زبان، زقزقہ

لیکن ان تمام زبانوں کا سراغ کتبات سے نہیں لگ سکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سامی زبان کی دو شاخیں اپنی خصوصیات کے باعث قدامت کی حامل ہیں، بنو اسماعیل کی شمالی عربی اور جنوبی عرب یعنی بنی قحطان کی زبان جس کو ہم جنوبی عربی کہہ سکتے ہیں، اپنی خصوصیات کے باعث قدامت کی حامل ہیں، اس جنوبی عربی کی مندرجہ ذیل شاخیں ہیں
۱۔ سبائی، سابقہ اوراق میں آپ قوم سبا کا مختصر حال پڑھ چکے ہیں اور ان کی زبا

کے بارے میں بھی کچھ ابتدائی معلومات سے آپ کو روشناس کر دیا گیا ہے۔

۲۔ حمیری، قوم حمیر اس زبان کو استعمال کرتی تھی، قوم حمیر کا آپ سے مختصر تعارف کرایا جا چکا ہے؛

۳۔ حضرموتی، جو حضرموت یا ربع الخالی کے خطے میں بولی جاتی تھی؛

۴۔ حبشی، اہل حبش اس کو استعمال کرتے تھے، اصحاب فیل کی زبان بھی حبشی تھی آج بھی اس زبان کو ایک مستقل حیثیت حاصل ہے اور اصحاب فیل سے کئی سو برس پہلے ان میں یہ زبان رائج تھی۔ اسلام کی تابناکیوں نے قدیم عربی زبانوں پر بھی اثر ڈالا اور وحدت ملی جس کا سبق اسلام نے دیا تھا اور قرآن مجید کی دولت کے عطیہ نے ان جغرافیائی منطقوں سے نسبت رکھنے والی مختلف قوموں کو وہی زبان عطا فرمادی جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ اگرچہ اصل زبان کے بھی کچھ اثرات باقی رہے مثلاً:۔

۱۔ الفاظ کا فرق!

بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو جنوبی عربی میں بطور روزمرّہ استعمال ہوتے ہیں لیکن شمالی عربی میں ان معانی کے لئے صرف دوسرے الفاظ ہی نہیں بلکہ ان کے قواعد میں بھی فرق ہے مثلاً شمالی عرب میں علامت جمع ’ن‘ ہے جب کہ جنوبی زبان میں ’م‘ ہے۔ حمیری اور فنیقی زبان میں جمع کی صورت میں لفظ کا ٹوٹنا یعنی جمع مکسّر کا قاعدہ ان میں رائج تھا جو شمالی عرب کی زبان کا ایک قاعدہ ہے۔ یہ تبدیلیاں اور قواعد کا فرق کسی طرح بھی اس کو اس سلسلہ نسب یا شجرہ سے خارج نہیں کرتا جو اس کو سامی زبان میں شامل کرتا ہے؛

مولانا سلیمان ندویؒ ارض القرآن میں لکھتے ہیں کہ:۔

”ان زبانوں میں سے ہر ایک زبان کے قواعد صرف و نحو اور لغت پر جرمن اور فرنچ میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن افسوس کہ ان تک ہماری رسائی نہیں ہے بس اس سلسلہ میں اہل عرب نے

دو تین باتیں یاد رکھی ہیں، مثلاً یہ کہ شمالی عربی بولنے والے "س" کو جنوبی عرب میں "ت" اور "ن" کو "ش" کر دیتے ہیں جیسے ناس کو نات اور علیاث کو علیش الف لام تعریف کی جگہ "الف میم" وہ طاب الھوا کے موقع پر "طاب امھوا"، یا کسی حرف کو کم کردینا ماشاء اللہ کو "مشاء اللہ"۔

دوسری قوموں کے الفاظ قرآن مجید میں

اس سلسلہ میں علامہ ندوی مرحوم تحریر کرتے ہیں کہ:
" قرآن مجید میں سبائی حمیری زبان کا لفظ "عرم" سبا کے قصہ میں آیا ہے، حبشی زبان کے کئی لفظ جو عرب کے عیسائیوں میں اس سبب سے مستعمل تھے کہ جنوبی عرب میں عیسائیت وہیں سے آئی تھی۔ اس لئے قرآن کی زبان میں بھی وہی الفاظ چلے آئے مثلاً[1]

نفاق۔ صحف۔ برہان۔ برج۔ مائدہ۔ مشکوٰۃ۔ سورۃ۔ حواری۔ استبرق۔ ورق"

ابن المالک ہمدانی جو چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں موجود تھا وہ حمیری زبان کا عالم تھا وہ اپنے زمانے کے قبائل کی حالت کے ذیل میں جو کچھ لکھتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں قرآن مجید کی اشاعت کو ساڑھے تین سو برس گزر چکے ہیں

---

[1] اس سلسلہ میں صدر اول کے علمائے کرام کا زبردست اختلاف ہے کہ قرآن میں دوسری زبانوں کے الفاظ ہیں، امام حضرت شافعیؒ، ابن جریر۔ حضرت ابوعبیدہ۔ قاضی ابوبکر رحمہم اللہ تعالیٰ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن میں عربی زبان کے سوا کسی زبان کا کوئی لفظ نہیں ہے اور ان کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد قرآناً عربیاً الخ اور یہ آیت ہے وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ علامہ سیوطیؒ نے خود یہ مدلل و بہترین رائے پیش فرمادی ہے اور پھر اس گراں مایہ کتاب "الاتقان" میں "النوع الثامن والثلاثون فیما وقع فیہ بغیر لغۃ العرب" کا عنوان قائم کیا ہے اور ایک سو سے زیادہ لغات ان کے معانی مع صراحت زبان بیان کئے ہیں، وہ اس سلسلہ میں کچھ اسناد بھی لائے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے "الاتقان" النوع الثامن والثلاثون۔

(ہمدانی کے زمانے کے اعتبار سے) تاہم جنوبی عربی زبان بے نشان نہیں ہوگئی تھی، وہ کہتا ہے

"شجر اور اسماد کے باشندے فصیح اللسان نہیں ہیں، مہرہ کے
باشندوں میں عجمیت ہے، اہلِ حضرموت بھی اچھی زبان
نہیں بولتے۔ کبھی کبھی کوئی زباندان ان میں پیدا ہو جاتا ہے"

اس طرح الہمدانی نے مختلف قبیلوں میں جا کر ان کے روزمرہ، ان کی زبان کے ضرب الامثال اور لغات کا جائزہ لے کر، فصیح و غیر فصیح کے سلسلہ میں عرب کے متعدد قبیلوں کے بارے میں رائے ظاہر کی ہے۔ میں یہاں تمام و کمال رائے کو پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتا کہ یہاں قبائل کی زبانوں کا تقابلی مطالعہ مقصود نہیں ہے اور نہ ان قبیلوں کی زبان کا فصاحت و غیر فصاحت کے اعتبار سے جائزہ لینا ہے۔ یہاں قارئین کو صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ سامی زبان کی شاخیں کون کون سی تھیں اور ان کا تعلق کن ریاست ہائے حجاز سے تھا؛ جنوبی عرب کی ریاستوں یا جنوبی قبائل عرب میں استعمال ہونے والی سامی زبانوں کے نام سے آپ واقف ہو چکے ہیں، اب شمالی عربی یا شمالی عرب میں اسماعیلی زبان اور ان کے باہمی روابط کے سلسلہ میں مختصر کچھ عرض کیا جا رہا ہے؛

شمالی عربی شمالی عربی بنو اسماعیل کی زبان ہے اور جنوبی عربی بنی قحطان استعمال کرتے ہیں لیکن یہ دونوں عظیم قومیں چونکہ متعدد قبائل میں تقسیم ہو کر اپنے اپنے منطقوں میں پھیلی ہوئی تھیں اس سبب سے جنوبی اور شمالی عربی کی زبانوں کی بہت سی شاخیں ہو گئیں؛

اسماعیلی زبان یا شمالی عربی شمالی زبانوں کے حدود تدمر (شام کے نواح) اور حیرہ (عراق) سے شروع ہوتے ہیں۔ سابق میں آپ ان علاقوں کے جغرافیائی حدود سے واقف ہو چکے ہیں۔ شمالی عربی کی مشہور شاخیں یہ ہیں۔ تدمری، نبطی اور حجازی، عربی رسم الخط کے سلسلے میں آپ پڑھیں گے کہ حجازی خط عربی، نبطی خط سے ماخوذ ہے لیکن جنوبی عربی کی طرح شمالی عربی کی یہ شاخیں بھی، بہت سے الفاظ، حروف، معانی اور قواعد میں یکساں نہیں ہیں۔ تدمری

زبان آرامی سے زیادہ متاثر ہے اس لئے وہ قرآن مجید کی زبان سے کافی حد تک متاثر ہے اور اس متاثرت کے باعث وہ عبرانی کے قریب قریب پہنچ جاتی ہے۔ نبطی جو اصحاب الحجر کی زبان رہی ہے وہ قرآن کی عربی سے بہت قریب ہے۔ اس قربت کی صراحت آپ عربی رسم الخط کے سلسلہ میں مطالعہ کرینگے؛

شمالی عرب کی آبادی بھی مختلف قبائل سے عبارت ہے، جن میں ظہور اسلام کے وقت مشہور قبائل یہ تھے، میں یہاں صرف قبائل کا ذکر کروں گا ان کے بطون اور حی سے صرف نظر کرتا ہوں۔ اس قبیلہ کے متعدد بطون تھے؛

شمالی عرب کے قبائل

۱۔ بنو قضاعہ ۲۔ بنو جذام

۳۔ بنو لخم ۴۔ بنو غسّان۔

ان قبائل مذکورہ کے متعدد بطون تھے، یہ اسلام سے ابتدائی زمانے میں واقف ہو چکے تھے اور ان قبائل کے بعض افراد دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہو چکے تھے یہ قبائل مغربی بین الاقوامی شاہراہ کے اطراف میں واقع تھے؛ مکہ سے شام آنے جانے والے قافلے اس شاہراہ سے گزرتے تھے اگرچہ انکے مدتوں تک بازنطینی پڑوسی سلطنت سے قریبی تعلقات رہے اور ان کی معاشرت اور مذہب سے متاثر تھے۔ مدینہ منورہ سے ان قبائل کا کافی فاصلہ تھا لیکن حجاز کی زبان سے ان کی زبان بہت قریب تھی! اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اس شمالی منطقہ کی یہ تین زبانیں تھیں جیسا کہ مذکور ہوا اور حجازی زبان، قبطی زبان سے اقرب تھی؛

شمالی عرب کے ان ممتاز اور نامور قبائل کے لہجہ، تلفظ اور الفاظ کی حرکات میں باہمی اختلاف نہ تھا بلکہ ان میں سے ہر قبیلے کی زبان کے کچھ مخصوص الفاظ بھی تھے جو ایک قبیلہ کی زبان اور اس کے روزمرہ کے لئے مخصوص تھے؛ علامہ سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں

> "عربی زبان میں لاکھوں الفاظ ہیں جو تیرہ سو برس سے کبھی استعمال میں نہیں آئے اور نہ قرآن و حدیث میں مستعمل ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف قبائل کی زبانوں

کے الفاظ کا ایک مخلوط مجموعہ ہے جو قرآن کی عربی سے ماوراء ہے" (ارض القرآن)

اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے جس کا یہاں موقع نہیں ہے میں صرف اتنا مختصراً عرض کروں گا کہ یہ بات جب ہی درست ثابت ہو سکتی ہے جبکہ ان تمام قبائل کی زبان عربی مبین ہو آپ مختلف منطقوں یعنی شمالی، جنوبی، مشرقی اور مغربی سلطنتوں کے بارے میں یہ پڑھ چکے ہیں کہ ان میں متعدد زبانیں مروّج تھیں، ظاہر و باہر ہے کہ ان غیر زبانوں کے ہزاروں لاکھوں لغات یا الفاظ حجازی زبان خصوصاً قریش کی زبان میں کس طرح سما سکتے تھے، اگر حجازی قریش کی زبان ان مختلف اقوام و قبائل کے مجموعہ کا نام ہوتا، تو اس کو عربی کس طرح کہا جا سکتا تھا، وہ تدمری، یا قبطی ہوتی، حمیری یا حبشی یا آرامی کہلاتی نہ کہ حجازی! اس طرح یہ کہنا کہ عربی زبان کے لاکھوں الفاظ ہیں جو نہ قرآن میں آئے نہ حدیث میں، بیشک ایسے الفاظ ہوں گے مگر وہ سامی، تدمری، آرامی، قبطی اور حبشی زبان کے لغات ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ شعرائے عرب کے کلام میں ایسے لغات ہیں اس کی صراحت میں ایک عنوان خاص کے تحت کروں گا جہاں یہ دعویٰ خود بخود باطل ہو جائے گا؛ البتہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ شعرائے عصر جاہلیت کے کلام میں اور اس عصر کی حجازی عربی میں ایسے ہزاروں الفاظ موجود ہیں جو موجودہ عربی میں استعمال نہیں ہوتے

اس عصر میں بھی جب کہ اسلام (جزیرہ نمائے عرب کی حدود تک عرض کر رہا ہوں) تمام علاقوں میں عوام و خواص کا مذہب ہے مختلف قبائل کی زبانوں میں بیّن فرق موجود ہے۔ عدن اور یمن کی زبان میں فرق ہے، شمالی عربی قبائل اور شہروں کی وہ زبان اور روزمرّہ نہیں ہے جو حجاز کے علاقے میں بولی جاتی ہے؟ اس قسم کا اختلاف ہر ایک زبان میں ہوتا ہے کچھ عربی ہی کی تخصیص نہیں ہے۔ فصاحت و بلاغت کے نقطۂ نظر سے مختلف قبائل کی زبانوں اور ان کے روزمرّہ میں فرق ہے۔ علامہ سلیمان ندویؒ اس سلسلہ میں ارض القرآن میں لکھتے ہیں:۔

"قریش کی زبان کی خوبی اور فصاحت کے دو سبب ائمہ لغت نے بیان کئے ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو

قوم دوسری قوم سے الگ تھلگ رہتی ہے اور ملتی جلتی نہیں،
اس کی زبان خالص اور بے میل رہتی ہے، یہ خیال ایک حد تک
صحیح ہے لیکن ایک دوسری نظر سے یہ نظریہ بہت کچھ قابل ترمیم
ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو قومیں دوسری قوموں سے الگ
اور محفوظ ہیں اُن کی زبان محدود اور مفلس ہوتی ہے یہی سبب ہے
کہ وحشی قوموں کی زبانیں ہمیشہ عمدہ اور وسیع خیال کے ادا
کرنے سے قاصر رہتی ہیں“

دیہات کی زبان اسی اصول کی بنا پر عدم اختلاط کے باعث
دوسری زبانوں کی اثر پذیری سے گو محفوظ رہتی ہے لیکن اسی
کے ساتھ لطیف و نازک جذبات اور بلند و عالی خیالات کی
تعبیر سے قاصر رہتی ہے۔ اسلام سے دو سو برس پہلے سے تمام قبائل
عرب میں صرف قریش کا قبیلہ اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ اس کا گزر
تجارتی ذرائع سے نہ صرف عرب کے گوشہ گوشہ میں بلکہ آس پاس
کے ممالک میں بھی ہوتا تھا بلکہ متمدن دنیا کے مشرقی اور مغربی
انتہائی کناروں تک ان کا تجارتی رشتہ اور تعلق تھا، اس بنا پر
اس کی زبان میں دوسری زبانوں کے اعتبار سے زیادہ وسعت
اور زیادہ ہمہ گیری پیدا ہوگئی ہوگی۔ مذہبی خیالات کے ادا کرنے
کے لئے جن کا عربی زبان میں اس وقت تک وجود نہ تھا، ایک
ایسی ہی زبان کی ضرورت تھی جس میں ان خیالات کے ادا کرنے
کے لئے الفاظ ہوں اور دیگر قدیم المذاہب زبانوں سے اس کا
رابطہ اور ارتباط ہو جس کی بنا پر ان سے الفاظ عاریتاً حاصل
کئے جا سکیں، تمام عرب میں ایسی زبان صرف قریش کی ہو سکتی تھی
تمام عرب کو مخاطب کرنے کیلئے وحی الٰہی کو اسی قسم کی زبان

مولانا سلیمان ندویؒ کا یہ استدلال بجا اور درست ہے۔ مولانا ندویؒ سے پانچسو (۵۰۰) برس قبل، علوم القرآن پر لکھی جانے والی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں علامہ سیوطیؒ نے مختلف قبائل عرب میں بولے جانے والے اُن صدہا مخصوص الفاظ کو بقید قبیلہ پیش کر دیا ہے جو قرآن حکیم میں وحی الٰہی نے تمام عرب کو مخاطب کرنے کے لئے اس میں جمع کر دیئے ہیں۔ میں ذیل میں ایسے کچھ الفاظ اس قبیلہ کی صراحت اور قرآن حکیم میں اس لغت کو جہاں استعمال کیا ہے اس کی صراحت کے ساتھ پیش کر رہا ہوں، ملاحظہ کیجئے:۔

قرآن مجید میں متعدد قبائل عرب کی زبان کے الفاظ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔
اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝
بیشک ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم سمجھ سکو!

پس یہ خیال کرنا درست نہیں ہے کہ عربی زبان صرف مکّہ سے اختصاص رکھتی ہے بلکہ اس کا اطلاق پورے جزیرہ نمائے عرب پر ہوتا ہے، یہ جزیرہ نمائے عرب متعدد منطقوں میں جن کو آپ صوبے بھی کہہ سکتے ہیں تقسیم تھا، البتہ حرم کعبہ کے باعث مکّہ کو دوسرے بلاد عرب پر تفوق حاصل تھا اور عرب کی سب سے عظیم قوم قریش تھی اور یہ قوم قریش بھی متعدد قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی اس لئے یہ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو ایسی زبان میں نازل فرماتا جو تمام عربستان کے لئے قابل تفہیم ہوتی اور جس میں تمام مشہور و معتبر قبائل کے مخصوص لغات موجود ہوں!

مشہور مفسر علامہ سیوطیؒ اپنی مشہور اور معرکتہ الآرا تصنیف "الاتقان" میں علامہ ابوبکر واسطی کی مشہور کتاب "الارشاد فی القرأت العشر" کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں۔ کہ قرآن مجید میں چالیس قبائل کی زبان کے لغات ہیں۔

ان تمام قبائل مختلفہ کے لغات سے میں یہاں چند قبائل کے لغات پیش کر رہا ہوں اور قرآن حکیم میں جہاں وہ لغت استعمال ہوا ہے اس کی نشاندہی بھی ہر جگہ میں نے کر دی ہے۔

قبائل مختلفہ کی لغات کے الفاظ
قرآن مجید میں

بطور تمثیل چند الفاظ ہر ایک قبیلے کے پیش کیے جاتے ہیں

۱۔ قبیلۂ کنانہ:

تعارف:۔ جزیرہ نمائے عرب کے مغربی قبائل میں سب سے مشہور قبیلہ کنانہ تھا جس کی افرادی قوت چھ ہزار پر مشتمل تھی، بڑے قبیلے بطون میں تقسیم تھے اور پھر بطن کی بھی تقسیم ہو جاتی تھی جو حیّ کہلاتا تھا، حیّ چھوٹے گروہ اور معدودے چند افراد پر مشتمل ہوتا تھا۔ قبیلہ کنانہ، مدینہ منورہ کے مغرب میں آباد ایک زوردار قبیلہ تھا، ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس قبیلہ کے بعض افراد دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے اور اس کے بعد اسلام کی فطری سادگی اور صداقت کی دعوت نے ان سب کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ قبیلہ کنانہ کے مشہور بطنوں میں بنو حمزہ۔ بنو غفار۔ بنو لیث۔ بنو مدلج۔ بنو خزاعہ اور بنو المصطلق ہیں!

قبیلۂ کنانہ کی لغات کے الفاظ

لغت	لغت کے معنی اس قبیلہ میں	قرآن مجید میں یہ لفظ کس طرح اور کہاں استعمال ہوا ہے
اَلسُّفَهَآءُ	جاہل، ان پڑھ لوگ	سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ط (سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۲)
خَاسِئِيْنَ	نگونسار۔ ذلیل وخوار	فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ۚ (سورۃ بقرۃ آیت ۶۵)
قَبِيْلًا	علانیہ، برملا، کھلم کھلا	اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۲)

مُعۡجِزِیۡنَ آگے بڑھ جانے والے۔ عاجز کرنے والے۔

اِنَّ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ۝ (سورۃ انعام آیت ۱۳۵)

قُلۡ اِیۡ وَرَبِّیۡۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ۝ (سورہ یونس آیت ۵۳)

قبیلۂ ہذیل کی لغات کے چند الفاظ

تعارف :۔ یہ مکہ مکرمہ کے مشرق میں آباد' بدوی قبیلہ تھا چونکہ قریش کے پڑوسی تھے لہٰذا قریش سے ان کے بہتر روابط تھے' سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ہی میں اس قبیلہ کے بہت سے افراد اسلام سے مشرف ہو چکے تھے ان افراد میں سب سے زیادہ مشہور ہستی حضرت عبداللہؓ بن مسعود ہذلی کی ہے۔ ان کے مسلمان ہونے کے بعد ان کا پورا گھرانا مسلمان ہو گیا تھا۔ ان حضرات کا تعلق بنو ہذیل کے بطن بنو معاویہ سے تھا

چند لغات

صَلۡدًا پاک وصاف۔ ستھرا۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفۡوَانٍ عَلَيۡهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا ؕ (سورہ بقرہ آیت ۲۶۴)

اَلسَّآئِحُوۡنَ روزے رکھنے والے

اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ ؕ (سورۃ التوبہ آیت ۱۱۲)

دُلُوۡكِ الشَّمۡسِ زوال آفتاب یعنی غروب شمس

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۸)

ثَاقِبٌ تاباں۔ درخشاں۔ چمکیلا

اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ

شِہَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (سورۃ الصافات، آیت ۱۰)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ (سورۃ الطارق، آیت ۲-۳)

اَلْاَجْدَاثُ	قبور۔ قبریں۔	وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ (سورہ یٰسٓ آیت ۵۱)
دُسُرٍ	لوہے کی میخیں	وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ (سورۃ القمر، آیت ۱۳)
اَلْمُبَذِّرِيْنَ	فضول خرچ کرنے والے	اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۷)

قبیلہ حمیر!

تعارف :- حمیری ملوک اور حمیری زبان کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس حکمران خاندان کا سلسلہ اقیال کہلاتا تھا، یہ لوگ جنوبی عرب کے قبیلے یمن پر حکمران تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد اقیال حمیر نے ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا حمیر کا عظیم خاندان مختلف اقیال میں بٹا ہوا تھا۔ چنانچہ ان اقیال کی متعدد سفارتیں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس کے بعد یہ تمام قبیلہ اور اس کے اقیال اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو معلم بنا کر بھیجا تھا جنھوں نے صنعا میں رہ کر ان لوگوں کو احکام شریعت سے آگاہ کیا اور دینی تعلیم دی؛ ——— قبیلہ حمیر کے لغات کے الفاظ

سَفَاهَةٌ	دیوانگی۔ پاگل پن	قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ الخ (سورۃ الاعراف، آیت ۶۶)
مَسْنُوْنٍ	سڑا ہوا۔ بدبودار	قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○

سورۃ الحجر۔ آیت ۳۳

اِمَامٍ کتاب	وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۚ سورۃ یٰسٓ، آیت ۱۲
مَاٰرِبُ حاجتیں۔ ضرورتیں،	قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ○ (سورۃ طٰہٰ، آیت ۱۸)
رابِیَۃ سخت۔ شدید،	فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِیَةً ○ (سورۃ الحاقہ۔ آیت ۱۰)
اَلْقِطْرِ تانبا۔	وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ (سورۃ السبا، آیت ۱۲)
وَبِیْلًا سخت۔ عظیم،	فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ○ (سورۃ المزمل۔ آیت ۱۶)

قبیلۂ جرہم کے لغات

تعارف :۔ وہی قبیلہ ہے جس کے مورث اعلےٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شیرخواری کے عہد میں چاہِ زمزم کی وجہ سے وادیٔ غیرذی زرع میں ڈیرے ڈال دیئے تھے اور جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو اسی قبیلے کے سردار فضاض کی صبیہ سے آپ نے شادی کی لیکن مرور زمانہ سے یہ قبیلہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہی سیاسی پس منظر میں چلا گیا تھا یہاں تک کہ مورخین دوسرے قبائل کے ساتھ بنو جرہم کا ذکر نہیں کرتے، یہ لوگ امتداد زمانہ سے عصر قریش میں کوئی قبائلی قوت پیدا نہ کرسکے، یہ بھی قریشِ ظواہر کی طرح مکہ کے قرب و جوار میں آباد تھے۔

لغت	معنی	قرآن کریم میں یہ لفظ کہاں استعمال ہوا ہے
شِقَاق	گمراہی، ضلالت،	مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ ۝ (سورۂ فصلت، آیت ۵۲)
عَصِیْب	شدید، بہت سخت،	سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝ سورۂ ہود، آیت ۷۷
خَیْرًا	مال و متاع،	اِنْ تَرَكَ خَیْرَا ۨ الْوَصِیَّةُ الخ (سورۂ البقرہ، آیت ۱۸۰)
كَدَاْبِ	مشابہہ، ایک دوسرے کے مانند،	كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ (سورۂ انفال، آیت ۵۲)
مَحْسُوْرًا	الگ تھلگ منقطع،	وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ (سورۂ اسراء، آیت ۲۹)
حَدَبٍ	جانب۔ طرف،	حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۝ سورۃ الانبیاء۔ آیت ۹۶
یَنْسِلُوْنَ	نکلتے ہیں، باہر آتے ہیں،	وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۝ سورۃ الانبیاء۔ آیت ۹۶

قبیلۂ قیس عیلان

قبیلۂ قیس عیلان کا تعارف :۔ قیس عیلان مضر کا ایک عظیم خاندان تھا، بنو غطفان اور بنو سلیم جیسے طاقتور قبائل اسی کی شاخیں تھیں، وسطی عرب کا یہ عظیم طاقتور قبیلہ تھا

جو قریش مکہ کی طرح طاقتور اور نسبی اعتبار سے سربلند تھا اسی بنا پر ایک دوسرے کے حریف تھے، اس قبیلہ کے بعض افراد کے قریش مکہ سے روابط تھے اور ازدواجی تعلقات بھی حریف ہونے کے باوجود قائم تھے:۔

لغت کے الفاظ	معنی	قرآن حکیم میں ان کا استعمال کہاں ہوا ہے
نِحْلَةً	واجب الادا امور یا ضروری باتیں	وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ (سورۃ النساء - آیت ۴)
حَرَجٌ	تنگی!	مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ الخ (سورۃ المائدہ - آیت ۶)
تُفَنِّدُونَ	ہنسی اڑانے والے، استہزا کرنیوالے	قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تُفَنِّدُونِ ۝ (سورۃ یوسف - آیت ۹۴)
تُحْبَرُونَ	آرام پاتے ہیں۔	ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ۝ (سورۃ الزخرف - آیت ۷۰)
خَاسِرُونَ	نقصان اٹھانیوالے ضائع کرنے والے	وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ (سورۃ بقرہ - آیت ۲۷)
صَيَاصِيهِمْ	پناہ گاہیں - گڑھیاں	وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن صَيَاصِيهِمْ، (سورۃ الاحزاب آیت ۲۶)
رَجِيمٌ	پھٹکارا ہوا، لعنت کیا ہوا،	قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ (سورۃ الحجر - آیت ۳۴)

قبیلہ ازد شنوہ

قبیلہ ازد شنو کا تعارف، مکہ معظمہ کے مغربی علاقے میں یہ قبیلہ آباد تھا، بدوی قبائل میں یہ ایک خاصہ طاقتور قبیلہ تھا۔ تحریک اسلام واشاعت دین کی ابتدائی سالوں میں یہ قبیلہ اسلام لے آیا تھا۔ اس قبیلہ کے سب سے پہلے فرد جنھوں نے اسلام قبول کیا مشہور صحابی حضرت ضماد بن ثعلبہؓ ہیں جن کے قبول اسلام کا مشہور واقعہ سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مکہ سے واپس آکر اپنے قبیلہ میں اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی اور کامیاب ہوئے۔ سنہ تک تمام قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا۔

لغات کے الفاظ	معنی	قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال
اَلْعَضْلُ	حبس۔ روکنا	فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ الخ (سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۳۲)
اَلرَّسِّ	کنواں۔ چاہ	كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ۙ (سورۃ ق۔ آیت ۱۲)
غِسْلِيْنٍ	گرم ابلتا ہوا پانی	فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۙ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۙ (سورۃ الحاقہ۔ آیت ۳۶)
اَلْكَاظِمِيْنَ	رنج وغم میں گرفتار لوگ!	وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِيْنَ ۚ سورۃ المومن، آیت ۱۸
لَوَّاحَةٌ	بہت زیادہ جلا دینے والی چیز	وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۙ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۚ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚ سورۃ المدثر۔ آیت ۲۹
رَفَث	جماع۔ مباشرت	اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ (سورۃ البقرہ۔ آیت ۱۸۷)

اَلْوَصِیْدُ گھر کے سامنے کی زمین، دہلیز، وَکَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ط (سورۃ الکہف، آیت ۱۸)

مُقِيْت صاحبِ قدرت، جوابی کرنے والا، وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا۔ سورۃ النسآء۔ آیت ۸۵

حُقُبًا ایک زمانے تک، مدّتِ دراز لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ٥

(سورۃ الکہف۔ آیت ۶۰)

قبیلہ خثعم :

قبیلہ خثعم کا تعارف :۔ یہ قبیلہ بجیلہ کا پڑوسی قبیلہ تھا، دونوں کا باہمی خونی رشتہ تھا، مکہ کے جنوب میں آباد بدوی قبائل میں اس کی بہت اہمیت تھی، فتح مکہ کے بعد اس قبیلہ میں اسلام کی باقاعدہ تبلیغ ہوئی، سنہ تک اس قبیلہ کی بڑی تعداد دولت اسلام سے مشرف ہوچکی تھی۔ اس قبیلہ کا ایک وفد بھی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا :

لغات کے الفاظ	معنی	قرآن مجید میں یہ لفظ کہاں استعمال ہوا ہے
مَرِيْجٍ	پراگندہ و منتشر	بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ٥ (سورۃ ق۔ آیت ۵)
صَغَتْ	جھکی ہوئی شے، مائل،	اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ج (سورۂ تحریم۔ آیت ۴)
شَطَطًا	دروغ۔ کذب بیانی	لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ٥ (سورۃ الکہف۔ آیت ۱۴)
مَلُوْم	گھبرایا ہوا، الزام خوردہ	وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً

اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۲۹)

لغت کے الفاظ	معنی	قرآن حکیم میں جہاں اس لفظ کا استعمال ہوا
تُسِیۡمُوۡنَ	تم اپنے جانور چراتے ہو،	هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ وَّمِنۡهُ شَجَرٌ فِیۡهِ تُسِیۡمُوۡنَ ۝ (سورۃ النحل آیت ۱۰)

قبیلۂ غسّان

قبیلۂ غسّان کا تعارف:۔ یہ شمالی عرب کا بہت ہی اہم اور طاقتور قبیلہ تھا۔ جتنا یہ طاقتور تھا اتنا ہی اسلام کا دشمن تھا، متعدد مواقع پر اس نے اپنی اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا، آل غسّان کے ایک حکمران جبلہ بن اَیہم نے اسلام قبول کرلیا تھا، بنوغسّان کا ایک بطن بنو ثعلبہ بھی شروع ہی میں دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا تھا، غزوۂ حنین میں بنوغسّان کے کچھ جوانمرد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک تھے بنوغسّان مدینہ منورہ سے بہت دور شامی سرحدوں کے قریب آباد تھے۔ اس قبیلہ کی حکومت شامی سرحدوں کے قریب تھی اور ان کے حکمران تاریخ میں ملوک غسّان کہلاتے ہیں

لغت کے الفاظ	معنی	قرآن حکیم میں جہاں اس لفظ کا استعمال ہوا
طَفِقَا	ان دونوں نے ارادہ کیا،	فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوۡرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ ؕ (سورۃ الاعراف۔ آیت ۲۲)
بَئِیۡسٍ	شدید۔ سخت،	وَاَخَذۡنَا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا بِعَذَابٍ بَئِیۡسٍ بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ۝ (سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۶۵)
سِیۡٓءَ بِهِمۡ	ان کو برا سمجھا، ناپسند کیا،	وَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا

سِیْٓءَ بِھِمْ وَضَاقَ بِھِمْ ذَرْعًا
وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ
(سورۃ العنکبوت، آیت ۳۳)

بَنوحَنیفہ

بنوحنیفہ کا تعارف:۔ بنوحنیفہ ان پراگندہ اور منتشرہ قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے جو جزیرہ نمائے عرب کے مشرقی خطے میں خلیج فارس سے عراقی حدود تک پھیلے ہوئے تھے، ان کا نسبی تعلق جنوبی عرب کے قبائل سے بھی تھا، ان میں چند قبائل زیادہ مشہور تھے یعنی ربیعہ، عبدالقیس۔ بنوحنیفہ۔ بنو مرّہ اور بنو ثعلبہ، بنوحنیفہ کا قبیلہ فوجی اعتبار سے بہت اہم تھا یہ یمامہ کے زرخیز خطہّ میں آباد تھا، ان کی بعض شاخیں عراق کی سمت میں بھی آباد تھیں، صلح حدیبیہ کے بعد اس قبیلہ میں اسلام پہنچا، اس قبیلے کے نامور سردار حضرت یمامہ بن آثال حنیفی (حنیفی) ہیں آپ ہی نے کافرانِ مکہّ کے لئے گندم کی فراہمی بند کردی تھی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی سفارش فرمائی تب کہیں مکہ والوں کو یہاں سے گیہوں بھیجا گیا۔

لغت کے الفاظ	معنی	قرآن کریم میں یہ لفظ جہاں استعمال ہوا ہے
اَلْعُقُوْد	عہدو پیمان۔ معاہدے	یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (سورۃ المائدہ۔ آیت ۱)
اَلْجَنَاح	بازو	وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ الخ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۴)
اَلرَّھَب	ڈر۔ خوف	اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ (سورۃ القصص۔ آیت ۳۲)

بَنوسَبا

<u>بنو سبا کا تعارف</u>:۔ مورخین اسلام کی اکثریت نے اس قبیلہ کا ذکر نہیں کیا ہے دراصل یہ یمن کی مملکت میں سدِّ مآرب کے قرب و جوار میں ایک بطن کی حیثیت سے مقیم تھا سبائی زبان کے اثرات اس قبیلہ کی زبان پر مدّت دراز تک باقی رہے، قرآن حکیم میں بنو سبا کی لغت کے چند الفاظ آئے ہیں مثلاً:۔

لغت کے الفاظ	معنی	قرآن کریم میں یہ لفظ جہاں استعمال ہوا ہے
تَمِیْلُوْا مَیْلاً عَظِیْمًا	تم نے ایک فاش غلطی کی کھلی ہوئی غلطی!	وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّھَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلاً عَظِیْمًا o سورۃ النساء۔ آیت ۲۷
تَبَّرْنَا	ہم نے ہلاک کر دیا۔	وَکُلاًّ ضَرَبْنَا لَہُ الْاَمْثَالَ وَکُلاًّ تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا o (سورۃ الفرقان، آیت ۳۹)

بنو لخم

<u>بنو لخم کا تعارف</u>: یہ قبیلہ شامی سرحدوں کے قریب آباد تھا، اس کے کچھ بطون دوسرے علاقوں میں بھی آباد تھے، قبیلہ قضاعہ سے ان کے دوستانہ تعلقات قائم تھے اور قریش مکّہ سے بھی ان کے حلیفانہ تعلقات قریش کی تجارتی راہ پر آباد ہونے کے باعث قائم تھے۔ حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ، سب سے پہلے اس قبیلہ میں اسلام کی دولت سے سربلند ہوئے، غزوہ تبوک کے بعد اس قبیلہ میں اسلام تیزی کے ساتھ پھیلا۔ چونکہ یہ قبیلہ مدینہ منورہ سے دور دراز کے علاقے میں آباد تھا اس لئے اسلام یہاں دیر سے پہنچا۔

لغت کے الفاظ	معنی	قرآن حکیم میں یہ لفظ جہاں استعمال ہوا ہے
اِمْلَاق	غذا کی نایابی، بھوک،	وَلَا تَقْتُلُوْآ اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَ اِیَّاھُمْ ج (سورۃ الانعام۔ آیت ۱۵۲)

بَنو سَعد

بنو سعد کا تعارف:۔ یہ وہی عظیم اور خوش قسمت قبیلہ ہے جس میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے شیر خوارگی کا زمانہ گزارا اور جناب حلیمہ سعدیہ کی آغوش میں پرورش ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر جب کہ اصحاب کرام نے آپؐ کی فصاحت زبان و بیان پر حیرانی کا اظہار کیا تو فرمایا کہ "میری پرورش بنو سعد میں ہوئی ہے" جن کی فصاحت مسلمہ ہے اور ایک تاریخی حقیقت ہے یہ قبیلہ مکہ مکرمہ کے بہت ہی قریب آباد تھا۔ اس لئے قریش کی زبان میں اور اس قبیلے کی زبان میں قریب قریب یکسانیت تھی یہی وجہ ہے کہ جو الفاظ قریش کی زبان میں مستعمل تھے وہی ان کی زبان میں استعمال ہوتے تھے صرف چند ہی مخصوص الفاظ اس قبیلہ کی روزمرہ میں شامل و داخل تھے۔

لغت کے الفاظ	معنی	قرآن حکیم میں یہ لفظ جہاں استعمال ہوا ہے
عَشِیْرَہ	نواسے۔ اولادِ دختر	قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ (سورۃ التوبہ آیت ۲۴)
کَلّ	کفالت کا بوجھ،	وَّ هُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوْلٰهُ (سورۃ النحل آیت ۷۶)

بنو کِنْدَہ

بنو کندہ کا تعارف:۔ یہ قبیلہ عرب کے جنوب میں آباد تھا اَزد کی طرح اس کی شاخیں بھی جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں میں آباد تھیں اس قبیلے کے متعدد بطون تھے۔ قبیلہ کندہ میں اشاعت اسلام کا ہمہ گیر آغاز فتح مکہ کے بعد ہوا، اگرچہ اس سے قبل اعزازی طور پر کچھ حضرات اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اس قبیلہ کے باوقار اور عظیم ترین سردار حضرت اشعث بن قیس کندی تھے جن کو اسلامی حکومت میں سربراہی کا شرف حاصل رہا۔

کندہ کی لغت کے الفاظ

فِجَاجًا	راستے۔ راہیں	وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا

لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝

(سورۃ الانبیاء- آیت ۳۱)

بُسَّتِ پھٹ کر پارہ پارہ ہو جانا — اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ (سورۃ الواقعہ- آیت ۴-۵)

لَا تَبْتَئِسْ غم نہ کر۔ رنج مت کر — وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

سورۃ ہود- آیت ۳۶

بَنُو طے

<u>بنو طے کا تعارف</u>:- نجد و حجاز اور یمامہ کے مرکزی خطوں میں جو قبائل آباد تھے۔ ان میں سے ایک مشہور قبیلہ بنو طے بھی تھا، تاریخ عرب کا مشہور فیاض حاتم طائی اس قبیلہ کا سردار تھا۔ حاتم طائی کے فرزند عدی جب اسلام سے مشرف ہوئے تو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ طے کا سردار مقرر فرمایا، ان کے اسلام لانے کا واقعہ سیرت کی کتب میں تفصیل سے مذکور ہے، ان کے اسلام لانے کے بعد تمام قبیلہ دولت اسلام سے سربلند ہوا۔

لغت کے الفاظ	معنی	قرآن حکیم میں جہاں اس لفظ کا استعمال ہوا
يَنْعِقُ	شور کرتا ہے،	وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً (سورۃ البقرۃ- آیت ۱۷۱)
رَغَدًا	بکثرت۔ سیر حاصل	يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

(سورۃ النحل۔ آیت ۱۱۲)

سَفِهَ نَفْسَهٗ	اس نے اپنے نفس کو خسارہ میں ڈال دیا۔ حماقت کی۔	وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ

(سورۃ البقرۃ۔ آیت ۱۳۰)

شعرائے عصر جاہلیّت کے کلام میں قرآنی الفاظ کی جستجو

مختلف قبائل کے خصوصی الفاظ کے سلسلہ میں صرف چند قبائل کے ایسے الفاظ کو میں نے پیش کیا ہے جو قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔ میں صرف اتنے ہی الفاظ پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ متعدد قبائل کے الفاظ اب بھی باقی ہیں، الاتقان فی علوم القرآن میں ایسے الفاظ علامہ سیوطیؒ نے پیش کردیئے ہیں لیکن انھوں نے محل استعمال کو نظر انداز کردیا ہے۔

متعدد قبائل عرب شمالی، جنوبی، مشرقی اور وسطی منطقوں میں آباد تھے ان لغات کو اپنی روزمرّہ میں استعمال کرتے تھے، ان میں سے ہر ایک لفظ عربی زبان کا ہے اور قریش اور تمام جزیرہ نمائے عرب کی زبان سے اس کا تعلق ہے، ممکن ہے خاص قریشی زبان میں یہ الفاظ نہ بولے جاتے ہوں، چونکہ قرآن پاک کے مخاطب بالخصوص تمام عرب تھے جن کا مذہب ثنویت پرستی، تثلیث پرستی اور ستارہ پرستی تھا۔ صابی مذہب کے پیرو بھی ان میں تھے اور بت پرست بھی! قرآنِ پاک نے ان تمام قبائل سے خطاب فرمایا ہے اور دعوت الٰہی پر بیشمار دلائل و براہین پیش کئے ہیں۔ کفر و شرک کی مذمت، اس کے خطرناک انجام سے ڈرایا ہے۔ وحدانیت کا سبق دیا ہے اور آیاتِ الٰہی کو خالق کائنات کی خالقیت اور ربوبیت

کی دلیل ٹھہرایا ہے، چونکہ قرآنِ پاک کا خطاب تمام قبائل سے تھا اس لئے ان کی زبان کے مخصوص الفاظ کو بھی استعمال فرمایا، اس سلسلہ میں کسی قسم کے عجز کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کونین کے خالق، مخلوق کے آقا اور فکرِ انسانی کے مالک کو چند الفاظ کے استعمال کی کیا احتیاج ہو سکتی تھی بلکہ یہ قرآن حکیم کا اعجاز اور سرورِ کونین کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ وحی الٰہی نے آپ کی زبان سے وہ الفاظ ادا کرائے جن کے حصول کے لئے آپؐ نے نہ کبھی سفر کیا اور نہ کسی سے ان الفاظ کو حاصل کیا!

معاذ اللہ! اگر قرآن حکیم بعض کافروں کے بقول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تھا تو ان قبائل مختلفہ کے الفاظ جو دور دراز علاقوں میں آباد تھے کس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان (وحی ترجمان) سے ادا فرما دیئے۔ لاریب یہ کلام اللہ کا کلام تھا اور ہے جس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے بیشمار نشانیاں موجود ہیں اور منجملہ دیگر نشانیوں کے ایک نشانی ان الفاظ کا ذخیرہ بھی ہے کہ عربی زبان بولنے والا ایک فرد بھی تمام عرب میں ایسا نہ تھا جو ان تمام الفاظ کے استعمال پر قادر ہوتا حالانکہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اور اس کے بعد میں بڑے بڑے زباں داں عرب میں موجود تھے لیکن ان میں سے کوئی یہ دعویٰ نہ کرسکا کہ وہ جزیرہ نمائے عرب میں بولے جانے والے لغات کا حامل اور جاننے والا ہے۔

قرآن حکیم کا اسلوب اور یہ انداز بیان ہی اپنے ابلاغ میں اس وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتا ہے جو اس کی جامعیت اور مُنزَل من اللہ ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔ قرآن حکیم میں عرب جاہلیت کے روزمرّہ میں استعمال ہونے والے ایسے ہزاروں فصیح و بلیغ الفاظ موجود ہیں جن کو شعرائے عصر جاہلیت نے اپنے کلام میں استعمال کیا ہے، عرب شعرائے جاہلیت کے کلام سے (ان کی فصاحت و بلاغت اور کمالِ زباندانی کے باعث) اس قدر متاثر تھے اور ان کی زبان کو فصاحت کے ایسے بلند مرتبے پر فائز سمجھتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کے بعد جب اس بیان کا دروازہ بند ہوگیا جس کے بارے میں قرآن حکیم ناطق ہے:۔

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ۝ (سورۃ النحل۔ آیت ۴۴)

اور ہم نے تمھاری طرف یہ ذکر (قرآن) اتارا کہ تم لوگوں سے بیان کردو جو ان

کی طرف آیا ہے (نازل ہوا ہے) تاکہ وہ غور و فکر کریں؛

چنانچہ اس عصر کے راس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک روز حرم محترم کے دروازے پر بیٹھے تھے اور بہت سے افراد تفسیر قرآن کے سلسلے میں آپ سے استفادہ کر رہے تھے کہ حضرت نافع بن الازرق اور حضرت نجدہ بن عویمرؓ آپ کے پاس پہنچے اور آپ سے جو کچھ گفتگو ہوئی اس کو حضرت علامہ جلال الدین سیوطی صاحب الاتقان کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے :۔

فقال نافع بن الازرق لنجدة بن عويمر قم بنا الى هذا الذى يجترى على تفسير القرآن بما لا علم له به فقاما اليه، فقالا انا نريد ان سالك عن اشياء من كتاب الله فتفسرلنا وتاتينا بمصادقه من كلام العرب، فان الله تعالىٰ انزل القرآن بلسان عربى مبين ٥

ملاحظہ کیجئے ان دونوں نے یہ مطالبہ کیا کہ جو کچھ ہم دریافت کریں، اس کے مصداق کلام عرب (اشعار عرب) سے پیش کیجئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو زبانِ عربی مبینؔ میں نازل فرمایا ہے؛

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا "سلانی عما بدا لكما"، یعنی مجھ سے سوال کرو میں تم کو اس کا جواب دوں گا؛ یہ سن کر نافع بن الازرق نے آپ سے کہا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ٥ "عزین" کے کیا معنی ہیں اور کیا شعرائے عرب نے اس لفظ کا استعمال کیا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ العزون کے معنی ہیں "حلق الرفاق" ارد گرد جمع ہو جانا، اور عرب اس کو جانتے تھے، میں نے لبید بن الابرص کا یہ شعر سنا ہے۔

فجاؤا يهرعون اليه حتى   يكونوا حول منبره عزينا

یعنی وہ اس کی طرف اس غرض سے دوڑتے ہوئے آئے کہ اس کے منبر کے ارد گرد جمع ہو جائیں؛

نافع بن الازرق نے کہا کہ "قرآن حکیم میں شرعاً وّ منهاجا" آیا ہے اس کے معنی سے آگاہ کیجئے اور کیا شعرائے عرب نے اس کو استعمال کیا ہے! آپ نے جواب میں کہا کہ شرعاً کے معنی دین کے ہیں اور منہاج راستے کو کہتے ہیں، سنو! ایک شاعر یعنی ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب نے کہا ہے :-

لقد نطق المامون بالصدق والهدیٰ ۔۔ وبیّن الاسلام دیناً ومنهاجا

یعنی: بیشک مامون نے صدق اور راستی کے ساتھ بات کہی اور اس نے اسلام کا ایک حکم اور ایک راستہ (طریقہ) واضح کیا؛

سائل نے یہ سن کر پھر سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے "ریشاً" فرمایا ہے اس کے معنی بتائیے اور اس کی سند شاعر کے کلام سے پیش کیجئے!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ "ریشا" کے معنی 'مال' کے ہیں، شاعر کہتا ہے

فرشنی بخیر طال ما قد بریتنی ۔۔ وخیر الموالی من یریش ولا یبری

یعنی: مجھے کچھ مال دے کر مجھ سے بھلائی کر کہ اچھا دوست وہی ہوتا ہے جو نفع پہنچائے اور نقصان نہ پہنچائے؛

نافع بن الازرق نے کہا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ (سورۃ البلد۔ آیت ۴) اس آیت میں کبدٍ کے کیا معنی ہیں، انھوں نے جواب دیا کبد کے معنی ہیں استقامت واعتدال؛ نافع نے کہا کیا عرب اس لفظ سے واقف تھے، ابن عباسؓ نے کہا ہاں سنو! لبید بن ربیعہ کہتا ہے ؎

یا عین هلا! بکیت ارید اذ ۔۔ قمنا و قام الخصوم فی کبد

اے آنکھ کیا تو اس وقت پھوٹ پھوٹ کر نہ روئی جب کہ ہم اور ہمارے حریف، استقامت اور اعتدال کے ساتھ کھڑے ہوئے؛

تب نافع نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ (سورۃ طٰہٰ۔ آیت ۱۱۹) یہاں 'لا تضحیٰ' کے کیا معنی ہیں اور کس نے اس کو استعمال کیا ہے؟

ابن عباسؓ نے کہا اس کے معنی ہیں کہ سورج کی حرارت اور گرمی سے ان کو پسینہ نہیں آئے گا

سنو! ایک شاعر کہتا ہے :

رَأَیْتَ رَجُلاً اَمَّا اِذَا الشَّمْسُ عَارَضَتْ فَیَضْحیٰ وَاَمَّا بِالْعَشِیِّ فَیَخْصَرُ

اس نے ایک شخص کو دیکھا کہ جب اس پر دھوپ پڑتی تو پسینہ میں شرابور ہو جاتا تھا اور جب شام ہوتی تو سردی سے ٹھٹھر جاتا۔

یہ سن کر نافع نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَثْبُوْرًا اس لفظ کے کیا معنی ہیں، اور کیا کسی شاعر نے اس لفظ کا استعمال کیا ہے ؟

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "مثبوراً" کے معنی ہیں، ملعون، خیر سے روکا ہوا۔ عبداللہ بن الزبعری کہتا ہے

اِذَا اَتَانِی الشَّیْطَانُ فِی سِنَةِ النَّوْمِ وَمَنْ مَالَ مَیْلَهٗ مَثْبُوْرًا

جب اونگھ کے وقت شیطان میرے پاس آیا، اور جو اس کی طرف جھکتا ہے وہ ملعون اور خیر سے دور ہو جاتا ہے۔

نافع نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے شُوَاظٌ (سورۃ الرحمٰن۔ آیت ۳۵) فرمایا ہے، اس کے کیا معنی ہیں اور کیا کسی شاعر نے اس کو استعمال کیا ہے ؟

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے اس کے معنی ہیں آگ کا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو، سنو! اُمیّہ بن ابی الصلت کہتا ہے

یَظَلُّ یَشُبُّ کِیْرًا بَعْدَ کِیْرًا وَیَنْفُخُ دَائِبًا لَهَبَ الشُّوَاظِ

بھٹیوں پر بھٹیاں سلگاتا رہتا ہے اور خوب ہی پھونک کر آگ کے شعلے اور لپٹیں بلند کرتا ہے۔

اب نافع نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ (سورۃ مریم آیت ۲۳) اس میں اَجَآءَ کے کیا معنی ہیں اور کسی شاعر نے اس کو استعمال کیا ہے ؟

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اَجَآءَ کے معنی ہیں، کہ پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ مجبوری پناہ لی۔

سنو حسّان بن ثابت کا شعر ہے

اِذْ شَدَّدْنَا شَدَّۃً صَادِقَۃً   فَاَجَأْنَاکُم اِلٰی سَفْحِ الْجَبَل

جب ہم نے بھرپور دباؤ ڈالا تو تم کو مجبور کر دیا کہ تم پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لو۔

نافع نے کہا کہ جناب بتائیے کہ لَہٗ خُوَارٌ کے کیا معنی ہیں اور کسی شاعر نے اس کو استعمال کیا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ "خوار" کے معنی چیخ کے ہیں، شاعر کہتا ہے ؎

کَاَنَّ بَنِیْ مَعَاوِیَۃَ بْنَ بَکْرٍ   اِلَی الْاِسْلَامِ صَائِحَۃً تَخُوْرُ

گویا کہ معاویہ بن بکر کے فرزند اُن کو اسلام کی طرف چیخ چیخ کر بلاتے ہیں۔

اب نافع نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (سورۃ المومنون، آیت ۱) افلح کے کیا معنی ہیں؟ اور کس شاعر نے اس کو استعمال کیا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں کامیاب اور خوش بخت۔ لبید بن ربیعہ کہتا ہے ؎

فَاعْقِلِیْ اِنْ کُنْتَ لَمَّا تَعْقِلِیْ   وَلَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ کَانَ عَقَلَ

اگر تو نے اب تک عقل سے کام نہیں لیا تو اب اس سے کام لے کہ وہ جس نے عقل سے کام لیا کامیاب ہوا۔

میں صرف ان ہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں، ورنہ قبائل کے مخصوص الفاظ کے ضمن میں جس قدر الفاظ پیش کئے گئے ہیں۔ ان تمام الفاظ کو شعرائے خصوصاً شعرائے جاہلیت نے استعمال کیا ہے۔

عربی خط کے مصادر و منابع

سابقہ اوراق میں آپ کے سامنے عربی زبان، اس کی ساخت اور اس کے منابع اور ماخذ کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جا چکا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کی زبان "عربی مبین" ہے جس میں عرب کے متعدد قبائل کے الفاظ بھی شامل ہیں؛

جس طرح قرآن حکیم تمام قبائل عرب کے مخصوص لغات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے اور ان پر محیط ہے، اسی طرح حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اگرچہ قریش کی زبان تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام قبائل عرب کے لغات اور ان کے روز مرہ پر بھی دسترس کامل عطا فرما دی تھی تاکہ ابلاغ کے اس پہلو میں کمی واقع نہ ہے چنانچہ آپ ہر قبیلہ کی زبان اور اس کے روز مرہ میں بڑی اچھی طرح بے تکلفی سے گفتگو فرمایا کرتے تھے؛

زبان عربی کے مصادر و منابع کو پیش کرنے کے بعد یہ ضروری تھا کہ زبان اور بیان کے اس اہم ذریعہ کو بھی معرض بحث میں لایا جائے جس کو "تحریر" کہا جاتا ہے آپ بخوبی واقف ہیں کہ ابلاغ و اظہار کے دو اہم واسطے ہیں، ایک "تقریر" اور دوسرا "تحریر" جن کے ذریعہ ہم اپنے مفہوم اور مقصود کا اظہار کرتے ہیں لیکن زبان و بیان کے لئے محدود مواقع اور محل ہیں، زبان ہر موقع اور محل پر ابلاغ کا ذریعہ نہیں بن سکتی پس ابلاغ کا دوسرا ذریعہ تحریر ہے!

میں یہاں فن تحریر کی تاریخ پیش نہیں کروں گا بلکہ عربی زبان کے مصادر اور منابع کی طرح "عربی خط" یا "عربی تحریر" اور اس کے تدریجی ارتقا کو پیش کروں گا تاکہ عربی زبان کی بحث تشنہ نہ رہے؛

++++++++

خطِ عربی کس خط سے اخذ کیا گیا ہے

سرزمین حجاز میں خط کا آغاز، اور اس کا مختلف ممالک میں انتشار

خطِ عربی کے سلسلہ میں دو گروہ ہیں، پہلا گروہ یہ کہتا ہے کہ خطِ عربی اصل میں خطِ مصری ہے جس کو دیموطیق (DEMETic) کہتے ہیں مصریوں کے پاس تین خط تھے ایک خط ہیروغلیف تھا یہ ایک خاص خط تھا جس کو علمائے مذہب و پیشوائے دین استعمال کرتے تھے دوسرا خط ہیروطیق تھا، یہ خط عاملوں اور سرکاری دفتروں میں استعمال ہوتا تھا، تیسرا خط دیموطیق تھا جو ایک عوامی خط تھا۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ عربی خط، خطِ فنیقی کے سلسلہ کا ایک خط ہے (فنیقی وہی قوم ہے جو بحرابیض کے ساحل پر جس کو آجکل ہم جبل لبنان کہتے ہیں، ارض کنعان میں آباد تھی) حضرت نوح علیہ السلام کا تعلق اسی قوم سے تھا اور یہ فنیقی امم سامیہ سے نسبت رکھتے تھے یعنی سامی النسل ہیں اکثر فنیقی لوگ مصر کا اپنی ضروریات کے تحت سفر کیا کرتے تھے اور ان سے اختلاط کے مواقع ان کو ملتے تھے اور باہمی میل جول قائم ہوگیا تھا۔ ان فنیقیوں نے انہی مصریوں سے حروف کتابت سیکھے اس کے بعد خود انھوں نے اپنی فکر سے حروف مصریہ پر غور و فکر کے بعد مفرد حروف ایجاد کئے۔ انھوں نے مصریوں سے پندرہ حروف سیکھے تھے جیسا کہ "ماسپرو" نے اپنی کتاب "تاریخ مشرق" میں وضاحت کی ہے۔ باقی حروف کا خود انھوں نے اضافہ کیا، یہی حروف اپنی خصوصیت "سہولت تحریر" کے باعث تمام ایشیا اور یورپ میں قبول کرلئے گئے۔

ایک تیسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ خطِ عربی کا سلسلہ آرامی[1] یا خطِ مُسند سے ملتا ہے ان کا

---

[1] منسوب بہ "آرام"، یعنی امم سامیہ قدیمہ جن کا مسکن بلادِ عرب میں فلسطین اور شام تھے جو آرام بن سام سے منسوب ہیں، عرب آرام کو "ارم" کہتے ہیں، قرآن حکیم میں ان اقوام کا ذکر موجود ہے: "وَ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ" یہی "امم سامیہ" ہیں جو عرب کے اسلاف ہیں۔

خیال مغربی اور یوروپی محققین کی تحقیق کے خلاف ہے۔ خط عربی کے سلسلے میں یہاں یوروپی اوُ عربی محققین کی آرائے مختلفہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ یوروپی مورخین کی آراء کا ملخص یہ ہے خط فنیقی سے یہ چار خط پیدا ہوئے۔

اوّل:۔ قدیم یونانی خط جو تمام یوروپی خطوط کی اصل ہے اور خَط قبطی،

دوم:۔ خط عبری یا عبرانی خط قدیم، خط سامری اسی خط سے ماخوذ ہے جو سامرہ نابلس سے منسوب ہے؛

سوم:۔ خط مُسند الحمیَری، اس خط سے خطِ حبشی ماخوذ ہے؛

چہارم:۔ خط آرامی یا خط اِرمی، یہ خط ان چھ خطوں کی اصل ہے؛

۱۔ خط ہندی اپنی تمام انواع کے ساتھ جیسے سنسکرت، ناگری۔ پراکرت۔ ہندی؛

۲۔ خط فارسی قدیم یعنی خط پہلوی؛

۳۔ خط العبری المربع (اس خط کے تمام حروف مربع شکل میں تحریر کئے جاتے تھے)

۴۔ خط تدمیری جو قوم تدمیر سے منسوب ہے جس کو تدمّر بھی کہا جاتا ہے۔

۵۔ خط سریانی۔

۶۔ خطِ نبطی[1]

یہاں یہ تصریح ضروری ہے کہ خط مُسنَد چار اقسام کا ہے؛

الف:۔ خط الصفوی جو جبل صفا سے منسوب ہے، الصفا حوران کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے؛

ب، خط ثمودی، یہ خط مداین صالح کے باشندوں یعنی آل ثمود سے منسوب ہے، قرآن حکیم میں "آل ثمود کا ذکر آپ ملاحظہ کرچکے ہیں؛

ج، خط لحیانی، یہ خط بنی لحیان سے منسوب ہے جو جزیرۃ العرب کے شمال میں آباد تھے

د، خط الحمیری، یہ خط جزیرہ العرب کے جنوب میں رہنے والی قوم حمیَر سے منسوب ہے جن

---

[1] مملکت انباط، یہ قوم شام سے نکل کر مدینہ کے شمال و جنوب کی وادی القریٰ میں آباد ہوگئی تھی۔ اور جنوب میں بادیہ شام میں خلیج سویس میں شرقاً و غرباً آباد تھے؛

کا مختصر ذکر آپ سابقہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں؛

انگریز مورخین و مستشرقین کہتے ہیں کہ خط عربی دو طرح کا ہے، ایک کوفی دوسرا نسخی؛ خط کوفی، خط سریانی کی ایک قسم ہے جس کو اسطرنجیلی بھی کہتے ہیں؛

خط نسخ (موجودہ عربی رسم الخط) یہ خط، خط نبطی سے ماخوذ ہے، ان محققین کی رائے کے اعتبار سے خط عربی کے سلسلہ میں خط المسند کو کوئی جگہ نہیں ملی ہے؛

مذکورہ بالا تصریحات، محققین یورپ یعنی مستشرقین کی آرا کا ملخص ہیں! اب آئیے دیکھیں کہ اس سلسلہ میں مورخین عرب کیا کہتے ہیں!

مورخین عرب قبل اسلام و بعد اسلام کی آرا کا ملخص یہ ہے کہ ان کا خط یعنی خط حجازی اہل حیرہ[1] اور قبیلہ انبار[2] کے خط سے ماخوذ ہے۔ اہل حیرہ اور اہل انبار تک یہ خط عرب کندہ[3] اور اہل نبط کے ذریعہ سے پہنچا تھا جس کو وہ خط مسند سے تعبیر کرتے تھے۔

مورخین عرب (بعد الاسلام) کا اس پر اتفاق ہے کہ خط حجازی مکہ میں حرب بن اُمیہ بن عبد شمس کے ذریعہ سے پہنچا، حرب بن امیہ کا مکہ سے باہر جانا ہوتا تھا چنانچہ بار بار کی اس آمد و رفت کے مواقع پر اس نے بہت سے لوگوں کو یہ خط سکھایا ان لوگوں میں سے چند اشخاص یہ ہیں۔ بشر بن عبد الملک جو صاحب دومۃ الجندل کا بھائی تھا بشر بن عبد الملک، حرب بن اُمیہ کی معیت میں مکہ میں آیا تھا اور اس کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی تھی؛ بشر بن الملک سے مکہ کے بہت سے لوگوں نے لکھنا سیکھا؛ بنی کندہ کے ایک شاعر نے قریش پر اس سلسلہ میں طنز بھی کیا ہے اور فن تحریر اور خط حیری سکھانے پر فخر کیا ہے۔ کہتا ہے:۔

وَلا تجحَدوا النعماء بشرٍ علیکمو ... فقد کان میمون النقیبۃ ازھرا
اَتاکم بخَطِّ الجزم حتّیٰ حفظتموا ... مِن المال مَا قد کان شئ مبعثرا

---

[1] الحِیرۃ۔ بالکسر و سکون یا دالراء مفتوحہ:۔ کوفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک پررونق شہر تھا جو امتداد زمانہ سے مٹ گیا اور اب اس کی جگہ نجف آباد ہے۔ خط حیری بعینہٖ خط کوفی کے مثل ہے۔

[2] انبار:۔ فرات کے کنارے غربی بغداد سے ۳۰ میل کے فاصلے پر ایک قدیم شہر ہے

[3] کندہ بالکسر:۔ قبیلہ کہلان کا ایک بطن ہے جو جنوبی جزیرۃ العرب میں آباد تھا۔

واغتنیمو عن مُسند القوم حمیر وما زبرت فی الکتب قیال حمیرا

اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے:

وفی روایۃ عن عبد الرحمٰن بن زیاد بن الغم عن ابیہ، قلت لا بن عباسؓ مَن این اخذتم مَعاشر قریش ھٰذا الکتاب العربی قبل اَن یبعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجمعون فیہ ما اجتمع وتفرقون منہ ما افترق؟ قال اخذ ناہُ عن حرب بن اُمیۃ، قال فمن اخذ حرب؟ قال عَن عَبدُ اللہ بن جدعان، قال فمن اخذہ ابن جدعان قال من اھل الانبار، قال فمن اخذہ اھل الانبار؟ قال من اھل الحیرۃ، قال فمن اخذہ اھل الحیرۃ؟ قال من طارئ طرأ علیھم من الیمن من کندہ، قال فمن اخذہ ذٰلک الطاری؟ قال من خلفجان کاتب الوحی الھود علیہ السلام۔

عبدالرحمٰن بن زیاد بن اَنعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ’اے معاشر قریش تم نے یہ عربی خط رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کس سے سیکھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اسے حرب بن اُمیۃ سے سیکھا؛ انھوں نے کہا کہ حرب بن اُمیۃ نے کس سے سیکھا؟ انھوں نے کہا کہ حرب بن امیۃ نے عبداللہ بن جدعان سے سیکھا۔ تب انھوں نے کہا کہ عبداللہ بن جدعان نے کس سے حاصل کیا؟ تو انھوں نے بتایا کہ عبداللہ بن جدعان نے اہلِ انبار سے سیکھا، انھوں نے دریافت کیا کہ اہل انبار نے کس سے حاصل کیا؟ تو انھوں نے کہا کہ اہل حیرہ سے؛ تب انھوں نے کہا کہ اہل حیرہ نے کس سے اخذ کیا؟ کہا کہ ایک آنے والے سے جو بنی کندہ سے تھا اور یمن سے آیا تھا اس سے اہل حیرہ نے سیکھا؛ تب انھوں نے سوال کیا کہ اس نے کس سے سیکھا؟ تو انھوں نے کہا کہ حضرت ہود علیہ السلام کے

کاتب وحی خلفجان سے انھوں نے سیکھا۔

مشہور مورخ اسلام مسعودی اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

ان بنی المحصن بن جندل بن یعصب بن مدین، ھم الذین نشروا الکتابۃ، بنی النبط ملوک مدین وسبا وحوران و فلسطین!

یعنی بنی محصن "نے کتابت" کے طریقہ کو پھیلایا۔ یعنی نبط نے جو مدین سبا، حوران اور فلسطین کے ملوک تھے؛

"خط مسند مورخین عرب کی رائے میں خط عربی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے"؛ خط عربی کے سلسلہ میں بحث و دلائل پیش کرنے والے حضرات نے مورخین عرب کی ان آراء کو بوجوہ ذیل تسلیم کیا ہے۔

وجہ اول:۔ خط مسند چار طرح کا ہے اور یہ چاروں انواع فنیقی خط یعنی خط صفوی سے بہت قریبی مماثلت رکھتی ہیں۔ پس یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ صرف خط مسند ہی اصل ہیں وہ خط واحد ہے جو اصل فنیقی خط کے بہت قریب ہے۔ جو بیشک و شبہ آرامی خط سے ماخوذ ہے اور یہ خط یمن اور آرامیوں کے ذریعہ حیرہ اور انبار میں پہنچا، حیرہ اور انبار میں اس خط کو رواج دینے والے بنی کندہ اور اہل نبط تھے اور ان ہی اہل حیرہ اور اہل انبار کے توسط سے یہ خط حجاز میں پہنچا، آرامیوں کے توسط سے، اس سلسلے میں یہ احتمال بہت ضعیف ہے کہ خط صفوی کا خطِ فنیقی کے بہت قریب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خط مسند خط فنیقی سے ماخوذ ہے اور پھر یہ یمن میں رائج ہوا اور وہاں سے حیرہ اور انبار میں پہنچا۔ حقیقت یہ ہے کہ خط حجازی کے اصول اس خط کے آرامی الاصل ہونے کی دلیل کو قوی بناتے ہیں؛

وجہ ثانی:۔ اہل یمن کے ساتھ اہل نبط کا میل جول تھا، اہل نبط ان اہل یمن کے ساتھ مدتوں رہے جیسے ان کا اختلاط آرامیوں کے ساتھ رہا تھا پس یہ اختلاط اس بات کا مقتضی ہے کہ نبطیوں نے خط مسند ان ہی سے اخذ کیا ہے؛ یعنی اہل یمن

نے خط مُسند نبطیوں سے حاصل کیا اور نبطیوں نے اختلاط باہمی کے نتیجہ میں
آرامیوں سے حاصل کیا؛

وجہ ثالث :۔ مورخینِ عرب کا اس پر اتفاق ہے اور کسی نے اس رائے سے اختلاف نہیں کیا ہے
کہ خط یمن سے حجاز میں پہنچا، اور یمن کے توسط سے خط کا حجاز میں پہنچنا خط
مُسند کے آرامی الاصل ہونے کے منافی نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا
ہے کہ اہل یمن اور بنی آرام کے باہمی اختلاط کی صورت میں اہل یمن نے ان
آرامیوں سے یہ خط (مُسند) اخذ کیا تھا؛

وجہ رابع :۔ کتاب "حیاۃ اللغۃ العربیہ" کا مصنف کہتا ہے کہ حروف عربیہ کے وضع کرنے
والے نے حروف ا، با، الجیم، الدال والصّاد' الطا والعین' کی جو
صورتیں وضع کی ہیں اور ان حروف کے امتیاز کے لئے نقطے وضع کئے ہیں۔
وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ آرامی ہی خط عربی کی اصل ہے؛

علامہ ذہبی (حافظ شمس الدین ذہبی) نے اپنے تذکرہ "الحفاظ" میں حضرت خارجہ بن زید
بن ثابت الانصاری (رضی اللہ عنہ) کے ذکر میں ایک روایت پیش کی ہے کہ :۔

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد
گرامی پر یہودیوں سے طریقہ کتابت سیکھا، جس کو انھوں نے کمال ذہانت
کی بنا پر صرف پندرہ روز میں حاصل کر لیا"

یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ انھوں نے جو خط سیکھا وہ اصل میں خط اسطرنجیلی
تھا، اور یہ خط اسطرنجیلی خط سریانی کی نوع واحد ہے (اس کے اور اقسام نہیں ہیں) یہودیوں
کا یہی خط تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خط سریانی سیکھا اور
اسی خط سریانی سے خط کوفی نکلا ہے اور خط کوفی خط حیری سے تمام خطوط میں سب سے
زیادہ مشابہت رکھتا ہے؛ اور خط حیری بہت زیادہ مشابہ ہے خط نبطی سے اور خط نبطی
قریب الشبہ ہے خط آرامی سے اور وہ خط فنیقی سے مشابہت قریبہ رکھتا ہے اور اس کو خط
دیموطیق سے بہت قریبی مشابہت حاصل ہے جو مصری قبائل کا خط تھا، اس طرح ترتیب

مذکورہ سے خطوط کا یہ سلسلہ خط مصری تک پہنچتا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ خط حجازی خط آرامی سے ماخوذ ہے اگر ہم اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں تو یہ سلسلہ مصری خط پر جاکر ختم ہوتا ہے!

مدینہ منورہ میں فن کتابت کا پہنچنا

مدینہ منورہ میں عربی خط اس وقت رائج ہوا جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر یثرب تشریف فرما ہوئے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد یثرب مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہلانے لگا اور مدینہ عام گفتگو میں استعمال ہونے لگا اور آج تک مستعمل ہے۔ اہل سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو وہاں ایک صاحب علم یہودی تھا جو مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھاتا تھا اس وقت وہاں تقریباً اٹھارہ، انیس افراد ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے، ان حضرات میں حضرت سعید بن زرارہ، منذر بن عمرو، ابی وہب، زید بن ثابت (ان کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب انھوں نے لکھنا سیکھا تھا اور پھر دوسرے لوگوں کو سکھایا لہٰذا ان کتابت دان حضرات میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ شریک نہیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت لکھنا جانتے تھے) رافع بن مالک، اوس بن خولی وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین!

یہ سب حضرات خط حجازی کی کتابت جانتے تھے جو خط حیری سے ماخوذ تھا۔ یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہودی سے سریانی خط سیکھا ہو!

کتابت کو عام کرنے میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اختصاص رکھتی ہے۔ ہجرت کے بعد غزوۂ بدر میں جب قریش کے ستر افراد مسلمانوں نے گرفتار کئے تو ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو لکھنا جانتے تھے، فدیہ لیکر ان قیدیوں کو رہا کر دیا گیا تھا، لیکن ان قیدیوں کے لئے جو لکھنا جانتے تھے، فدیہ میں مال کے بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرار دیا کہ ان میں سے ہر ایک قیدی مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا سکھائے جس کو ان قیدیوں نے قبول کر لیا اس طرح ان قیدیوں کی تعلیم کتابت سے مدینہ کے بہت سے بچوں نے جن میں اکثریت

اوسی اور خزرجی بچوں کی بھی لکھنا سیکھ لیا اور کچھ لوگوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لکھنا سیکھا تھا اس طرح مدینہ منورہ میں لکھنا جاننے والوں کی ایک خاصی تعداد ہوگئی اور یہاں کتابت بتدریج عام ہوتی گئی؛

خط حجازی دو طرح کا تھا، ایک خط نسخ جو مکتوبات میں استعمال ہوتا تھا اور دوسرا وہ خط تھا جو بعد میں خط کوفی کہلایا؛ شہر کوفہ جس کی طرف یہ خط منسوب ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بسایا گیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا اور اس شہر کی رونق بہت بڑھ گئی اور خط نسخ کے دوائر کی ساخت میں معمولی تبدیلیاں کرلی گئیں اور یہ خط کوفہ میں بہت زیادہ رواج پذیر ہوگیا اور خط کوفی کہلانے لگا؛

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات گرامی کے سلسلے میں سلاطین اور اُمراء کو جو خطوط لکھے گئے تھے، مرور زمانہ کے باعث آج وہ موجود نہیں ہیں صرف وہ خط جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس والیٔ مصر کو تحریر کرایا تھا وہ دار الآثار نبویہ "آستانہ" ترکی میں موجود ہے جو ترکی کے سلطان عبد الحمید ثانیؒ نے مصر کے ایک پادری سے گرانقدر عطیہ کے عوض حاصل کرلیا تھا اور ارباب علم و فضل نے سلطان کے روبرو یہ شہادت دی تھی کہ یہ بعینہ وہ مکتوب ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کو ارسال فرمایا تھا؛

آئندہ صفحات میں ہیرو غلیفی۔ سریانی۔ پیکانی۔ پہلوی اور حجازی خط کے قدیم نمونے پیش کئے جارہے ہیں اور جن میں سب سے پہلے اس مکتوب مقدس کی نقل ہے جو شاہ مقوقس کو لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لکھے جانے والے قرآن مجید کے چند نسخوں کا عکس ہے (ہم نے ان عکوس کے پیش کرنے میں دور زمانی کو مدنظر رکھا ہے؛

●

حضرت عثمانؓ ذو النورین کے عہد خلافت میں قُراء، قرآن، شام و عراق، یمن، آرمینیہ اور آذربائیجان، ممالک محروسۂ اسلامیہ میں ہر طرف موجود تھے۔ ان ممالک میں قرأتِ قرآن میں اختلاف بہت پہلے سے پیدا ہوچکا تھا۔ اس اختلاف کو جو اُمت مسلمہ میں ایک عظیم نزع کا باعث بن سکتا تھا ختم کرنے کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کو قرأتِ قریش

پر جمع کرنے کا حکم دیا۔

اس سلسلہ میں ایک مستند روایت ہے :

" کہ جب حضرت حذیفہ بن الیمان نے آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتح کے بعد جب کہ آپ کے ہمراہ اہل عراق بھی تھے، ان لوگوں میں قرآت قرآنی میں اختلاف دیکھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے امیر المومنین! آپ امتِ مسلمہ کے اس اختلاف (قرآت قرآن) کو روکئے قبل اس کے کہ ان میں یہود و نصاریٰ جیسا اختلاف پیدا ہو، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ کے پاس جو مصحف موجود ہے وہ ہم کو بھیج دیجئے ہم اس کو (نقول کے بعد) آپ کو واپس کردیں گے۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حسب ارشاد قرآن پاک کا وہ نسخہ جو قدیم الایام سے آپ کے پاس تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ تب امیر المومنین نے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس نسخہ سے نقول تیار کرنے پر مامور فرمایا اور کہا کہ اے جماعت قریش! جہاں تم میں اور زیدؓ بن ثابت میں قرآت قرآن کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہو تو تم اس لفظ کو "لسانِ قریش" کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن حکیم "لسانِ قریش" میں نازل ہوا ہے۔" (بخاری)

چنانچہ اختلاف قرآت کو دور کرنے کے لئے جہاں جہاں ایسا امکان تھا اس لفظ کو "لسانِ قریش" کے مطابق لکھا گیا اور اس نسخہ سے دوسری نقول تیار کی گئیں، اب یہی مقدس نسخہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس مصحفِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ کے زیر اہتمام تیار ہونے والی

متعدد نقول ملت اسلامیہ نے حرزِ جاں بنا کر رکھی ہیں اور بعض اسلامی ممالک کے ملی عجائب خانوں میں موجود ہیں ؛

اِن قدیم خطوط کے نمونوں کی صحت کے بارے میں بس اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ میں نے اپنی تمام تر کوششوں سے کام لیا ہے اور تحقیق کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، مستشرقین نے اس سلسلے میں جو مساعی کی ہیں ان کو انسائیکلوپیڈیا میں بصورت مقالات محفوظ کر لیا گیا ہے بعض خطوط کے سلسلہ میں میرا ماخذ یہی ہیں۔ ہیروغلیفی خط اور اس کی تدریجی ارتقاء کے سلسلہ میں انسائیکلوپیڈیا پر اعتماد کرنا پڑا ہے ؛

سریانی اور عبرانی خط کے سلسلہ میں "بشریٰ" کے مصنف نابغۂ دوراں علامہ عنایت رسول صاحب چریا کوٹی مرحوم کی مساعی شک و شبہ سے بالاتر ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی کتاب "بشریٰ" ہی میرا ماخذ ہے۔ خط پیکانی، خط اوستائی اور خط پہلوی کے نمونے بھی ایران کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

※※※

ہیروغلیفی خط

۱ ۲

۳

مصری تحریر

مستشرقین باوجود کاوش وکوشش کے اس خط کو آج تک نہیں پڑھ سکے ہیں۔ ۱۷۹۹ء میں ایک فرانسیسی فوجی افسر کو مصر کے شہر رشید میں ایک پتھر ملا تھا جس پر یہ مصری خط تحریر تھا۔

یہ تین سطریں ہیں جو اوپر تحریر ہیں!

یہ خط ہیروغلیفی کا ایک اور نمونہ ہے غور کیجئے، یہ بھی وہی خط ہے جس کا نمونہ اوپر دیا گیا ہے!

ہیروغلیفی خط دائیں سے بائیں طرف لکھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے حروف کی تصاویر بھی سیدھے ہاتھ کے رخ پر ہوتی تھیں۔

اس خط کی تحریری مشکلات نے اُس وقت کے ماہرین انشا کو اس غور وخوض پر مجبور کیا کہ وہ اس خط میں تبدیلی کر کے اس کو کچھ آسان کریں،

چنانچہ انھوں نے ہیروغلیفی کی اصل قائم رکھ کر ایک اور خط ایجاد کیا جو ہیروطیقی کہلاتا ہے۔

ہیروطیقی کو اور مزید آسان کرکے ایک اور طرز تحریر مصریوں نے ایجاد کیا جو دیموطیقی کہلاتا ہے؛

ذیل میں، ہیروطیقی اور دیموطیقی خط کا نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

ہیروطیقی خط

دیموطیقی خط

ذیل میں خط میخی یا خط پیکانی کے حروف ہجا ہیں۔ ہخامنشی دور کے کتبات اسی خط میخی یا خط پیکانی میں ہیں، اس خط کی اصل کو ایران کے ماہرین لسانیات سامی قرار دیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہخامنشی دور میں خط سامی میں کچھ تصرفات کئے گئے تھے اور خط سامی کی مشکل نگارش کو ان حروف کے ذریعہ انھوں نے آسان بنالیا تھا؛

خط میخی یا پیکانی!

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶

۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳

۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹

۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵

۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱

۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶

تتمۂ حروف فوق

۱	۲	۳	٤	٥	٦	۷
آ	ای	او	کا	کو	کا	کو
۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱٤
خا	چا	جا	جی	تا	تو	دا
۱٥	۱٦	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱
دی	دو	ثا	یا	با	فا	نا
۲۲	۲۳	۲٤	۲٥	۲٦	۲۷	۲۸
نو	ما	می	مو	یا	وا	وی
۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳٤	۳٥
را	دو	لا	سا	زا	شا	درا
۳٦						
ها						

خط پیکانی کا ایک جملہ جو دارا یوش بادشاہ ہخامنشی کے عہد میں لکھا گیا اور "خرابۂ تخت جمشید" سے برآمد ہوا۔ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ خط بائیں سے دائیں جانب لکھا جاتا تھا۔ جو "ہندارو پائی" خط کی تمام اقسام کا خاصہ یا ان کا طرزِ تحریر ہے!

پہلوی خط

پہلوی زبان ایران قدیم لیعنی جناب زردشت کے بعد، اشکانی اور ساسانی دور کی زبان ہے، خط پہلوی، خط سامی سے ماخوذ ہے اور خط اوستائی کی طرح خط پیکانی کے برخلاف دائیں سے بائیں کو لکھا جاتا ہے، پہلوی خط بھی دو قسم کا ہے ایک خط پہلوی قدیم جس کو ایرانی محققین "خطِ کندہ" بھی کہتے ہیں اور دوسرا خط خطِ ساسانی کہلاتا ہے، خط پہلوی قدیم صرف کتبات پر باقی رہ گیا ہے۔ خطِ پہلوی ساسانی، قدیم کتابوں میں موجود ہے۔

پہلوی خط میں لکھے جانے والے حروفِ ہجّا" یہ ہیں

۵	۴	۳	۲	۱
۹	۸		۷	۶
۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰
	۱۸	۱۷	۱۶	۱۵

خطِ اَوِستائی

جناب زردشت کی کتابیں اسی خط میں ہیں :

تلفظ حروف فوق :

۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
ا (در وسط کلمه)	او	او (کوتاه)	ای	ا	آ	ا
۱۲		۱۱	۱۰		۹	۸
آ،	و (کشیده)	آ	اِ		ا (کشیده)	ا

خط اوستائی بھی اصلاً سامی خط ہے جو دیموطیقی سے بہت قریب ہے، یہ خط بھی دوسرے سامی الاصل خطوط کی طرح دائیں سے بائیں کو لکھا جاتا ہے!

عبرانی خط کے حروف ہجا

یا ـــــ الف، با

عربی زبان میں اس کی آواز اور حرف عربی	عبرانی	عبرانی خط کے حروف علت
ا	א	
ب	בּ	
ب مع ہ اور و،	ב	
ج	גּ	
غ	ג	
د	דּ	
دہ	ד	
ہ	ה	
و	ו	
ذ۔ ز۔	ז	
ح	ח	
ط	ט	
ی معروف	י	
گ	כּ	
خ	כ	
م	ל	کسرہ۔ یائے معروف
ن	מ	
	נ	
س	ס	
الف	ע	زبر کی علامت
پ	פּ	
	פ	ف
	צ	ذ
ک	ק	
ر	ר	
	שׂ	س
ش	שׁ	
	תּ	ت
ث	ת	

یہ کل انتیس حروف ہیں

عبرانی زبان میں حروف علت ان حروف کے علاوہ ہیں۔ جو نقاط یا " ا "، کی شکل میں ہیں؛

خطِ عبری یا خطِ عبرانی

عبرانی حروف

א ב ב ג ג ד ד ה ו ז ח ט י כ כ ל מ נ ס ע פ פ צ ק ר ש ש ת ת

عبرانی خط میں چند سطور:-

[illegible]

حجازی خط کے نمونے

خطِ نسخ عہدِ صدرِ اسلام میں

حجازی خط کے نمونوں میں صرف اس مکتوب گرامی کی نقل موجود ہے جو شاہ مصر مقوقس کو لکھا گیا تھا اور جس کی میں پہلے صراحت کر چکا ہوں یا قرآن مجید کی ان نقول کے پاک صفحات ہیں جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں تیار کی گئیں اور بلاد اسلامیہ میں ان کو بھیجا گیا یہ نقول اس قرآن مجید کی تھیں جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زیر ہدایت اور نگرانی جمع ہوا۔

□ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبِ گرامی بنام مقوقس کی نقل

خطِ نسخ کے مزید نمونے

آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ مندرجہ سطورِ مقدس نقطوں اور اعراب سے معرّا ہیں، واضح ہو کہ قرآن حکیم پر اعراب اور نقطے عبدالملک (بنی اُمیّہ) کے دَور میں غیر عربی نژاد مسلمانوں کی سہولت قرأت کے لئے لگوائے گئے تھے۔ یہ اہم کام حجاج بن یوسف کی زیر نگرانی انجام کو پہنچا تھا۔

خط کوفی کا نمونہ

لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم

خط کوفی اور خط نسخ کا فرق آپ ذیل کے نمونے میں دیکھ سکتے ہیں۔ صرف حروف تہجی کو پیش کیا جارہا ہے؛

حرف	کوفی [۳] عہد متوسط	نسخ [۲] ۱۰ویں صدی	کوفی [۱] ۱۰ویں صدی
ا			
ب			
ج			
د			
ہ			
و			
ز			
ح			
ط			
ی			
ک			

حرف	کوفی [۳] عہد متوسط	نسخ [۲] ۱۰ویں صدی	کوفی [۱] ۱۰ویں صدی
ل			
م			
ن			
س			
ع			
ف			
ص			
ق			
ر			
ش			
ت			

اشاریہ: عنوان میں لفظ صدی تحریر ہے اس سے مراد صدی عیسوی ہے؛

خطِ نسخ عصرِ حاضر میں
ایک روزنامہ کی چند سطریں

كلمة المدينة

ويطل صرح جديد من صروح النماء والازدهار التي تشهدها بلادنا ويفتتح اليوم صاحب السمو الملكي الامير سلطان بن عبد العزيز النائب الثاني لرئيس مجلس الوزراء ووزير الدفاع والطيران والمفتش العام مطار الاحساء الجديد لربط هذا الجزء الغالي من بلادنا ببقية اجزاء المملكة من خلال شبكة مواصلات جوية متقدمة ضمن برنامج التطور الشامل الذي تشهده المطارات الدولية والمحلية بالمملكة .

ومطار الاحساء الجديد قامت بتنفيذه رئاسة الطيران المدني على مساحة تزيد على ٤ كيلو مترات .. ويبعد عن مدينة الهفوف مسافة ١٤ كيلو مترا .. وقد روعي في تصميم مطار الاحساء الجديد احتياجات التشغيل الحالية والمستقبلية لخدمة الركاب القادمين والمغادرين لتوفير كل سبل الراحة لهم .

ولا نضيف جديدا عندما نذكر ان تنفيذ المطار الجديد بالاحساء تم على احدث المواصفات والمقاييس والتصاميم العالمية لاقامة المطارات .. وقد زود بالاجهزة المتقدمة تكنولوجيا سواء في صالات الركاب واماكن نقل العفش والحقائب .. او في مجال الخدمات والمساعدات الملاحية للهبوط والاقلاع بمدرجات المطار التي تستقبل كل انواع الطائرات من الايرباص والترايستار الى الجامبو .. وقد بلغت تكاليف انشاء المطار الجديد بالاحساء ما يزيد على ١٦٧ مليون ريال .

واذا حاولنا ان نتامل في هدوء المنجزات التي حرصت الدولة على اقامتها بهدف ايجاد شبكة مواصلات جوية متقدمة ضمن برنامج طموح لربط مناطق المملكة بعضها البعض وربط المملكة بكافة انحاء العالم فاننا نجد لزاما علينا ان نشير الى المستوى الراقي والعالمي الذي يمثله مطار الملك خالد الدولي بالرياض ومطار الملك عبدالعزيز الدولي بجدة والتوسعات الجديدة الحالية التي يشهدها مطار الظهران الدولي باعتبار ان المطارات الدولية هي الواجهة الحضارية التي تعكس التقدم الذي تعيشه بلادنا من اول وهلة يصل فيها القادم الى المملكة .. بالاضافة الى المستوى المتقدم الذي تشهده مطاراتنا المحلية في كافة مناطق المملكة لتوفير كل سبل الراحة للمواطنين

اس سے قبل میں عرض کر چکا ہوں کہ خط کوفی سے مراد خط حیری ہے، چونکہ اس خط کی زیادہ اشاعت کوفہ سے ہوئی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آباد ہوا تھا اس لئے عوام خواص دونوں نے "خط حیری" کے بجائے اس کو خط کوفی کہنا شروع کر دیا اور آج تک اسی نام سے موسوم ہے، کوفہ کے آباد ہو جانے اور علوم اسلامیہ کا مرکزی مقام بنجانے کے بعد یہاں کے مسلمانوں نے قرآن حکیم کی متعدد نقلیں اسی خط میں جو اس وقت ان میں رواج پذیر تھا، تیار کیں اور یہ سلسلہ مدتوں تک جاری و ساری رہا۔ چنانچہ آج بھی اس خط میں کلام الٰہی کے متعدد نسخے کتب خانوں اور مخطوطات کے عجائب خانوں میں موجود ہیں، یہ تمام نمونے اسلامی عہد وسطیٰ سے تعلق رکھتے ہیں؛ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ خط حیری کی ایجاد کے دور کی یادگار ہیں۔ خط کوفی کا حجاز، انبار اور حیرہ (کوفہ) میں بہت رواج تھا؛

واضح ہو کہ جب سرزمین حجاز پر نیرّ اسلام ضیا پاش ہوا اس وقت حجاز اور جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصّوں میں خط مسند، خط حمیری، عبرانی، سریانی اور نبطی خطوط رواج پذیر تھے۔ خطِ کوفی یا خطِ حیرہ خطِ نبطی اور خطِ اسطرنجیلی کی باہمی ترکیب سے ایجاد ہوا تھا۔ یہاں ایک امر کی وضاحت اور کردوں کہ موجودہ خط کوفی کو خط کوفی جدید کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ قدیم خطِ حیری یا خط کوفی کو جاذب نظر بنانے میں عہد عبّاسی کے ایک نامور فاضل موجد علم عروض یعنی علّامہ خلیل بن احمد نحوی کا بڑا حصّہ ہے؛ خلیل نے اس خط میں حسن اور بانکپن پیدا کیا۔ خلیل کے بعد علی بن حمزہ کسائی نحوی نے اس آراستہ اور مہذب خط میں مصورانہ شان پیدا کی جس کی بدولت اس خط کو قبول عام حاصل ہوگیا لیکن اس برّصغیر میں مسلمانوں کے پاس عمومی کتابت کے لئے دو ہی خط ہیں نسخ اور نستعلیق اُردو اور فارسی کی تحریر خط نستعلیق میں ہوتی ہے اور عربی خط نسخ میں لکھی جاتی ہے۔ البتہ خوشنویس حضرات طغروں میں اس خط کو استعمال کرتے ہیں اور انھوں نے نسخ اور نستعلیق کی آمیزش سے اپنی چابکدستی اور فنکاری سے متعدد خطوط پیدا کر لئے؛ خطِ گلزار، خط غبار خطِ طغرا، خطِ ریحان وغیرہ۔ اسی آمیزش کا نتیجہ ہیں؛

خط کے سلسلہ میں بہت کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ اب میں اس موضوع سے صرف نظر کرتا ہوں!

سابقہ اوراق میں چند مخصوص مباحث یعنی عربی زبان، عربی رسم الخط، مختلف قبائل کے الفاظ قرآن حکیم میں، قرآنی الفاظ اور اشعار عرب جاہلیہ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا اصل مقصود یہ تھا کہ آپ کو عرب جاہلیت کی خصوصیات سے آگاہ کیا جائے۔ اللہ اللہ عقل حیران ہے کہ ایک جاہل قوم، لکھنے پڑھنے سے نابلد اور شاعری میں اس کی بلندیوں کا یہ عالم، فصاحت و بلاغت اور طلاقتِ لسان میں ان کی شوکت بیان اور علو و شان کی یہ کیفیت کہ یونانی بھی ان کے ہم پلّہ نہیں۔ حالانکہ علم و حکمت اور فلسفہ میں وہ ان عربوں سے صدیوں پہلے اپنی فکر کے نتائج دنیا کے سامنے پیش کر چکے تھے لیکن زباں دانی کی جن صلاحیتوں سے یہ عرب بہرہ ور تھے اس کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ یونان کا بڑے سے بڑا شاعر ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکا۔ یہ مانا کہ فلسفہ، منطق اور سیاست مُدن پر ان کے افکار نے تمام دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا۔ خود دوسری صدی ہجری میں عبّاسی حکمرانوں نے جنھیں عام طور پر خلفائے بنو عبّاس کہا جاتا ہے، عربوں کی جِلاء افکار کے لئے ان موضوعات پر ان کی تصانیف کے تراجم کرائے اور اس سلسلہ میں بیدریغ روپیہ خرچ کیا لیکن تاریخ یہ کہیں نہیں بتاتی کہ عصرِ جاہلیت جیسے شعراء اور خطیب، کسی عصرِ مابعد میں پیدا ہوئے یا کسی ملک نے پیدا کئے!

عصرِ جاہلیت کے شعراء میں سبع معلقات کے شعراء یعنی امراؔ القیس، زہیرؓ بن ابی سلمیٰ، طرفہؔ بن العبد بن سفیان، لبید بن ربیعہ بن جعفر (سبع معلقات کے شعراء میں قبول اسلام کا شرف صرف آپ ہی کو حاصل ہے) عمروؔ بن کلثوم، عنترہؔ بن شدّاد، (عنترہ بن عمرو بن شدّاد بھی کہا گیا ہے) اور حارثؔ بن حِلزہ بن یزید بن عبداللہ کے علاوہ نابغہ ذبیانی، اوسؔ بن حجر الاسدی، بشر بن ابی حازم الاسدی، عَبید بن الابرص المرقش، مہلہلؔ (اصل نام ربیعہ تھا) جریر بن عبد المسیح (المعروف بہ المتلمس) علقمہ بن عبدہ، حاتم طائی۔ لقیط بن معبد الایادی۔ نفیل الغنوی، عدیؔ بن زید العبادی،

امیۃ بن ابی الصلت[1]، المزق العبدی، عبد قیس بن خفاف، عروہ بن عبد الورد، افنون تغلبی، قیس بن الخطیم، عامر بن الطفیل، ابو الطمحان القینی، اعشیٰ[2] (قیس بن میمون)، النمر بن تولب، النمر بن تولب (اسلام کا زمانہ پایا لیکن عقل میں فتور آگیا تھا، اسلام قبول نہ کر سکا) حضرت حسّان بن ثابت شاعر بارگاہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، نابغہ جعدی (دولت اسلام سے مشرف ہوئے) ابو ذوئب الهذلی (قبیلۂ ہذیل کا شاعر تھا)۔

یہ فہرست بہت طویل ہے جس کا سلسلہ عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جاری و ساری رہا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں بھی شعراء موجود تھے جن کا سرخیل اخطل تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دامن سے بھی شاعر النجاشی الحرثی وابستہ تھے۔ بنو اُمیّہ اور بنی عباس کے دور میں علوم و فنون کے ساتھ ساتھ شاعری کو بھی بڑا فروغ حاصل ہوا۔ عہد قریب الاسلام بھی شعراء سے خالی نہ تھا، حضرت عبدالمطلب کے فرزندوں میں کئی فرزند شاعر تھے ان کی بعض صاحبزادیوں نے شعر کہے ہیں چنانچہ ان کی وفات پر ان کی چند بیٹیوں نے دلدوز مرثیے کہے ہیں؛ حضرت ابو طالب اسی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ اور ایک بلند پایہ شاعر تھے[3]۔

بہرحال اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ عرض کرنا یہ تھا کہ ہر قبیلہ کا ایک شاعر ہوتا تھا۔ نہ صرف شاعر بلکہ ان کا ایک خطیب بھی ہوتا تھا ان شاعروں اور خطیبوں کے ذریعہ قبیلے کے افراد اور جوان زبان کے جوہر (فصاحت و بلاغت) سیکھتے تھے۔ ضرب الامثال اور قصص ماضیہ کو ان کے اشعار کے ذریعہ ذہن نشین کرتے تھے اور ان ہی سے فن شاعری اور خطابت سیکھتے تھے، اسی بنا پر افراد قبیلہ اپنے شاعر اور خطیب کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اس کو فکر شعر و خطبہ کے لئے فکرِ معاش سے آزاد کر دیا جاتا تھا۔ ان پر انعام و

---

[1] اس کے اشعار پُر حکمت سماعت فرماتے ہوئے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس کے اشعار مومن کے سے ہیں لیکن دل کافر کا ہے۔ [2] جس طرح نابغہ نام کے کئی شعرا ہیں اعشیٰ نام کے ۹ شعراء ہیں۔ اعشیٰ ابن میمون بن قیس نے اسلام کا زمانہ پایا لیکن دولت اسلام سے بہرہ ور نہ ہوا۔ اعشیٰ کا تعلق بنی قیس بن ثعلبہ سے تھا۔ [3] بلوغ الارب جلد چہارم۔

اکرام کی بارش کی جاتی جس طرح وہ ان کی مدح سے خوش ہوتے تھے اسی طرح ان کی قدح (ہجو) سے ہر وقت ڈرتے رہتے تھے۔ اس لئے ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے اور ان کی طبع نازک کو کسی طرح برہم نہیں ہونے دیتے تھے۔ یہی شاعر اور خطیب چاہتے تو جنگ کی آگ دو قبیلوں کے درمیان بھڑکا دیتے اور یہی اس آگ کو سرد بھی کر دیتے۔ قبیلہ کو نام و نمود کی سربلندیاں عطا کرتے اور اگر بگڑ جاتے تو ان کی عزت و شہرت اور ناموری کو چند اشعار کے ذریعہ خاک میں ملا دیتے۔ ان شعرا کے اشعار رزم و بزم کے مرقع ہوتے تھے اس کے ساتھ ساتھ بعض شعراء کے یہاں پند و حکمت اور اخلاق کے مضامین بھی ہوتے تھے ایسے ہی پُرحکمت اشعار کے سلسلہ میں لسانِ نبوت سے یہ جملہ ادا ہوا تھا۔ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً۔ ان شاعروں اور خطیبوں کی بدولت ان قبیلوں کی بزم ہائے نشاط آراستہ اور میدان کارزار گرم ہوتے تھے اس فطری شوق اور طبعی ذوق نے ان کو تحصیل علم کی طرف رجوع نہیں ہونے دیا جس کی تصریح میں "خط عربی" کے سلسلہ میں پیش کر چکا ہوں۔ ہر چند کہ یہ قبائل نوشت و خواند سے بے بہرہ تھے اور بدویت تو بدویت، حضریت میں بھی لکھنا پڑھنا برائے نام ہی سا تھا، چنانچہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں چند یہودی قیدیوں کا فدیہ رہائی کے لئے صرف یہ رکھا تھا کہ ان میں سے ہر ایک قیدی مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے چنانچہ ارشادِ گرامی کے نتیجہ میں مدینہ منورہ میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہودی اور نصرانی قبیلوں میں تعلیم کا ضرور رواج تھا لیکن وہ بھی مکہ اور مدینہ کے انتہائی شمال یا جنوب میں آباد تھے۔ آلِ غسّان اور ملوک حیرہ اور تبابعہ یمن کے قبیلوں میں تعلیم موجود تھی باقی قبائل لکھنے پڑھنے سے نابلد تھے۔ خط عربی کی تاریخ میں آپ کو ایسے اشارے ملیں گے جن سے بعض قبائل میں تعلیم کے رواج پر روشنی پڑتی ہے۔

الغرض بحیثیت مجموعی شاعری، خطابت، نسب دانی، شہسواری، مے نوشی اور ارشِ و رنگ میں یہ قبائل رنگے ہوئے تھے۔ ان کی شاعری اور خطابت فصاحت اور بلاغت کے بلند مناروں پر کمند ڈالتی تھی، اس میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔ قبائل

جاہلیت میں صرف شاعروں اور خطیبوں ہی کو یہ کمال حاصل نہیں تھا بلکہ قبائل کے افراد کی انفرادی خصوصیات کا بھی اگر آپ تجزیہ کریں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ عرب فطرتاً فصاحت وبلاغت سے آراستہ اور میدانِ کلام کے شہسواروں میں سے تھے، بلاغت و فصاحت اور حکمت سے انھوں نے خاص حصہ پایا تھا، ان کو وہ طلاقت لسانی عطا کی گئی تھی جو دوسرے انسانوں کو نہیں ملی تھی؛ شیوا بیانی سے انھوں نے اتنا بہرہ وافر پایا تھا کہ دوسری اقوام کو وہ اپنے مقابل عجمی (گونگ و لال) کہتے تھے، یہ تو قبائلی یا بدوی عربوں کی لسانی خصوصیات تھیں، حضریت میں پرورش پانے والے خصوصاً قریش دیگر حضری قبائل کے مقابلے میں بیان کی صفائی، فصاحت اور جزالت الفاظ میں ان سب سے آگے تھے پھر یہی نہیں کہ ان کی زبان ہی صرف مقامی خصوصیات تک محدود رہو بلکہ:

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۔

اس پر شاہد ہے کہ قریش موسم سرما میں شام کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور موسم گرما میں یمن کا، اس سفر میں ان کو بسلسلۂ کاروبار متعدد قبائل کے اختلاط کا موقع ملتا، ان کی زبان اور روزمرّہ سے کچھ نہ کچھ اخذ کرتے اور اپنی مخصوص اور ٹکسالی زبان کے کچھ اثرات ان پر بھی چھوڑتے، اسی طرح جب جنوب کی سمت ان کا سفر ہوتا تو جنوبی زبانوں (آرامی، سامی، حمیری، نبطی اور حبشی) کے بہت سے الفاظ اپنی زبان میں شامل کر کے اس کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرتے، میں گزشتہ اوراق میں ایسے الفاظ کی وضاحت کر چکا ہوں جو متعدد قبائل شمالی وجنوبی اور وسطی عرب سے مخصوص تھے۔ قرآن حکیم کا بیشتر حصہ قریش ہی کی فصیح وبلیغ زبان میں نازل ہوا جس کے بارے میں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے:

وَاِنَّمَا اُنْزِلَ الْقُرْاٰنَ بِلِسَانِیْ لِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۔

اور اس کے ساتھ ساتھ جنوبی وشمالی، مشرقی ومغربی اور وسطی قبائل کے متعدد الفاظ بھی اس میں (حسب تصریح سابق) استعمال ہوئے تاکہ قرآن مجید کی عربی ہمہ جہت کامل عربی زبان ہو اور کسی کو یہ کہنے کا یارا نہ ہو کہ ہمارے قبیلہ کے مخصوص الفاظ اور محاورات

اس میں موجود نہیں ہیں لہٰذا یہ ٹکسالی بولی نہیں ہے، ان ہمہ جہتی پہلوؤں کی سرمایہ دار زبان عربی میں جب قرآن حکیم نازل ہوا جس کی صراحت ذیل کی آیات میں موجود ہے:

۱۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○

سورۃ یوسف آیت ۲

۲۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ط

سورۃ الرعد آیت ۳۷

۳۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○

سورۃ الزمر آیت ۲۸

۴۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ الخ

سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۳

۵۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

سورۃ فصّلت آیت ۲

یہ میں نے صرف چند ارشادات باری تعالیٰ یہاں نقل کر دیئے ہیں ورنہ عربی زبان میں قرآن حکیم کے نازل ہونے کے بارے میں متعدد آیات اور موجود ہیں، ایسی آیات میں عربی زبان کی عمومیت پر زور دیا گیا ہے کسی مخصوص منطقے یا قبیلہ کی زبان اس کو قرار نہیں دیا گیا ہے جس طرح قرآن حکیم کی زبان عام عربی ہے اسی طرح اس کے خطاب میں بھی عمومیت ہے! البتہ بعض جگہ مخصوص حالات کے تحت خطاب بالتخصیص بھی ہے جس کی صراحت کا یہاں موقع نہیں ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ قرآن حکیم کی زبان "عربی مبین" ہے، یہ صفت موصوف کی ترکیب نہیں ہے بلکہ مبین اسم علم ہے جیسا کہ علامہ سلیمان ندوی نے بہ سلسلۂ زبان عربی صراحت کی ہے (ارض القرآن)

"عربوں کی لسانی خصوصیات کا علاّمہ قاضی عیاض قدس اللہ سرہٗ نے عمومیت کے اعتبار سے ایک مختصر مگر جامع تبصرہ اس طرح پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں"

أن كتابَ اللهِ العزيزَ منطوٍ على وجوهٍ من الإعجازِ كثيرةٍ وتحصيلُها من جهةِ ضبطِ أنواعِها في أربعةِ وجوهٍ أوّلُها حسنُ تأليفِهِ والتئامُ كلمِهِ وفصاحتُهُ ووجوهُ إيجازِهِ وبلاغتُهُ الخارقةُ عادةَ العربِ وذلكَ أنهم كانوا أربابَ هذا الشأنِ وفرسانَ الكلامِ قد خُصّوا من البلاغةِ والحِكَمِ ما لم يُخصَّ بهِ غيرُهم من الأممِ وأوتوا من ذرابةِ اللسانِ ما لم يؤتَ انسانٌ ومن فصلِ الخطابِ ما يُقيّدُ الألبابَ جعلَ اللهُ لهم ذلكَ طبعاً وخلقةً وفيهم غريزةً وقوّةً يأتونَ منه على البديهةِ بالعجبِ ويُدلونَ بهِ الى كلِّ سببٍ فيخطبونَ بديهاً في المقاماتِ وشديدِ الخطبِ ويرتجزونَ به بينَ الطعنِ والضربِ ويمدحونَ ويقدحونَ ويتوسّلونَ ويتوصّلونَ ويرفعونَ ويضعونَ فيأتونَ من ذلكَ بالسحرِ الحلالِ ويطوّقونَ من أوصافِهم أجملَ من سِمطِ اللآلِ فيخدعونَ الألبابَ ويذلّلونَ الصعابَ ويذهبونَ الإحنَ ويهيّجونَ الدمنَ ويجرّئونَ الجبانَ ويبسطونَ يدَ الجعدِ البنانِ ويصيّرونَ الناقصَ كاملا ويتركونَ النبيهَ خاملاً منهمُ البدويُّ ذو اللفظِ الجزلِ والقولِ الفصلِ والكلامِ الفخمِ والطبعِ الجوهريِّ والمنزعِ القويِّ ومنهمُ الحضريُّ ذو البلاغةِ البارعةِ والألفاظِ الناصعةِ والكلماتِ الجامعةِ والطبعِ السهلِ ؛ والتصرّفِ في القولِ القليلِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز، بکثرت وجوہِ اعجاز سے مشحون ہے اعجاز قرآنی کی متعدد وجوہ میں سے، پہلی وجہ اس کا حسنِ تالیف ہے۔ کلام فصیح کی ہر قسم اس میں موجود

ہے اور تمام وجوہ اعجاز و بلاغت ہیں، جس کے اہلِ عرب اپنے بیان میں عادی تھے، لیکن قرآن کا اعجاز، اس کی بلاغت اور کلام فصیح آن کی ان خصوصیات کا پردہ چاک کرنے والا ہے، یعنی خارقِ عادتِ عرب ہے؛ اہلِ عرب ان خصوصیات سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ تھے، یہ لوگ (اہل عرب) میدانِ کلام کے شہسوار تھے، بلاغت و حکمت سے انھوں نے جو خاص حصّہ پایا تھا، دیگر اقوام عالم اس سے محروم تھیں۔ قدرت نے ان کو وہ قوت لسانی عطا فرمائی تھی جو دوسرے انسانوں کے حصّہ میں نہیں آئی تھی۔ وہ لوگ خوش بیانی سے اس درجہ نوازے گئے تھے کہ وہ اپنی اس خوش بیانی سے بڑے سے بڑے دانشور کو اپنا قائل بنا لیتے تھے۔ مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ ربّ ذوالمنن نے فصاحت و بلاغت کی یہ خوبیاں ان کی فطرت و جبلت کا ایک حصّہ بنا دی تھیں؛

ان کو کلام پر اتنی مہارت اور بیان پر ایسی قدرت حاصل تھی کہ وہ بداہتاً ایسی بات کہہ دیتے تھے جس کے ادبی محاسن سننے والے کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے تھے، خوش بیانی کا کوئی راستہ ان پر بند نہیں تھا۔ خطابت کی جس موقع پر اور جس وقت ضرورت پیش آتی تو وہ ایسے انداز سے خطاب کرتے کہ وہ اس راہ کی تمام دشوار گھاٹیوں سے بآسانی گزر جاتے تھے، ایام عرب میں رجز پڑھنا ان کا معمول تھا وہ کسی کی تعریف کرتے اور کسی کی ہجو کرتے (ان پر نہ مدح دشوار تھی اور نہ قدح؛

وہ لوگ اپنی شاعری کے ذریعہ ہر قسم کا مدعا اور مقصد پورا کر لیتے تھے۔ کبھی فراق کے ماروں کو باہم ملاتے اور کبھی کسی کی تعریف کرتے تو اس کو وہ عزت عطا کرتے کہ اس کو سر اور آنکھوں پر بٹھایا جاتا اور جب کسی کی ہجو پر آتے تو اس کا وقار خاک میں ملا دیتے۔ دونوں صورتوں میں ان کا کلام سحر حلال ہوتا تھا۔ وہ جب توصیف کرتے تو ان کا توصیفی بیان موتیوں کی مالا سے زیادہ خوبصورت اور خوشنما ہوتا۔ ان کے اس کلام سے (مدح و ہجو سے) ارباب

دانش بھی دھوکا کھا جاتے۔ اپنے بیان سے مشکلات کو حل کر لیتے تھے، اُن سے دلوں کی کدورت کو دُور کر دیتے تھے، پست لوگوں کو بلندی پر پہنچا دیتے تھے۔ بزدلوں میں جذبۂ جرأت و شجاعت پیدا کر دیتے تھے۔ بخیلوں کو آمادہ سخاوت کر دینا ان کے کلام کا خاصّہ تھا، ناقصوں کو اپنے کلام سے کامل بنا دیتے تھے جس کو چاہتے گمنامی کے غار میں ڈھکیل دیتے"۔

اِن میں اگر کوئی بدوی ہوتا تو اس کے الفاظ میں بھی جزل و فصل ہوتا ادبی معیار کے مطابق بدوی کا کلام بھی بڑی پختگی رکھتا تھا، وہ الفاظ کے انتخاب میں جوہری جیسی پرکھ رکھتا تھا۔ یعنی ان کی طبیعت جوہر دار تھی۔ ان کا فیصلہ بہت جاندار ہوتا تھا (یہ تو بدوی کے کلام کی خصوصیات ہیں) اب اگر کوئی حضری ہوتا تو وہ بلا صفتِ بارعہ (ہمسروں سے افزوں) کا مالک ہوتا تھا۔ اس کے الفاظ روشن اور کلمات جامع ہوتے، ان کی طبع دشوار پسند نہیں تھی (کہ استعاراتِ بعیدہ سے کام لیں)"

آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ شعرائے جاہلیت کا کلام عربوں کے لئے کسقدر مستند تھا کہ وہ لغات غریب القرآن کی سند بھی ان کے کلام سے چاہتے تھے؛ علامہ سیوطیؒ نے "الاتقان" میں اس موضوع کے تحت ساٹھ سے زیادہ اشعار پیش کئے ہیں، یہاں ان تمام الفاظ اور ان کی سند شعری کو پیش کرنا طوالت سے خالی نہیں، میں نے چند الفاظ اور شعر میں ان کا استعمال بطور مثال پیش کر دیا ہے تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ عربوں کو شعرائے عصر جاہلیت کی زبان دانی اور ان کی فصاحت و بلاغت پر کس درجہ اعتبار و اعتماد تھا۔

ان ہی فصیح و بلیغ زباندانوں میں قرآن پاک کا نزول ہوا اور اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے ان فصیح البیان شعرا اور خطبا کی زبانیں گنگ و لال ہو گئیں اور قرآن حکیم کی دعوت معارضہ اور تحدّی کے باوجود کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ ایک چھوٹی سی چھوٹی سورۃ یا آیت کے مقابلہ میں چند کلمات پیش کر سکتا یا کسی آیت کے مقابلہ میں لب کشائی کرتا؛ قرآن حکیم نے ان کو للکارا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

اورہم نے اپنے بندے (محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کچھ نازل کیا ہے اگر تم کو اس میں کچھ شک ہے تو تم اس قرآن کی ایک سورت ہی کے مقابل میں ایک سورۃ بنا لاؤ!

اور یہ تحدی ایک بار نہیں بلکہ بار بار ان سے کہا گیا:۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

سورۃ ہود آیت ۱۳

ترجمہ: کیا یہ اس قرآن کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے تو آپ فرما دیجئے کہ اگر (یہ میرا بنایا ہوا ہے) تو اچھا، تم بھی اس جیسی دس سورتیں (جو تمھاری بنائی ہوئی ہوں) لے آؤ اور اپنی مدد کے لئے جن جن غیر اللہ کو بلا سکو (سورتیں بنانے کے لئے) بلا لو، اگر تم سچے ہو!

اس کے بعد ان کو ان کی کوشش کے انجام سے بھی باخبر کردیا:۔

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○

سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۸

ترجمہ:۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات (اس بات کے لئے) جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنا لائیں تب بھی ایسا نہ لا سکینگے،

اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں؛

چنانچہ اس تحدی کے مقابلے میں یہ فصاحت و بلاغت کا دعویٰ کرنے والے جب ایک چھوٹی سی چھوٹی آیت کا مثل بھی باوجود کوشش کے پیش نہ کر سکے تو اور تو کچھ بس چلا نہیں، کہنے لگے :۔

۱۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (سورۃ سبا آیت ۴۳)

اور یہ کافر اس امر حق (یعنی قرآن) کی نسبت جب کہ وہ ان کے پاس پہنچا تو یوں کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے

۲۔ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ سورۃ ہود آیت ۷

جو لوگ کافر ہیں وہ قرآن کی نسبت (جس میں بعث بعد الموت کی خبر ہے) کہتے ہیں کہ یہ تو نرا اور صاف جادو ہے؛

یہ جادو ہے، یہ جادو ہے کہتے کہتے جب تھک گئے تو کہنے لگے کہ یہ قرآن تو شاعر کا کلام ہے :۔

۳۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ (سورۃ الحاقّۃ آیت ۴۱)

اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (جیسا کہ کفار آپ کو شاعر کہتے تھے) تم (اے کافرو!) بہت کم ایمان لاتے ہو؛

۴۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝

سورۃ الطور، آیت ۳۰

ہاں! کیا یہ لوگ یوں (بھی) کہتے ہیں کہ (آپ) شاعر ہیں، اور ہم ان کے بارے میں (ان کے) حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں،

الغرض اپنی بیچارگی کی بنا پر کیا کیا نہیں کہا۔ بس ایک آیت بنا کر نہ لا سکے۔ ان

فصیحان عرب میں سے کوئی بھی آگے نہ بڑھ سکا، آخر کار قریش مکہ نے ولید بن مغیرہ سے کہا کہ تم اس کلام کو سنو جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کرتے ہیں، تم اس وقت ہمارے درمیان افصح العرب ہو اور تم فیصلہ کرو کہ یہ کیا کلام ہے، ساحری ہے۔ شاعری ہے، کہانت ہے: چنانچہ ایک دن حرم کعبہ میں پہنچ کر اس نے پوشیدہ طریقے سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے چند آیات سنیں تو وہ بہت متاثر ہوا لیکن وہ شقی ازلی تھا اس لئے ایمان قبول نہیں کیا، ابو جہل کو جب ولید کی اس کیفیت اور اثر پذیری کا علم ہوا تو ولید کے پاس پہنچا اور صریحاً قرآنی آیات کا انکار کیا، ابو جہل کا انکار سن کر ولید نے کہا کہ تم میں سے ایسا کون ہے جو شعر کا علم مجھ سے زیادہ رکھتا ہو جو کلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سناتے ہیں اس کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے !

اسی ولید بن مغیرہ کے بارے میں ایک اور واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "ایام حج قریب تھے، اس نے قریش مکہ کو جمع کیا اور کہا کہ حج کے لئے اطراف و جوانب سے قافلے آنے والے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وہ باتیں جن کو وہ قرآن کہتے ہیں ان کے کانوں میں ضرور پڑیں گی لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ان کے بارے میں ایک متفقہ رائے قائم کریں تاکہ ہم سب ایک ہی بات ان کے بارے میں کہیں اور ان کے دلوں پر ہماری بات اثر کرے، لوگوں نے کہا کہ ہم تو ان کو "کاہن" کہیں گے ! ولید نے کہا کہ رب کعبہ کی قسم ! وہ کاہن نہیں ہیں، میں نے کاہنوں کی بہت باتیں سُنی ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں ایسی نہیں ہیں جیسی کاہن کرتے ہیں۔ قریش کہنے لگے اچھا تو پھر ہم ان کو مجنون کہیں گے۔ ولید نے کہا کہ خدا کی قسم وہ مجنون بھی نہیں ہیں کیونکہ وہ دیوانوں کی طرح واہی تباہی باتیں نہیں کرتے ہیں۔ کفار قریش کہنے لگے اگر مجنون نہیں تو پھر ہم ان کو شاعر کہیں گے، ولید نے کہا کہ وہ شاعر بھی نہیں ہیں کیونکہ میں شعر کی ہر صنف سے واقف ہوں، وہ رزمیہ شاعری ہو یا بزمیہ، میں شعر کے حسن و قبح کو خوب جانتا ہوں، میں شاعری کے تمام محاسن سے آگاہ ہوں لیکن ان کے کلام کو میں شاعری نہیں کہہ سکتا، کہنے لگے کہ اچھا شاعر نہ سہی جادوگر کہیں گے، ولید نے کہا کہ وہ جادوگر

کی طرح جھاڑ پھونک کیا کرتے ہیں اور نہ وہ منتر پڑھ پڑھ کر گرہیں لگاتے ہیں. پھر ولید خود ہی کہنے لگا کہ ہم حیران ہیں ان کے بارے میں جو بات بھی ہم کہیں گے وہ حقیقت میں بے اصل اور بے بنیاد بات ہوگی. بس ایک بات دل کو لگتی ہے کہ ہم ان کے بارے میں ان کا اثر زائل کرنے کے لئے یہ کہیں گے:۔

وان اقرب القول انه ساحر، بانهٗ سحر یفرق بین المرءِ وابنہٖ والمرءِ واخیہِ والمرءِ و زوجتہٖ والمرءِ وعشیرتہٖ؛

سب سے بہتر بات قریب قریب حسب حال یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے جادوگر ہیں کہ ان کا سحر باپ اور بیٹے میں، میاں بیوی میں اور خویش واقارب میں (اس کلام سے) پھوٹ ڈال دیتا ہے؛

یہ طے کر کے سب منتشر ہو گئے اور قافلوں کی گزرگاہوں پر جا بیٹھے اور قافلے والوں کو یہ متفقہ فیصلہ سُنا سُنا کر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے گریزاں کرتے رہے حالانکہ یہی ولید بن مغیرہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا یہ ارشاد سُن کر

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ج یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۵ سورۃ النحل آیت ۹۰

بلیاختہ کہہ اٹھا تھا:۔

"وَاللّٰہِ اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطَلَاوَۃً وَ اِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُغْدِقٌ وَاِنَّ اَعْلَاہُ لَمُثْمِرٌ مَا یَقُوْلُ ھٰذَا بَشَرٌ"

"واللہ! اس (کلام) میں ایک حلاوت ہے اور بیشک اس میں قلب کی پذیرائی (طلاوت) ہے اس کی آخری آیات میں سیرابی ہے اور اس کی ابتدائی آیات ایک درخت ثمردار کی طرح ہیں"؛

قرآن اجتماعی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوا

قرآن اور جنسیت عربی

جمعیت انسانی پر قرآن کریم کی تاثیرات، اعجاز قرآن کا ایک اہم پہلو ہے، ظاہر ہے کہ قرآن حکیم نے اپنے نزول کے بعد قبائل عرب میں باہمی انسیت اور محبت کی بنا ڈال دی تھی اور ان قبائل منتشرہ کے لئے جن میں اب تک کسی ایک قانون کا رواج نہیں تھا اور نہ وہ اس کے پابند تھے، ایک سیاسی نظام مرتب کر دیا جس کا سرچشمہ وحیٔ الٰہی تھی؛ اسی نظام سیاسی کے تحت یہ تمام قبائل پرچم اسلام کے نیچے جمع ہو گئے اور تمام روئے زمین پر چھا گئے۔ نیل سے کاشغر تک اور افریقہ سے ہسپانیہ تک کے علاقے ان کے زیر اقتدار آگئے اس طرح وہ تمام دنیا پر غالب آگئے اور تاریخ عالم میں اپنا ایک خاص مقام پیدا کر لیا۔

اعجاز قرآن براہ راست صرف ادبی حیثیت سے رونما نہیں ہوا بلکہ اس کے اعجاز کی بنیاد نظریہ اجتماعی پر رکھی گئی تھی جس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ایک سیاسی وحدت کا نظام قائم کیا جائے۔ بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس نظریہ اجتماعی کے قیام کی کامیابی میں اس کے کمال بلاغت اور خصوصیات ادبی کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لئے قبائل عرب میں سے ہر ایک قبیلہ دوسرے قبائل سے تمدنی، معاشی اور نظریاتی اختلافات رکھنے کے باوجود محض قرآن کے حسنِ اسلوب اور تاثیر کامل کی بدولت اس کے گرد جمع ہو گیا اور قرآن نے ان سب کو (اپنے حسنِ اسلوب اور تاثیر کامل کی بدولت) اپنی طرف کھینچ لیا اور انھوں نے ان باہمی اختلاف کو جو چند در چند وجوہ کے باعث ان میں استوار ہو چکے تھے، بھلا دیا۔ قرآن نے ان کی لغات کو اپنے اندر اس قدر جذب اور دلپسند انداز میں اپنا لیا کہ اگر یہ قبائل اس سلسلہ میں کتنی ہی کوشش کرتے اپنے الفاظ کو ایسا حسنِ بیان عطا نہیں کر سکتے تھے اور نہ ان کو اس طرح لافانی بنا سکتے تھے جس طرح قرآن نے ان کو استعمال کر کے لافانی بنا دیا۔

مولانا سلیمان ندوی "ارض القرآن" میں لکھتے ہیں :-

قبائل عرب کے لغات کے ہزاروں الفاظ آج ناپید ہو گئے اور
قبائل ان کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ مرور زمانہ نے ذہنوں سے ان لغات
کو باہر نکال کر پھینک دیا۔ (دیکھو تاریخ لسان عربی)

وہ اس سلسلے میں خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرتے اپنی لغت کے الفاظ کو اس پایۂ کمال پر نہیں پہنچا سکتے تھے (قبائل مختلفہ کی لغات کے الفاظ آپ اوراق سابقہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں) باہمی اختلافات کا اثر نزول قرآن سے پہلے ان کی ادبیات پر بھی طاری وساری تھا۔ مثلاً اگر ایک قبیلہ ادبی پہلو سے ایک لغت کو کسی مخصوص معانی میں استعمال کرتا تھا تو دوسرے قبائل اس کو قبول نہیں کرتے تھے اور وہ ہدف تنقید بنتا تھا نتیجتاً ان کے ادبی کمال کو بھی اس پہلو سے سپر انداختہ ہونا پڑتا تھا؛

صرف قرآن حکیم میں یہ کمال موجود تھا اور ہے، اسی میں یہ توانائی موجود تھی اور ہے کہ وہ اس ادبی اختلاف کو بھی ان کے درمیان سے دور کر دے اور ان کے تمام افکار ادبی کو ایک نقطہ یا ایک مرکز پر جمع کر دے اور ان کے لغات کو مرتبہ کمال پر پہنچا دے:

قرآن نے عربی قبائل کی تالیف کس طرح کی

عربوں کی تالیف باہمی کے لئے قرآن حکیم نے جو حکمت عملی اختیار کی وہ اپنی جگہ لاجواب اور بے مثل تھی چنانچہ قدرت الٰہی کے مشاہدے میں یہ بات تھی کہ مختلف قبائل کے تمام افکار وعواطف اس لغت (زبان) کی تاثیر کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ہر ایک قبیلہ اپنی لغت پر نازاں ہے اور اپنے افکار وعواطف کا ان کو آئینہ دار سمجھتا ہے تو قرآن نے ان کی تالیف میں اسی راستے کو اختیار کیا اور اس راستے سے وہ ان کی روح افکار پر غالب آگیا اور اس طرح ان کو کمالِ وحدت ملی کی طرف خود بخود ایک راستہ مل گیا۔ چنانچہ جب وہ قرآن پر ایمان لے آئے تب ان کو رذائل اخلاق اور نقائص کردار سے آگاہ کیا گیا اور بہت جلد ان کو ان رذائل سے پاک کر کے فضائل و کمالات تاریخی سے آراستہ و پیراستہ کر دیا۔ خواری اور پستی سے نکال کر ان کو صاحب عزت و گرامی قدر بنا دیا اور اس طرح قرآن نے تمام امور عالم کا دستور اخلاق اور

سیاسی اپنے ہاتھ میں لے لیا جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

عرب کی روحانی زندگی میں یہ تغیر صرف قرآن حکیم کی بدولت پیدا ہوا۔ قرآن حکیم نے ان کی طبائع کو اس قدر مصفا کر دیا تھا اور ان کی روحوں کو اس طرح صیقل کیا تھا کہ آسمانی حقائق ان کے آئینہ ہائے طبع میں منعکس ہونے لگے گویا ان کی سرشت مادیت کی کثافت سے نکل کر روحانی بن گئی تھی۔ قرآن حکیم نے ان کے نفوس کو اپنے لغات الالفاظ کے اعتبار سے متاثر کیا اور ان کی نظروں کو ایسا حقائق نگر بنا دیا کہ اب خطیبوں اور شاعروں کے کلام سے متاثر ہونے کی صلاحیت ہی ان میں باقی نہیں رہی۔ وہی خطیب اور وہی شاعر جو آن کی آن میں ان کی زندگی کا رخ پھیر دیا کرتے تھے اب ان پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے اب ان کے خطبوں اور اشعار میں یہ سکت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ ان آثار کو جو قرآن نے ان کی فطرت اور طبیعت کی لوح پر مرتسم کر دیئے تھے مٹا سکیں اور حمیت قومی کے جذبے کو پھر ابھار سکیں۔

قرآن حکیم نے افکار کو مغلوب کر لیا تھا

افکار عرب پر قرآن حکیم کے اس طرح غلبہ پانے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ قرآن حکیم عربوں کی روحانیت اور اخلاق و عادات سے اچھی طرح آگاہ تھا اس لئے قرآن نے ان سے جو کچھ کہا وہ ان ہی کی زبان میں کہا اور ان ہی کے الفاظ استعمال کئے۔ یہی وہ انداز خطاب ہے جو مخاطبین کو تاثیر الفاظ کے لحاظ سے بھرپور طریقے پر متاثر کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک لفظ کے ایک معنی ان مخاطبین میں سے ہر ایک فرد کے لئے تاثیر کلی کی وجہ نہیں بن سکتا جن کی زندگی میں باہمی تناقص اور تضاد ہے، پس وہ لفظ یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ ان کے انکار اور طغیان کے مقابل میں ٹھہر سکے اور ان کے اختلاف کو دور کر دے اور ان کی خواطر میں جگہ پا سکے یہ صرف قرآنی الفاظ ہی کی خوبی ہے کہ ان اختلاف طبائع کے باوجود ان الفاظ نے پوری پوری اثر آفرینی دکھائی اور انفرادی و اجتماعی دونوں اعتبار سے ان کو متاثر کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عربوں نے باوصف اس عصبیت، قوت اور حالات کی سازگاری کے جو اپنے متنوعہ امور کی کاربرآری میں ان کو حاصل تھی، مجبور ہو کر قرآن حکیم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور یہ اقرار سب سے اول

ان کی ادبی فطرت کی بنا پر ظہور میں آیا۔

اصمعی دورِ اسلام کا شاعر کہتا ہے کہ میں نے جب ایک لونڈی کی زبان سے یہ کلمہ سنا "استغفر اللہ مِن ذنوبی کلھا" تو میں نے اس سے کہا "اے تیرا ناس جائے تو کتنی فصیح ہے! تو اس نے فوراً جواب دیا کہ باری تعالیٰ کے اس کلام کے سامنے میری فصاحت کی کیا حقیقت ہے! یہ کلام فصیح تو سنئے :-

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْہِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْہِ فَاَلْقِیْہِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْہُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْہُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ (سورۃ القصص آیت ۷)

اس کلام کے سامنے میرے کلام کی فصاحت کیا حقیقت رکھتی ہے، یہ ایک آیت ہے، اس میں دو امر ہیں، دو نہی ہیں، دو خبریں اور دو بشارتیں ہیں، یہ بھی قرآن پاک کے اعجاز کی ایک نوع ہے جس میں وہ منفرد ہے۔

قرآن نے عربوں کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا

جس طرح زمانہ انقلاب آفریں ہوتا ہے اسی طرح قرآن حکیم نے عربوں کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کردیا اور ان کی پچھلی حالت کو یکسر بدل ڈالا اور ان کی جاہلیت کی زندگی کی بنیادوں کو اکھاڑ کر پھینک دیا اور ان کی اجتماعی زندگی کے لئے ایک نئی بنیاد فراہم کردی اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ احکام قرآنی کے سامنے کس طرح اپنا سر تسلیم خم کرتے، قرآن حکیم کے اس تاثر کی صدہا مثالیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ رسالت کے ابتدائی دور کی موجود ہیں۔

چونکہ یہ انقلاب ایک فطری انقلاب تھا اس لئے ان احکام فطرت کو قبول کرنے میں جو قرآن حکیم نے ان کو دیئے تھے، چون وچرا کی بالکل گنجائش نہیں تھی اگر یہ احکام عقلی یا وہمی ہوتے تو اس سے اعراض کرنے کی گنجائش خود بخود نکل آتی، اگرچہ کفار نے کج بحثیوں سے کام لیا اور دین فطرت کے قبول کرنے سے پہلو تہی کرتے رہے لیکن تابکے! بہت جلد اس فطری انقلاب کو انھوں نے قبول کرلیا اور دین حنیف کی اطاعت کا حلقہ بطیب خاطر اپنے گلوں میں ڈال کر

عصیاں اور سرکشی کی دلدل سے نکل آئے !

اعجاز قرآن کے حقائق

اعجاز قرآن کے سلسلے میں اوراق سابقہ میں مختصراً کچھ عرض کیا ہے۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے اس امر کی وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ حقیقت اعجاز کے سلسلہ میں بھی کچھ کہا جائے، اعجاز قرآن کے سلسلے میں متکلمین کی آراء کو پیش کرنا یہاں ضروری نہیں ہے کہ ان آرائے متکلمین کو پیش کرنا اور ان پر جرح و تعدیل ایک طویل بحث کا رخ اختیار کرے گا۔ اس لئے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے "حقیقتِ اعجاز" کے سلسلے میں کچھ عرض کر رہا ہوں !

نظم قرآن، حسن تالیف، اسلوب قرآن، بیان مطالب میں کلمات بلیغ کا استعمال اسرار لغوی اور اظہار مقصود پر کمالِ رسائی، کلمات کی تالیف میں محاسن صوری و باطنی کا پورا پورا استعمال۔ الفاظ کی آہنگ دلپذیر اور معنی سے ان کی ہم آہنگی۔ حسن تالیف کا استحکام اور محاکات کا کمال خوبی ایسے نکات ہیں کہ جب ان پر غور کیا جاتا ہے اور فکر اس بے انتہاہ سمندر میں غوطہ زن ہو کر اپنا سر اٹھاتی ہے تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ قرآن حکیم ہر ایک اعتبار سے از اوّل تا آخر ایک معجزہ ہے ! اور اس سے معارضہ، انسانی قدرت اور دسترس میں نہیں ہے اور یہ اقرار کرنا ہی پڑتا ہے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے دوسرے آثار الوہیت کی طرح اس کی صفت اور جمال الوہیت کی ایک تجلی ہے اور وہ ایک ایسی اکائی ہے جو حروف و کلمات سے ترکیب پاکر حسین و دلگداز اور اثر آفریں آیات کے قالبوں میں ڈھل کر وجود میں آیا ہے جس طرح صورت انسانی بحیثیت مجموعی ایک ایسی اکائی ہے کہ تمام مجموعۂ کائنات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہی کچھ حال اس وحدتِ قرآنی کا ہے !

یہ کہنا عین حقیقت ہے کہ قرآن حکیم تاریخی نقطۂ نظر سے بھی اور حقائق علمی کے اشتمال کے لحاظ سے بھی ایک اعجاز ہے اور ایسا اعجاز کہ مرور زمانہ، حوادث دہر نہ اس پر

کبھی اثر انداز ہوئے اور نہ قیامت تک ہو سکیں گے۔ وہ ایک ازلی اور ابدی حقیقت ہے۔

قرآن حکیم ادبی نقطہ نگاہ سے

نزول قرآن کے وقت عرب اس سرمایہ سے قطعی محروم تھے جس پر ادبیات کا اطلاق ہوتا ہے کہ یہ لوگ فن تحریر سے نابلد تھے، تصنیف و تالیف کی راہ پر قدم کس طرح رکھتے۔ صرف شاعری و خطابت کے زبانی جوہر ان کے اندر موجود تھے اور صرف قوت حافظہ تک محدود تھے اس کو ادبیات سے کس طرح تعبیر کیا جائے۔ علم قیافہ، علم انساب، علم عیافہ[1]، کہانت، عرافت، علم طب اور علم تاریخ سے بھی واقف تھے۔ لیکن یہ علوم ان کو سینہ بسینہ حاصل ہوتے تھے، سفینہ در سفینہ حاصل کرنے سے محروم تھے لیکن بایں ہمہ قدرت کی طرف سے ان کو فصاحت و بلاغت کے عجیب جوہر عطا کئے گئے تھے۔ تاریخ کی اس حقیقت کو نہیں جھٹلایا جا سکتا کہ نزولِ قرآن کے دور میں عرب فصاحت و بلاغت کے اس مقام پر پہنچے ہوئے تھے جس کی نظیر دنیا میں موجود نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ اپنی زبان کی آراستگی اور ایسی بہتر سے بہتر زبان کے استعمال کی دھن میں لگے رہتے تھے جو اجتماعی زندگی کے ذہن سے زیادہ سے زیادہ مطابقت رکھتی ہو چنانچہ شعر گوئی اور شعر خوانی ان کی تفریح طبع کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ نہ صرف تفریح طبع بلکہ تفوق اور برتری کا ایک بہترین وسیلہ اور واسطہ بن گیا تھا۔

ان کی تمامتر ادبی خدمت کا حصر اس پر تھا کہ جہاں تک ممکن ہو شعرا اور لغت عرب کی ترویج میں مشغول رہا جائے، انھوں نے قبائل کی زبانوں کے لغوی اختلاف کو ختم کر کے لغت (زبان) قریش کو ایک مرکزی حیثیت دے دی تھی، اگر کوئی لفظ لغت قریش سے باہر ہوتا تو وہ اس کو ٹکسالی لفظ قرار دینے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہوئی کہ قریش کی لغت کے علاوہ سامی۔ آرامی۔ تدمری۔ نبطی زبانوں کے ہزاروں الفاظ گم ہو گئے

---

[1] علم عیافہ اور عرافت، عرب جاہلیت کے مشہور علوم تھے۔ عیافت پاؤں کے نشانات سے کسی شخص کا کھوج لگانا ہے اور عرافت؛ کہانت کی ایک قسم ہے۔ عرب جاہلیت میں عرافت اور عیافت کا بہت رواج تھا۔ ہزاروں اشعار اس موضوع پر جاہلیت کے شعرا کے یہاں موجود ہیں۔

اس لئے کہ ان کو قریش کی لغت میں جگہ نہیں مل سکی تھی[1]۔ اس طرح انھوں نے لغت عرب کی تہذیب و اصلاح کے لئے ایک مرکزیت کو جنم دے دیا تھا۔

اِن ادبی سرگرمیوں کے دور میں (اگر آپ ان کو ادبی سرگرمیاں کہنا روا رکھ سکتے ہیں) قرآن حکیم کا نزول شروع ہوا اور اس نے یہ منصب ان عربوں کے ہاتھ سے لیکر خود اپنے ذمّہ لے لیا۔

آپ تاریخ لغت عرب قبل اسلام پر تفحص و تلاش کی نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ لغت عرب کی مرکزیت کی یہ تیاری اور یہ تمام اہتمام گویا نزول قرآن کا مقدمہ تھا، روئے زمین کے کسی خطے میں سوائے جزیرہ نمائے عرب کے آپ کو کوئی ایسا ملک یا خطہ نہیں ملیگا اور ایسی کوئی قوم نظر نہیں آئے گی جس کی پرورش ایسے لغوی اور ادبی ماحول میں ہوئی ہو، یہی وجہ تھی کہ کلام کی تزئین و زیبائش اور تازگیٔ سخن ان کی نگاہوں میں بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ اور شاعری کا رواج ان میں اس حد تک ترقی کر چکا تھا اور ذوقِ شعری نے اس طرح ان میں نشو و نما پائی تھی کہ شعری مقابلوں کے لئے میلوں کا انعقاد ہوتا تھا۔ سوق عکاظ اس سلسلہ میں بہت مشہور ہے۔

یہ بات کس قدر تعجب آفریں ہے کہ وہ قوم جس نے اس ادبی ماحول میں نشو و نما پائی ہو اور شعر گوئی جس کا قومی ورثہ بن گیا ہو، وہ اس کو اپنا ایک ادبی معجزہ سمجھتے تھے۔ ان کے دین (بت پرستی) میں، ان کے علم و سیاست اور ان کی حیات اجتماعی کو تعمیر کرنے والے دوسرے عناصر ان کی شاعری سے بہترین اور کامل ترین صورت میں اخذ کئے جا سکتے ہیں[2]؛ وہی قوم اسلام قبول کرنے کے بعد ایک ایسی جماعت کی تربیت کرے کہ ان میں سے ہر ایک فرد کے اعمال و افعال، اس ادبی معجزہ کے علاوہ دوسری بلند اور اعلیٰ اقدار کے نمائندے ہوں یہ سب کچھ فیضان تھا اس قرآن کا جس کو صاحب قرآن نے ان کے سامنے پیش کیا اور جس کی لامتناہی خوبیوں نے (جن میں ایک خوبی یہ کمالِ ادبی بھی تھا) ان کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

۱۔ دیکھئے ارض القرآن جلد دوم۔

۲۔ ملاحظہ کیجئے، سبعہ معلقات اور عہد جاہلیت کے دوسرے شعراء کے قصائد۔

باوجودیکہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی فصیحانِ عرب میں نشوونما پائی تھی جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"میں افصح العرب ہوں میں قریش میں پیدا ہوا اور بنی سعد میں نشوونما پائی۔"

لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے طرز و روشِ تربیت سے بالکل متاثر نہیں ہوئے اور ان کے اخلاق و عادات سے (جو ان لوگوں کے حصے میں بطورِ توارث آئے تھے اور ان عربوں کی روح کی گہرائیوں تک ان اخلاق و عادات نے اثر و نفوذ پیدا کرلیا تھا) آپ خوگر نہیں ہوئے چنانچہ کچھ مدت بعد ہی آپؐ نے ان کے افکار و خیالات کی تحقیر و تکذیب کی، ان کی بت پرستی کے رواج کو درہم و برہم کردیا اور ان کی اور ان کے آباد اجداد کی جنھوں نے ان کو اس غلط راستے پر ڈالا تھا کھلم کھلاً تحقیر کی اور ان کو موردِ ملامت اور مستحقِ عذابِ نار قرار دیا یہاں تک کہ ان کو ان پسندیدہ خصائل اور اخلاقِ رذیلہ سے جو ان کا معمول بن گئے تھے بالکل پاک و صاف کردیا اور صراطِ مستقیم سے ان کو آشنا کیا، نتیجۃً اسلامی تعلیمات ان کی رگ و پے میں اس طرح سرایت کرگئیں گویا وہ مدت دراز سے ان کا معمول رہی ہیں اور اس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہدِ مسعود کو تاریخ کا ایک تابناک دور بنا دیا۔

"خیر القرون قرنی ثم قرن الذی یلونھم"

مسلمانوں کا تعلیماتِ قرآن کا خوگر ہو جانا

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ وہ قوم جو اس تربیتِ اسلامی کے تحت پروان چڑھی تھی، بہت ہی تھوڑی مدت میں تمام دنیا کی رہنما اور حکمران بن گئی اور تمام دنیا کی اس نصب العین کی طرف رہنمائی کی جو قرآنِ حکیم نے ان کے لئے مقرر کردیا تھا۔ اس وقت ان مسلمانوں کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان پاکیزہ تعلیمات کے ماحول میں انھوں نے ایک طویل زندگی بسر کی ہے اور اسلام کے نظریات ان میں اس درجہ مستحکم ہوگئے ہیں گویا وہ ان کے لئے امورِ طبیعیہ ہیں اور ان کی سرشت میں داخل ہیں۔ ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے کوئی فرد بھی نہ کبھی بداطوار رہا ہے اور نہ کج رو! ان حضرات میں سے کسی نے

نہ عنانِ عقل کو ہاتھ سے چھوڑا ہے اور نہ کبھی غلط راستے پر قدم رکھا۔ ہر حال میں استقلال و پامردی کا مظاہرہ کیا اور حسنِ اخلاق کی آخری منزل کو چھولیا، مذمائم اخلاق سے گویا کبھی ان کو سروکار ہی نہ تھا!

یہ سب وہی لوگ تو تھے کہ بُت پرستی جن کا شیوہ تھا، گندی اور پست ذہنیت کے نمایندے تھے، اِلّاماشاءاللہ! یہ سب کچھ فیضان تھا قرآن کی ان تعلیمات کا جس نے ان کی سرشت اور فطرت میں ادب کے راستے سے نفوذ کرکے، ان کی کایا پلٹ دی تھی، جبر و تعدّی کی راہ سے یہ نفوذ نہیں ہوا تھا کہ ان کی حمیّت اور غیرت قومی اس جبر و تعدّی کو قبول ہی نہیں کرسکتی تھی اور نہ خود اسلام کے پاس ایسے ہتھیار موجود تھے!

عربوں میں فصاحت و بلاغت کی اہمیت

اگر عربوں میں فصاحت و بلاغت کی اس قدر اہمیت نہ ہوتی جس کی طرف مختصراً اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کے اخلاق و طبائع کی تشکیل میں یہی کارفرما تھی اور ان کو جس طرف چاہتی تھی موڑ دیتی تھی اور وہ طبعاً اور فطرتاً خواہ مخواہ اس رہنمائی کو قبول کرلیتے تھے تو اگر قرآن حکیم فصاحت کے اِن اسرار سے معمور نہ ہوتا تو ان کی زندگی کی عنان اپنے ہاتھ میں لیکر ان کی زندگی کا رُخ کس طرح موڑ سکتا تھا اور ان کے افکار پر کس طرح غالب آسکتا تھا اور ان کے فطری رجحانات کے مقابل میں کس طرح قدم جما سکتا تھا چنانچہ ابتدائے حال میں تو قرآن حکیم کی تحدّی اور اس کے معارضہ سے ناچار ہوکر انھوں نے سرِ تسلیم خم کیا اور آخر میں جان و دل بھی اس کے لئے قربان کردیئے!

اگر قرآن حکیم اس ادبی کمال یعنی فصاحت و بلاغت کا حامل نہ ہوتا تو اس کو وہ اہمیت اور بلند درجہ ان لوگوں میں کس طرح حاصل ہوسکتا تھا اور اس کے احکام و فرامین کی پذیرائی اور انعقاد میں اس حد تک وہ کس طرح آگے آسکتے تھے کہ باپ کا فرزند بیٹے کے سامنے اور بیٹا اسلام سے بیزار باپ کے سامنے شمشیر بکف ہے، گھربار، دوست احباب کو چھوڑ رہے ہیں۔ عیش و آرام کو تج کرہنستے کھیلتے بے سروسامانی کو سینے سے لگا رہے ہیں!

اگر قرآن حکیم ان کے ادبی مذاق کا اس درجہ معجزانہ طور پر سروسامان فراہم نہ کرتا تو

کیا وہ اس کو یہ اہمیت دیتے، ہرگز نہیں۔ وہ اس کو بھی دوسری کتابوں کی طرح ایک عربی کتاب سمجھتے اور کتاب بھی کیا سمجھتے۔ کتاب کی ان کی نظر میں وقعت ہی کیا تھی وہ تو اُمی محض تھے۔ خطبا اور نسّابین یا شعراء کے ذریعہ ان تک تاریخ یا اخبار وصنادید بہم پہنچ جاتے تھے اسی کو وہ کافی سمجھتے تھے۔ وہ امیّہ بن ابی الصلت اور قس بن ساعدہ کے خطبات ہی میں مگن تھے اور ان کو اپنا قومی اور ملی سرمایہ شمار کرتے تھے۔

قرآن کا آسانی سے سمجھ میں آجانا بھی ایک معجزہ ہے

قرآن حکیم کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ایسی چیزوں کو پیش نہیں کیا ہے جو عام فہم نہ ہوں۔ نہ وہ مستقلاً ایک دستور سیاسی ہے جو ایک حکومت تشکیل دینے کے لئے نازل ہوا تھا کہ عربوں کو ایک مخصوص نظام سیاسی کے تحت لے آئے! اگر ایسا ہوتا تو یہ عرب جو طبعاً آزادی پسند واقع ہوئے ہیں، کسی ایک جگہ جم کر رہنا بھی ان کو گوارا نہ تھا، آج یہاں ہیں تو کل وہاں، ان کی اسی حریت پسندی نے سلاطین اکاسرہ وقیاصرہ اور یمن کے تبابعہ کے آگے سر اطاعت نہیں جھکانے دیا اور یہ سلاطین ان کو اپنا باجگذار نہ بنا سکے، تو یہ اس قدر جلد اسلام کے کس طرح مطیع ومنقاد بن سکتے تھے اور ایسے مطیع ومنقاد کہ مال وجان کی قربانیاں بیدریغ پیش کر دیں، عرب کی روحی زندگی کو اس طرح اپنا مطیع اور فرماں پذیر بنانے والی قرآن کی صرف ایک خصوصیت تھی اور وہ تھی اس کی فصاحت! اگر قرآن میں یہ فصاحت نہ ہوتی جو اس کا ایک اعجاز ہے تو عرب اس کے اس طرح مطیع ومنقاد نہیں بنتے۔ یہ قرآن حکیم کی فصاحت وبلاغت ہی تو تھی جس نے ان کو معارضہ میں عاجز کر دیا ورنہ جس طرح انھوں نے دوسرے قصیدوں، خطبوں، قصّوں کا رد کیا تھا اسی طرح وہ قرآن حکیم کے ایک ایک جملے اور ایک ایک کلمہ کا رد کرتے اور کبھی بھی عجز کا اظہار نہ کرتے۔ قرآن حکیم کی فصاحت نے ان کے سارے ادبی اور لسانی دَم خم ختم کر دیئے اور جب تک ایمان نہ لائے بجائے معارضہ کے اس کو سحر مستمر اور سحر یوثر کہتے رہے اور بس!

قرآنی تعلیمات کا مرکزی نقطہ صرف عہدِ جاہلیت ہی نہیں ہے

قرآن حکیم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کے مخاطب اولین وہی لوگ تھے جو عربی زبان پر نازاں تھے اس وجہ سے یہ خیال کرنا بالکل غلط اور بیجا ہے کہ قرآنی تعلیمات صرف عصر جاہلیت اور عہد جاہلیت کے لئے مخصوص تھیں! الحمدللہ کہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں، ایسا خیال کرنا بڑی نادانی ہے جب قرآن حکیم نے خود نشاندہی کی ہے کہ یہ قرآن بنی نوع انسان کی فوز و فلاح اور اس کی اصلاح کے لئے ہے اور ہم نے صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو نوع انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنایا ہے

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا،

"اور ہم نے آپ کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کافۃ النّاس کے لئے خوشخبری پہنچانے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے"!

پس قرآن حکیم کا مرتبہ اس بات سے کہیں بلند ہے کہ اس کی تعلیمات کا حصر عصر جاہلیت پر کیا جائے، بات صرف یہ ہے کہ قرآن حکیم نے سب سے اوّل ان لوگوں کو مخاطب کیا اور ان کی اصلاح کا سامان فراہم کیا جو اقوام عالم میں سب سے زیادہ زبوں حال تھے عربِ جاہلیت کی تاریخ آپ شروع میں مختصراً مطالعہ کر چکے ہیں "ایّام عرب فی جاہلیۃ" کے بارے میں بھی آپ کو آگاہی ہو چکی ہے۔ اسی درماندہ اور بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح مشیت الٰہی کو سب سے پہلے منظور تھی اور پھر اللہ تعالیٰ اسی بگڑی ہوئی قوم سے ایک ایسا پسندیدہ، صالح اور مضبوط معاشرہ پیدا کرنا چاہتا تھا کہ وہ ایک مثالی قوم بن جائے!

مثالی قوم بن جانے کے بعد وہ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لئے ان ہی تعلیمات قرآن کو لے کر اپنا قدم بڑھائے اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان قرآن اور ارشادات گرامی سے اس کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھار دے!

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِؕ

سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۰۴

اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ وہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات
کا حکم دیں اور بدی سے منع کریں؛

چنانچہ مسلمان اس حکم پر عامل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کا اظہار اس
اس طرح فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم
دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو!

سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عربوں میں ہوئی۔ آپ کی بعثت کا
اولین مقصد ان کی اصلاح تھی۔ دعوت اسلامی کا طریقہ کار خود قرآن حکیم نے متعین فرمایا
چنانچہ سب سے پہلے گھر کے لوگوں اور عزیز و اقارب کو دعوتِ اسلام دی گئی پھر دائرہ کار اور
بڑھا اور کفار قریش کی بحیثیت مجموعی اصلاح کا حکم ہوا اور جب سرزمین حجاز میں
ایک صالح، مدبّر و منتظم قوم تیار ہو گئی تو پھر بنی نوع انسان کی اصلاح کا کام اس قوم
کے سپرد کر دیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دور خلافت راشدہ
میں اس آواز حق کو کہاں کہاں تک پہنچایا گیا تاریخ کے صفحات پر اس کی تفصیل موجود ہے
خلافت راشدہ کے بعد، امویوں، عباسیوں، غزنویوں، سلجوقیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ
انھوں نے ان تعلیمات کو دنیا کے کن کن گوشوں تک پہنچا کر دم لیا؛

"دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں"

یہ نکتہ اپنے دامن میں بڑی وسعت رکھتا ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔
عرب جغرافیائی اعتبار سے پُرخطر، ہولناک اور متوحش میدانوں میں زندگی بسر
کرتے تھے۔ باوجود جبلّی اور فطری شجاعت کے جن کے ذکر سے "ایّام عرب" کے تذکرے معمور ہیں،
وہ دور حجری کے انسان کی طرح توہم کا شکار رکھتے، غول بیابانی، جنّات و نسناس کے

وضعی تصوّات ان کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے جس کے نتیجہ میں کہانت، عرافت، جنگلی پرندوں کی پرواز سے سعد و نحس کا قیاس کرنے اور شگون لینے کے عادی تھے۔ جن سے ستارہ پرستی اور بت پرستی کی جڑیں ان کے اندر بہت گہری ہوگئی تھیں اور ان خرافات نے ان کو اتنا مرعوب کرلیا تھا کہ ان کی شجاعت کی قوتوں، ان کی صلابت رائے اور پختہ عزم نے ان ڈھکوسلوں کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ چونکہ ان کے آباؤ اجداد سے بطور توارث یہی خرافات ان کو ملی تھیں لہٰذا ایک طرف تو وہ اپنے آباؤ اجداد کی شجاعت کے گن گاتے تھے اور دوسری طرف جہالت سے فطرتاً ان مافوق الفطرت عناصر کو اپنی زندگی کے ہر انداز اور وطیرے پر کارفرما سمجھتے تھے۔

قرآن نے ان کے ان بودے اور لغو خیالات کے خلاف آواز بلند کی، ان سے نسلی تفاخر مٹایا اور انفرادی اور اجتماعی طور پر ان کو سعی و عمل کے لئے ابھارا، نسلی تفاخر اور جاہلی تکبّر کو ان سے دور کیا اور اس راہ میں ان کو اس منزل پر پہنچا دیا جہاں آبا و اجداد کے یہ کارنامے ان کو پست نظر آنے لگے۔ اس اوہام پرستی سے نجات بخشنے کے لئے ان کے حواس عقلی کو جلا بخشی اور فہم و فراست کی سربلندیوں سے ممتاز و مفتخر کیا۔ ان کو اسرار قدرت اور حقائق طبعی سے باخبر بنایا اور ان کو باور کرایا کہ:۔

۱۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۔ سورۃ الجاثیہ آیت ۱۲

۲۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۔ سورۃ ابراہیم آیت ۳۲

۳۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔ سورۃ النحل آیت ۱۲

۴۔ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا ۔ سورۃ النحل آیت ۱۴

یہ تمام کائنات تمھارے دائرہ تسخیر میں ہے نہ کہ تم اس کے مسخر بن جاؤ اور ان آثار قدرت کی پوجا پاٹ میں لگ جاؤ! ان کو اوہام باطلہ و وساوس شیطانی اور تخیلات کی نیرنگ

کے آگے سر جھکانے سے روکا۔ اس دعوت قرآنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں ثبات عقل پیدا ہوا، روح کو ایک نئی بالیدگی حاصل ہوئی اور علم و عمل کی راہ پر گامزن ہو گئے اور پھر یہی جاہل و وحشی قوم قرآنی تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ ہو کر زمانے بھر کے لئے ایک مشعل فروزاں بن گئی، تمام دنیا کو حریتِ فکر و خیال سے نوازا، علم حکمت اور عرفان کے خزانوں سے انھوں نے اپنی جھولیاں بھریں اور بے دریغ دوسروں کو بھی اس سے متمتع ہونے کا موقع دیا۔

قرآن حکیم نے عربوں کی طبائع اور رجحانات کو مغلوب بنالیا

تاریخ میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے کہ ایک قوم نے کلیتہً ایک ایسے فرد کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو جس نے اُن کو اجداد کے دین سے بیزار کیا اور ان کے دین (بت پرستی) و آئین کے کھوکھلے پن کو ان کے سامنے ظاہر کر دیا ہو، باوجودیکہ اس کے پاس نہ طاقت تھی نہ دولت اور نہ بیشمار رسا تھی جس نے اس انقلاب کا آغاز تنہا کیا ہو اور اُن کے قوی خصائل سے برسر پیکار ہوا ہو اور پھر یہی اس کے ایسے منقاد و مطیع ہو جائیں اور اس کے ایسے جاں نثار بن جائیں کہ اس کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہوں، اور وہ ذات جس نے ان میں اس انقلاب کی روح کو بیدار کیا کہ وہ اُن کے افکار پر اس قدر غالب آجائے اور ان کے ارادوں کا مالک بنجائے، یہ اسی وقت ممکن ہے کہ وہ ان کے عواطف و میلانات پر اس طرح چھا جائے کہ جس راہ پر ان کو لیجانا چاہے ان کا قدم اسی راہ پر اٹھے اور کوئی پس و پیش نہ ہو۔ عربوں کی سرشت میں اطاعت و فرماں پذیری کا یہ جذبہ صرف قرآن کے ذریعہ پیدا ہوا ورنہ آجتک عرب ایسے انقلاب فطری سے دوچار نہیں ہوئے تھے، اُن کی فطرت کا یہ انقلاب قرآن حکیم کے اعجاز اور حسن اسلوب و اس کی بے نظیر تاثیر کا مرہون ہے۔ جس کو عرب "سحر" سے تعبیر کرتے تھے جو اس کی توصیف کا کمترین لیکن غیر واقعی اظہار ہے۔

اِعجازِ قرآن کے اہم پہلو

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے سلسلہ میں سب سے پہلے اِعجازِ قرآن کا بیان کرنا ضروری ہے اگرچہ قرآن حکیم کا اعجاز اور اس کی فصاحت و بلاغت کا کماحقہٗ اِدراک فہم اِنسان کی قدرت و قوت سے باہر ہے لیکن جس طرح اصحابِ علم و فضل نے قرآن حکیم سے متعدد علوم و فنون کو اخذ کیا ہے اسی طرح قرآن حکیم کے الفاظ، جملے جملوں کی تالیف، ان کا ربطِ باہمی، ان کا نظم، ان کے فواصل، مطالع اور مقاطع، اسلوب بیان اور اندازِ خطاب سے متقدمین، متوسطین اور متاخرین علماء نے فصاحت و بلاغت اور معانی و بیان کے نکات کو اخذ کیا ہے جب کہ نزولِ قرآن کے وقت یہ علوم موجود نہ تھے بلکہ ان علوم و فنون کا مبنیٰ و مصدر قرآن حکیم ہی ہے اور دوسری صدی ہجری میں اس موضوع پر قلم اٹھایا گیا اور اسی کے بعد اس فن پر باقاعدہ تصنیف کا کام شروع ہوگیا، اس سلسلہ میں علّامہ جاحظ (م ۲۵۵ھ) کی کتاب "البیان والتبین" کو اکثر حضرات نے اوّلیتؔ کا شرف عطا کیا ہے جبکہ "البیان والتبین" خطابت اور بیان کے موضوع پر ہے اگرچہ خطابت اور بیان بھی موضوعِ بلاغت کے تحت آتے ہیں۔ "البیان والتبین" ایک قسم کی تاریخ خطابت ہے اور اس موضوع پر اس کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ علّامہ جاحظ نے اپنے بیان کی توثیق اور تائید کے لئے شعرائے عرب کے اشعار کو بکثرت استعمال کیا ہے اِن شعراء میں عصرِ جاہلیت کے شاعروں کی کثرت ہے۔ بایں ہمہ "البیان والتبین" کو "بلاغت و فصاحت قرآن" کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ ان کی کتاب "نظم القرآن" اس موضوع پر پہلی تصنیف کہی جاسکتی ہے۔ لیکن فی زمانانہ یہ کتاب دستیاب نہیں ہے!

چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں علّامہ قاضی ابوبکر باقلانیؒ نے ایک جامع اور مبسوط کتاب "اعجاز القرآن" کے نام سے تصنیف کی جو دستیاب ہے لیکن کمیاب ہے۔ علّامہ باقلانی

کی تصنیف نے اس موضوع پر مزید لکھنے کی راہ ہموار کردی۔ اس سلسلہ میں علامہ جاحظ کو اس فن کا مخترع کہا جا سکتا ہے کہ اس سے پہلے اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں تھی، البتہ اس موضوع پر شرح و بسط سے لکھنے والوں میں چند حضرات ہیں ان میں ایک علامہ ابوعبداللہ بن یزید واسطی ہیں اور ان کی تصنیف "اعجاز القرآن" بہت ہی جامع کتاب ہے۔ علامہ عبدالقاہر جرجانی نے اس کی شرح بڑی تفصیل سے لکھی ہے اس شرح کا نام "المعتضد" ہے یہ ایسی جامع اور کامل شرح ہے کہ اس کو علامہ جرجانی کی ایک مستقل تصنیف سمجھا گیا۔ علامہ ابوعیسیٰ رمانی نے بھی اس موضوع پر چوتھی صدی ہجری میں قلم اٹھایا اور ان کی تصنیف بھی "اعجاز القرآن" کے نام سے موسوم ہے۔ المعتضد اور رمانی کی اعجاز القرآن علامہ باقلانی سے پہلے لکھی جانے والی تصانیف ہیں، یہ ضرور اعتراف کرنا پڑے گا کہ امام باقلانی (م ۴۰۳ھ) نے اس فن کو کمال پر پہنچا دیا۔ اعجاز القرآن کے موضوع پر علامہ باقلانیؒ کے بعد قلم اٹھانے والے امام خطابی ہیں۔ اس موضوع پر امام فخرالدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ) نے بھی قلم اٹھایا، امام رازی کے بعد ابن ابی الاصبعؒ (م ۶۵۴ھ) نے اور علامہ زملکانیؒ (م ۷۲۷ھ) نے اس موضوع پر لکھا ہے۔ ان حضرات سے قبل علامہ قاضی عیاضؒ اندلسی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب الشفا بتعریف حقوق مصطفیٰ میں اعجاز القرآن پر ضمناً بعض مباحث پیش کئے ہیں۔ الشفا حقیقت میں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر ایک گرانقدر کتاب ہے۔ نویں صدی ہجری میں علامہ سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن تصنیف کی جو قرآن حکیم کی زبان (عربی) پر ایک بہت ہی گراں مایہ تصنیف ہے اور اس میں بعض مباحث ایسے آگئے ہیں جن کا تعلق فصاحت و بلاغت سے ہے۔

ہمارے ان علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اعجاز قرآن پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ایک بہت ہی گرانقدر سرمایہ ہے۔ ان حضرات نے ہر ہر جہت اور ہر پہلو سے قرآن حکیم میں غور و تدبر کے بعد جو نتائج اخذ کئے ہیں انھوں نے قرآن حکیم کی ادبی، لسانی اور معنوی خصوصیات کو اجاگر کر دیا ہے۔ اگرچہ قرآن بنفسہ ان خصوصیات کے اظہار کے بغیر بھی منہاج دین، دستور حیات انسانی اور تہذیب اخلاق کا ایک مکمل ضابطہ تھا اور آج بھی ہے لیکن بیان و زبان کے نکات اور اس کے محاسن سے جو ایک اعجاز ہے۔ خواص کی نظر تو مستنیر تھی لیکن عوام

اور وہ لوگ جو عدم کمالِ علمی کے باعث قرآن حکیم کے معجزات، زبان وبیان کی لطافتوں، حُسنِ تالیف، اس کے فواصل کے محاسن اور کمالِ نظم سے باخبر نہیں تھے ان حضرات کی مساعی کی بدولت اس متاعِ دین وایمان کی اِن خصوصیات سے بھی بقدرِ مبلغِ علم بہرہ وَر ہو گئے۔ اور یہی ان حضرات مصنفین کا اس سلسلہ میں مطمحِ نظر اور نصب العین تھا؛

معجزاتِ قرآن

تاریخی اور فکری نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کے معجزات میں۔ اجتماعی زندگی اس کی رشد وہدایت اور حقائق الہیہ کی طرف اس کی رہبری، اختلاف وتناقص کے مقابل میں اس کی استقامت اور سلامتی، نظامِ اسلامی کی مفصّل تشریح اخلاق اور فضیلت انسانی کا دستور العمل، گزشتہ اور آئندہ کے اخبار ہیں، مفسّرین کے نکتہ نگاہ کے لحاظ سے قرآن کے عظیم معجزات میں اس کے یہ موارد ہیں؛

قرآنِ حکیم کی بلاغت اور معانی کی ہمہ گیری

استیفائے معانی اور حسنِ عبارت، فصاحت کے ضروری عناصر ہیں۔ اس لحاظ سے اگر دیکھئے تو قرآن پاک اپنی بلاغت وفصاحت جزالت الفاظ، معانی پر کامل رسائی اور بھرپور گرفت میں بے نظیر ہے۔ معانی کے لحاظ سے قرآن حکیم نے دقیق معانی کو ایسے الفاظ میں پیش کیا ہے کہ ذہن ان کی طرف فوراً منتقل ہو جاتا ہے اور ہر قاری قرآن جو ادراک معانی وآگاہی مطالب سے بہرہ ور ہے ان الفاظ کے ذریعہ سے مقصودِ اصلی اور حقیقی معانی سے مستفید ہو جاتا ہے۔ قرآنی عبارات کا باہمی ربط اور حسن ونظم اس قدر محکم واستوار ہے کہ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں یہ حسنِ نظم اور تناسب مفقود ہو۔ انسانی کلام میں الفاظ کی معانی تک یہ رسائی اور معانی والفاظ کا یہ تناسب باہمی ناممکن ہے؛

معنوی نقطۂ نظر سے قرآن کا اعجاز

قرآن حکیم نے دقیق معانی اور مطالب کو مختصر سی مختصر عبارت میں بڑے حسن وخوبی سے بیان کیا ہے، مثلاً طوفان نوحؑ کے سلسلہ میں اس مختصر عبارت (چند الفاظ) میں عجیب وغریب، دل نشین آہنگ کے ساتھ وسیع مفہوم اپنے اندر سمویا ہے۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ

اَقْلِعِیْ وَ غِیْضَ الْمَآءُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَ قِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○

سورۃ ہود - آیت ۴۴

اِن چند الفاظ میں ایک طویل تاریخ (معنوی حیثیت سے) پنہاں ہے۔ طوفان کا پہاڑ کی چوٹیوں سے گزر جانا پھر اللہ تعالیٰ کا خطاب زمین اور آسمان سے کہ "اے زمین اپنے پانی کو نگل لے اور اے آسمان اب (پانی برسانے سے) تھم جا، اس حکم کے بعد طوفان کا سلسلہ زمین و آسمان سے ختم ہو جانا اور نوح علیہ السلام کی کشتی کا سلسلہ ارارات کی پہاڑی "جودی" پر پہنچ کر رُک جانا اور ظالموں کا تباہی پر منتج انجام کی پوری تفصیل ان الفاظ میں ہے، پھر اَبْلَعِیْ اور اَقْلِعِیْ کی صوتی ہم آہنگی اور ان کا رُوح پرور کیف آپ اپنی نظیر ہے۔ ان چند الفاظ میں، زمین و آسمان کا مطیع فرمان ہونا، انسان کی سرکشی اور اس کا ثمرہ، دونوں موجود ہیں۔ جلالت حکم الٰہی کا اس میں حسین پرتو ہے۔ خطاکاروں کے لئے انذار و وعید ہے اور اس وعدے کا ایفا بھی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔

اعجاز کثرت معانی و الفاظ قلیل

قرآن مجید جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے الفاظ قلیل میں معنی کثیرہ کو بیان کرتا ہے اس طرح کہ انسان اس کے مثل لانے پر قادر نہیں ہے۔ قرآن حکیم ایسی محکم و متشابہات آیات کا حامل ہے کہ بہت ہی مختصر عبارت یا چند الفاظ میں معانی کثیرہ کو بیان فرما دیا ہے مثلاً:- " وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَ لَا تَخَافِیْ وَ لَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○

اس ارشاد گرامی پر غور کیجئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، فرعون کے اس ظالمانہ حکم سے کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا خوف زدہ ہونا، اللہ تعالیٰ کا ان کی ڈھارس بندھانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل کے سپرد کرنے کا کام، حضرت موسیٰؑ کا پھر آغوش مادر میں پہنچ جانے کی بشارت،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری کے عطا کرنے کی نوید! چند الفاظ میں اس تفصیلی واقعہ کو کمال اعجاز و ایجاز کے ساتھ بیان فرما دیا اور پھر ایک آیت میں دو حکایتیں (جن کی اوپر تصریح کی گئی) دو بشارتیں، دو امر اور دو نہی موجود ہیں، بایں ہمہ الفاظ و کلمات عمومی اور خصوصی معانی کے مظہر ہیں؛

ترجمہ آیات: "پھر جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو (جاسوسوں کے مطلع ہو جانے کا) اندیشہ ہو تو ان کو دریائے نیل میں ڈال دینا اور نہ تو (ان کی ہلاکت کا) اندیشہ کرنا اور نہ (مفارقت پر) غم کرنا کیونکہ ہم ضرور پھر ان کو تمہارے ہی پاس واپس لائیں گے اور پھر (اپنے وقت پر) ان کو پیغمبر بنا دیں گے"؛

آپ نے غور فرمایا کہ الفاظ قلیل ہیں کتنے معانی پنہاں ہیں؛

اعجاز قرآن جمیع علوم کے اعتبار سے

قرآن حکیم میں اتنے علوم جمع کر دیئے گئے ہیں کہ بشر ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ صرف قرآن کریم کی الہامی زبان کے بارے میں متعدد علمائے کرام نے قلم اٹھایا ہے، نویں صدی ہجری میں علامہ سیوطیؒ نے دو جلدوں میں باعتبار زبان و بیان بہت سے علوم قرآن کو "الاتقان" میں بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ان کو خصوصی طور پر فہم قرآن کے نور دانش سے مستفید فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ چونکہ تمام علوم کا جامع اور دانا ہے، وہی جانتا ہے کہ قرآن حکیم میں کس قدر علوم اس نے جمع فرما دیئے ہیں۔ انسان نے بقدر طاقت بشری ان علوم کا جو کچھ کھوج لگایا ہے اور تفحص و تتبع اور وسعت نظر سے کام لیا ہے۔ اسی کے نتیجہ میں یہ کہا گیا ہے کہ قرآن حکیم میں علم طبیعیات بھی ہے اور علم نفسیات بھی! علم الاخلاق بھی ہے اور علم فلکیات بھی، اس میں علم طب بھی ہے، علم الاخلاق، تدبیر منزل، سیاست بدن۔ جویات، علم نجوم اور علم ہیئت بھی اس میں موجود ہے، معاشیات بھی اور سیاسیات بھی۔ غرضکہ بشری زندگی کے تمام علوم سے وہ مملو اور مشحون ہے اس لئے حیات انسانی کی رہنمائی کا اس کا دعویٰ برحق ہے جس کا کوئی بھی بطلان نہ کر سکا؛

توحید پر اس کے اٹل دلائل و براہینِ قاطع بھی اس کا اعجاز ہے

قرآن حکیم کے معجزات میں سے اس کا یہ عظیم معجزہ ہے کہ اس نے توحید پر جو دلائل و براہین پیش کیے ہیں وہ ناقابل تردید ہیں، انسان کی معنوی و مادی زندگی (حیات دنیاوی اور معاد) کے تمام اسباب و علل اور انسان کی عقل و دانش کے تمام اقدار اور اس کی اجتماعی ہیئت کے تمام مبادیات، اللہ تعالیٰ کی توحید تنزیہ و تقدیس سے مقرون اور وابستہ ہیں جس پر ان تمام جہات کا مدار ہے اور ان تمام شیون کا مبنیٰ اسی کی ذات واجب الوجود ہے۔ دلائل و براہینِ توحید سے ثنویت کے پرستاروں، اور دہریوں کے نظریات، نیچریوں کے دعاوی کا مسکت جواب دیا ہے اور ان کے باطل نظریات کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے ہیں!

سورۂ اخلاص، چار آیات پر مشتمل ہے اور یہ چاروں آیات تثلیث کے پرستاروں ثنویت کا اقرار کرنے والوں، نیچریوں اور دہریوں کے نظریات پر ایک ضرب کاری ہے!

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

اعجاز قرآن اُمم سابقہ اور قرونِ ماضیہ کے بیان میں

قرآن پاک نے جن امم سابقہ کے اذکار و احوال کو بصورت قصص برائے عبرت بیان کیا ہے ان میں سے ہر ایک واقعہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے سعادت اور شقاوت کا ایک ایسا جامع مرقع ہے کہ انسان اس سے سعادت کا سبق حاصل کر سکتا ہے اور شقاوت ابدی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اصحاب کہف کا واقعہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور منصب نبوت پر فائز ہونے کا واقعہ، ذوالقرنین و یاجوج و ماجوج کے بارے میں اخبار، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اور دوسرے انبیائے کرام کی سیرت، اقوام قدیمہ کی نافرمانی اور ان کا انجام، عاد و ثمود کی بربادی بصیرت انسانی کا ایک عظیم سرمایہ ہے!

یہاں اُمم سابقہ کی نافرمانی، ان کی سرکشی اور ان کے عبرت آگیں انجام کی تفصیلا

قرآن حکیم کے ارشادات سے پیش کرنا بہت دشوار ہے اور اطناب کا موجب ہے، یہ محدود اوراق اس کے متحمل نہیں ہوسکتے اس لئے حوالہ جات پر اکتفا کروں گا اور صرف سورۃ کی نشاندہی کردوں گا۔ قارئین اگر چاہیں تو اس حوالہ سے ان واقعات کا مطالعہ کرسکتے ہیں، میں جن سورتوں کا حوالہ دے رہا ہوں ان ہی پر حصر نہیں ہے ان سورتوں کے علاوہ بھی یہ موضوع قرآن حکیم میں موجود ہے، مگر اختصار کے ساتھ؛ مندرجہ ذیل سورتوں میں امم ماضیہ کے حالات اور ان کا عبرت ناک انجام تفصیل سے موجود ہے:۔

عنوان	سورۃ
۱۔ حضرت نوح علیہ السلام، اور آپ کی اُمت کا انجام	الاعراف۔ یونس۔ ھود۔ الانبیاء، المومنون۔ الشعراء، والصّٰفّٰت، نوح
۲۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل۔	البقرہ۔ آل عمران۔ النساء۔ المائدہ الاعراف۔ ابراہیم۔ النحل۔ بنی اسرائیل طٰہٰ۔ النمل۔ القصص۔
۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون،	المومن؛ العنکبوت؛
۴۔ حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد؛	الاعراف۔ ہود۔ الشعراء۔ حٰمٓ سجدہ حآقّہ
۵۔ حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود؛	الاعراف۔ الحجر۔ الشعراء۔ الذّٰریات القمر۔ الشمس۔
۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود؛	الانبیاء۔ الشعراء۔ العنکبوت
۷۔ حضرت لوط علیہ السلام اور قوم لوط؛	الاعراف۔ ھود۔ الحجر۔ الانبیاء۔ الشعراء النمل۔ العنکبوت؛
۸۔ اصحاب الاخدود؛	البروج؛
۹۔ اصحاب القریہ،	یٰسٓ؛

۱۰۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور اصحاب ایکہ — الاعراف، ھود، الحجر، الشعرآء؛

۱۱۔ ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج۔ — الانبیآء؛

اب تک جو کچھ مختصراً اعجازِ قرآن کے سلسلے میں بیان کیا اس کا تعلق افراد اور اقوام اور ایک اجتماعی زندگی سے تھا۔ اب آیئے قرآن کے اعجاز کو اس کے الفاظ اور معانی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے۔ چونکہ معانی سے پہلے لفظ مقدم ہے اس لئے سب سے پہلے اعجاز قرآنی کو اس کے الفاظ کے اعتبار سے دیکھتے ہیں؛

اعجاز قرآنی الفاظ کے اعتبار سے

قرآن حکیم کے الفاظ کی صوتی ہم آہنگی، ان کی سلاست اور معنیٰ پر پوری پوری دلالت اور ان کی متانت بھی ایک معجزہ ہے۔ مثلاً ضِیزیٰ۔ ضنکا۔ بَطْشَ۔ فُؤادُ؛ میں جو متانت اور صوتیات کے اعتبار سے جو اثر آفرینی ہے وہ ظاہر ہے۔ جزل و سہل کے درمیان ان کا ایک خصوصی مقام ہے۔ ناممکن ہے کہ کسی ایک لفظ کو ہٹا کر کوئی دوسرا ہم معنی لفظ اس کی جگہ رکھ دیا جائے وہ لفظ خود بول اٹھے گا کہ یہ میرا صحیح مقام نہیں ہے۔ مثلاً مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَی میں فؤاد کی جگہ دوسرا مترادف لفظ قلب اگر رکھ دیا جائے تو اسلوب قرآن ہی کے خلاف نہ ہوگا بلکہ اس میں ایسا ضعف تالیف پیدا ہو جائے گا جو خود غمازی کریگا اس قبیل کی صدہا مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مختلف قبائلِ عرب کے جو الفاظ قرآن حکیم میں استعمال ہوئے ہیں ان کو ہی لے لیجئے ہر لفظ اپنی جگہ برمحل، مقدس اور کیفِ معانی کا مظہر ہے!

اعجاز قرآنی باعتبار نقلِ الفاظ بمنزلہ معانی

چونکہ یہ الفاظ وحی کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے گئے تھے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذہن میں محفوظ رکھ کر امت تک ان کو پہنچایا اس اخذ و ابلاغ میں کوئی کلمہ یا کوئی لفظ ایسا نہ تھا اور نہ آئندہ ہوگا جس میں کسی قسم کا خلل واقع ہوا ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا وعدہ فرمایا تھا کہ:۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (اور لے پیغمبر اپنی زبان مت ہلائیے جلدی نہ کیجئے) اور اسی سلسلہ میں فرمایا فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ اور جب آپ پر اس قرآن (کی کسی آیت) کا نزول ہو تو آپ صرف سماعت کرتے رہیں کیونکہ اس قرآن کا آپ کے سینۂ اطہر میں جمع کر دینا ہماری ذمہ داری ہے اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ آپ کے سینے میں اس کا جمع کر دینا اور آپ کی زبان سے پڑھوا دینا پس نہ کوئی لفظ یا کلمہ کسی دوسرے معنی میں منتقل کیا گیا نہ دوسرے مشابہہ الفاظ سے ان کو بدلہ گیا۔ قرآن پاک لفظ و معنی کے اعتبار سے وہی آج تک ہے جو خالق کونین جل و علا کی جانب سے صادر ہوا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے وسیلے سے پیغمبر حق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان گہربار نے بغیر کسی تجزیہ یا تغیر کے مسلمانوں تک پہنچا دیا۔

یہ قرآنِ حمید ان ہی الفاظ و ترکیبات و لغت و معانی کے ساتھ جس کی تنظیم و تنسیق عالم بالا میں ہوئی تھی نازل ہوا اور بعینہ اس کا ابلاغ سرور کونین کی لسانِ دُربار سے ہوا۔ وحی الٰہی کے نزول اور اس کے ابلاغ میں کوئی کلمہ یا لفظ نہ تبدیل ہوا اور نہ کچھ اس پر اضافہ کیا گیا، جیسا کہ اوپر پیش کردہ آیات سے منظر ہے۔

نقلِ الفاظ کے اعتبار سے قرآن حکیم اس قدر محکم و متین اور پائیدار ہے اور ایک مستقل اجرا کا ضامن ہے کہ جب تک اس کائنات میں انسان کا وجود ہے مرورِ زمانہ (اس کے انقلابات) اس میں کسی قسم کا اختلال اور تبدیلی پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوگا اور تمکان و زمان اس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں جس طرح وہ عرب میں پڑھا جاتا تھا اسی طرح مشرق بعید (انڈونیشیا) میں بھی پڑھا جاتا تھا اور جس طرح آج عرب اور ممالک اسلامیہ میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے اسی طرح چین و جاپان اور برونئی میں بھی پڑھا جاتا ہے حوادث عالم کبھی بھی اس میں ایک حرف، ایک لفظ یا زیر و زبر کے تغیر پر قادر نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں۔

دنیا میں مختلف زبانیں بولنے والے ہیں اور مختلف نسل ہائے انسانی کرۂ زمین پر کہیں بھی آباد ہوں اس کے نشر اور پھیلاؤ میں مانع اور مزاحم نہیں ہو سکتی ہیں۔

صحائف سابقہ کے خلاف قرآن اپنے اجزاء اور اپنے تحفظ کا خود ضامن ہے کہ کسی وقت بھی اس میں خلل راہ یاب نہیں ہو سکتا، قرآن کریم نے اس کے تحفظ کا خود ذمہ لیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

"بیشک ہم نے یہ قرآن اتارا ہے اور بیشک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

اختصاص میں بھی عمومیت کا پہلو دار ہونا قرآن کا اعجاز ہے

قرآن حکیم میں جہاں بشارت ہے یا وعید ہے ترغیب و ترہیب ہے، یا ماضی و مستقبل کے احوال کو بیان کیا ہے، قصص و امثال وغیرہ پیش کی ہیں یا حکم و موعظت کے موضوعات کے تحت جس قدر بھی آیات ہیں اگرچہ ان کا نزول ایک مقصد خاص کے تحت ہوا ہے اور قرآن حکیم نے اس مطلب خاص کو حکایت یا قصہ کی صورت میں بیان فرمایا ہے، باوجودیکہ اس کا نزول ایک موضوع خاص کا مورد ہے لیکن اگر حکمت کی نظر سے دیکھئے تو اس خصوص میں بھی ایک عمومیت موجود ہے۔ اختصاص کے ساتھ یہ عمومیت کا پہلو اور کسی کلام میں موجود نہیں ہے۔ قرآن حکیم اگر اس وصف کا حامل نہ ہوتا تو اس کے وہ مخصوص احکام آج کس طرح واجب الامتثال ہو سکتے تھے!

طویل و قصیر آیات اور سورتوں کا فرق اس کے اعجاز پر اثر انداز نہیں ہوتا

کتنی ہی قصیر و کوتاہ اور طویل سورۃ کو سامنے رکھ لیجئے اور اس پر غور و فکر کیجئے، قرآن حکیم کا اسلوب خاص اور انداز بیان کا کمال دونوں صورتوں میں آپ موجود پائیں گے، ان کی فصاحت میں قصیر و طویل ہونے کے باعث کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا، سورۃ الکوثر اور سورۃ الاخلاص میں جو لطف و حلاوت اور عذوبت ہے وہی عذوبت اور جلالت سورۃ البقرہ اور آل عمران میں ہے پس یہ بھی قرآن حکیم کا ایک معجزہ ہے حالانکہ اوّل الذکر دونوں سورتیں بہت چھوٹی ہیں اور موخر الذکر خاصی طویل ہیں، سورۃ الکوثر پر غور کیجئے، کس قدر چھوٹی سورۃ ہے لیکن اس میں بھی چار موضوع ہیں :۔

(۱) خبر نعمت، (۲) امر عبادت، (۳) نوید مسرت اور (۴) ابتلائے دشمن!

اعجاز قرآن بحسب ترکیب کلام

نثر میں کلام کرنے پر ہر ناطق کو دسترس حاصل ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ، کسی کا کلام آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے، اثر آفریں اور دل نشین ہوتا ہے اور کسی کا نہیں، اس کا تعلق ناطق کی عمر، تجربہ اور اس کے مبلغ علم سے ہے لیکن منظوم گفتگو کرنے پر بہت ہی کم لوگ قادر ہیں۔ البتہ غور و فکر کے بعد نثر کو نظم میں بدل دینے پر قادر ہیں۔ شاعری اسی غور و فکر کا نام ہے یعنی خیالات و جذبات کا اظہار موزوں کلمات کی ہیئت میں۔ پس کلام اس اعتبار سے دو انواع پر مشتمل ہوا، نثر اور نظم، یعنی انسانی کلام حسب الفاظ و ترکیب بیان نظم و نثر پر منقسم ہے لیکن یہ متفقہ فیصلہ ہے اور فیصلہ بھی کن کا "ان فصحائے عرب کا جو ایمان تو نہیں لائے لیکن قرآن کی ترکیب لفظی کو دیکھ کر حیران رہ گئے" وہ اس کو نہ نثر کہہ سکے اور نہ نظم! یہی وجہ ہے کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہی!

کلام الٰہی اپنے فواصل اور مقاطع کے اعتبار سے نظم تو نہیں لیکن نظم اور کلام موزوں کے مشابہ ہے، قرآن مجید کی تمام سورتوں میں یہ ہم آہنگ مقاطع اور فواصل موجود ہیں لیکن بایں ہمہ وہ نظم نہیں اور اسی طرح ان فواصل اور مقاطع کے باعث وہ نثر بھی نہیں پس دنیا میں قرآن حکیم ہی ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو اپنی ہیئت لفظی اور تالیف و ترکیب کے اعتبار سے نہ نثر ہے اور نہ نظم۔ جس کا نام خود الہامی زبان میں "وحی" ہے اور ان کا مجموعہ قرآن ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝

(سورۃ الحجر آیت ۱)

اسی قرآن مبین میں متعدد جگہ قرآن مجید اور قرآن مبین کو "کتاب" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کے منثور یا منظوم ہونے کی صفت اور حقیقت کو مشیت الٰہی نے ظاہر نہیں فرمایا اور نہ کلام و ادب کی اس تیسری قسم کو انسان پر ظاہر فرمایا۔ قرآن مجید از اول تا آخر وحی الٰہی ہے اور بس، وحی الٰہی کلام بشر کی کسی نوع کے تحت کس طرح آسکتی تھی اسی باعث نہ

وہ نثر ہے اور نہ نظم؛

معارضہ بشری سے تحفظ بھی اعجاز قرآن ہے

فصحائے عرب جب معارضۂ قرآن پر قادر نہ ہوسکے تو ان سب کو یہ کہتے ہی بن پڑی کہ بقول ولید انسان ایسا کلام کہنے پر قادر نہیں ہے چونکہ نطق، بیان اور فصاحت و بلاغت، موہبت الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں وہ جس کو چاہے اور جس قدر چاہے عطا فرمائے۔ لیکن جب یہی کمالات اس کی ذات سے بصورت قرآن (وحیٔ الٰہی) ظہور میں آئے تو ظاہر و باہر ہے کہ انسان کو ان کمالات سے دوسری صفات ذاتی کی طرح بہرہ مند نہیں کیا گیا تاکہ کلامِ خالق اور مخلوق میں فرق باقی رہے؛ بعض نادانوں اور کم عقلوں نے اس سلسلہ میں جسارت کی لیکن بالکل جسارت بیجا؛ کلام الٰہی کے معارضہ میں اٹھنے والی یہ چند نادان بالکل گمنام ہستیاں تھیں نہ اُن کی طلاقت لسانی کا شہرہ تھا، نہ فصاحت و بلاغت کے میدان میں وہ کوئی مقام رکھتے تھے چنانچہ مسیلمہ کذّاب نے معارضہ قرآن میں یہ کہکر اپنی نادانی، جہالت اور سفاہت کے ثبوت کے سوا اور کیا پیش کیا؛

یا ضفدع کم تشفنین لا الماء تکدرین ولا الشرب تمنعین ہ

مجھے اس مقام پر پہنچکر بے ساختہ اکبرالہ آبادی مرحوم کے یہ چار مصرعے یاد آ گئے ؎

کہا منصور نے خدا ہوں میں ڈارون بولے بوزنہ ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

مسیلمہ نے بھی اپنا بوزنہ پن ظاہر کردیا اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ خطاب تو دیکھئے کس سے کیا ہے۔ ضفدع (مینڈک) سے اور بجز اس کے اور کچھ نہ کہہ سکا کہ تین الفاظ کا سجع پیش کردیا۔ تشفنین۔ اکدرین۔ تمنعین۔ اور ان میں بھی نہ حسن معنوی ہے اور نہ حسن صوری!

عنسی نے بڑا تیر مارا تو بس یہ کہکر بیٹھ گیا:۔

الفیل وما الفیل، لہ ذنب وثیل وخرطوم طویل
فان ذلک من خلق ربنا لقلیل۔

نضر بن حارث اس کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکا :۔

وَالزَّارِعَاتِ زَرْعًا وَالْحَاصِدَاتِ حَصْدًا ۔ الطَّاحِنَاتِ طَحْنًا

وَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا وَالْخَابِزَاتِ خُبْزًا فَاللَّاقِمَاتِ لَقْمًا ؛

کسی عرب نے بھی داد دینا تو درکنار ان کی حماقت کے ان نمونوں پر کان نہیں دھرے حالانکہ ان کو اُمید تھی کہ منکران قرآن سے اس سجع کی ضرور داد ملے گی ؛

بہرحال اعجاز قرآن تو ہر حال میں ایک خرق عادت (معجزہ) تھا اور ہے اور جس طرح انسان سمندر کے خشک کر دینے یا مُردوں کو زندہ کر دینے پر قادر نہیں تھا اور نہ اس کی قدرت و استطاعت میں یہ بات تھی اور نہ ہے، اسی طرح معارضہ قرآن اس کی دسترس اور قدرت سے باہر تھا اور ہمیشہ رہے گا ۔

جس طرح اصحاب فکر و رائے اور صاحبان استدلال کے لئے قرآن ایک اعجاز ہے اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی وہ اعجاز ہے جو فقط حواس ظاہری سے ادراک معانی کرتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی جو حواس باطنی سے اس کے دقائق تک رسائی حاصل کرتے ہیں وہ ایک اعجاز ہے، وہ جس طرح خرد مندانِ لبیب و متکلمان بلیغ و فصیح کے لئے ایک اعجاز ہے اسی طرح ان کے لئے بھی جن کو عقل و فہم سے حظِ وافر نہیں ملا ہے وہ ایک معجزہ ہے ۔ غرضیکہ لوگوں کے تمام مختلف طبقات کے لئے جس میں دانشور بھی شامل ہیں اور سادہ لوح بھی، صاحبان ذکاوت بھی ہیں اور علوم سطحی رکھنے والے بھی ہر ایک اپنے اپنے ذوق اور شعور کی رسائی کے اعتبار سے قرآن کے الفاظ و معانی سے بہرہ مند ہوتے ہیں ؛

اصحاب علم و فضل نے اس کلام ربانی کی تفاسیر لکھیں، ہر ایک نے اپنے مبلغ علم، رسائی فہم سے قلم اٹھایا لیکن یہ دعویٰ کوئی بھی نہ کر سکا کہ ہم نے معانی قرآن، اور اس الہامی کتاب کے نکات کما حقہٗ واضح کر دیئے ۔ آج یہ تفاسیر موجود ہیں ۔ تصریح و تشریح کا یہ بیّن فرق ان میں آپ کو بخوبی نظر آئے گا ؛

قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت

قرآن حکیم کے اعجاز، اس کی فصاحت و بلاغت کے سلسلہ میں فصیحان عرب نے افرار میں اپنے سر جھکائے تھے اور ہر طرف اور ہر جگہ اس کی معجز نمائی کا چرچا تھا مسلمان اس مشعل ہدایت کو لیکر آگے بڑھتے چلے گئے اور پہلی صدی ہجری میں تمام دنیا پر چھاگئے لیکن افسوس کہ دوسری صدی ہجری میں متکلمین کے گروہ سے ایک ایسا فرقہ پیدا ہوگیا جس نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن حکیم مخلوق ہے یعنی معتزلہ نے، اس فرقہ نے اپنی کوز نگاہی سے اپنے دعوے کو دلائل سے بھی مبرہن کیا۔ حکومت عباسیہ کے دور عروج میں، عباسی سلاطین کی سرپرستی میں اس نظریہ کو پروان چڑھنے کے خوب خوب مواقع میسر آئے؛ لبید بن اعصم کوفی سب سے پہلا شخص ہے جس نے اس موضوع کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اس نے برملا یہ اعلان کیا کہ قرآن "مخلوق" ہے۔ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ ہی ایسے مرد مجاہد تھے کہ انھوں نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور پھر مصیبتوں کا پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑا ع

سعدی از دستِ خویشتن فریاد

فصیح البیان عربوں نے تو اس کے آگے سر جھکا دیا لیکن اسلام کے دعویداروں نے کج بحثیاں شروع کردیں اور کچھ مدت کے لئے ان کی کج فکری کا بازار گرم رہا۔

لبید بن اعصم کوفی کے بعد نظام اور سید مرتضیٰ کو اس راہ میں بہت آگے بڑھ جانے کے مواقع میسر آئے، ان کے بعد ابن حزم ظاہری نے متکلمین کے اس نظریہ کو اور زیادہ توانائی بخشی لیکن قدرت کی کرشمہ سازی کہ نظام ہی کے شاگرد رشید علامہ جاحظ نے اپنے استاد کے اس نظریہ کا بطلان کیا اور "نظم القرآن" جیسی بلند پایہ کتاب اس سلسلے میں تصنیف کی؛ علامہ جاحظ کے بعد کچھ اور ارباب فضل و کمال نے متکلمین کی ان آرا کا بطلان کیا اور ان کے اقوال کے ابطال کے لئے "اعجاز قرآن" پر اپنا قلم اٹھایا۔ متکلمین کی کی اس فریب کاری کے پردے کو چاک کرنے والوں میں بہت سے حضرات شامل ہیں۔ ان

حضرات نے اعجاز قرآن کے اثبات و دلائل ہی سے معتزلہ کا رد کیا اور ثابت کیا کہ قرآن مخلوق نہیں ہے :

اس موضوع پر اصل کام تیسری صدی ہجری سے شروع ہو گیا تھا چنانچہ علامہ جاحظؒ نے تیسری صدی ہجری کے آغاز ہی میں نظم القرآن تالیف کی۔ علامہ جاحظؒ کے بعد علامہ دوران امام ابوبکر باقلانیؒ نے (م ۴۰۳ھ) میں "اعجاز قرآن" ہی کے نام سے ایک عظیم اور گرانمایہ کتاب تصنیف کی جو اپنی بلند پائیگی کے باعث آج بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے، علامہ باقلانیؒ نے ان ہی متکلمین اور منکرین "اعجاز قرآن" کے رد میں اپنا قلم اٹھایا تھا اور حق یہ ہے کہ بقدر طاقت بشری اس کا حق ادا کر دیا؛ یہ چند سطور بطور تمہید مجھے اس لئے لکھنا پڑی ہیں کہ علامہ باقلانی کی کتاب "اعجاز القرآن" کی ہر فصل اور ہر باب میں آپ خطاب کا انداز پائیں گے۔ علامہ باقلانیؒ کے مخاطب یہی منکرین اعجاز قرآن ہیں۔ عامۃ المسلمین سے ان کا خطاب نہیں، ان ہی کو علامہ نے مشورہ دیا ہے کہ فکر اور عقل سے کام لو اور قرآن عظیم کی خصوصیات پر غور کرو، اس رفع اشتباہ کے بعد میں علامہ "باقلانی" کی کتاب اعجاز القران سے چند سطور قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت اور اس کے حسن تالیف اور نظم کلمات کے سلسلہ میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں! علامہ باقلانی اعجاز قرآن کے سلسلہ میں اپنا بیان اور دلائل جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

انظر فی آیۃ آیۃ و کلمۃ کلمۃ ھل تجدھا
کما وصفنا من عجیب النظم و بدیع الرصف
فکل کلمۃ لو افردت کانت فی الجمال آیۃ
فکیف اذا قارنتھا اخواتھا وضامنھا ذواتھا،
تجری فی الحسن مجراھا و تاخذ فی معناھا
ثم من قصۃ الی قصۃ و من الباب الی باب
من غیر خلل یقع فی نظم الفصل الی فصل
حتی یصور لک فصل وفضلا بدیع التالیف

وبلغ التنزل وان اردت ان نتبين ما قلنا فنسل التبين ونستحقق بما ادعينا۔

فعبر عنه بعبارة من جهتاث واخبرنه بالفاظ تتبين فى نظم القران الدليل الباهر ولذلك اعاد قصته موسى (عليه السلام) فى سورد على طرق شتى دفواصل لمختلفه مع اتفاق المعنى فلك ترجع الى عقلك وتستر ما عندك ان غلطت فى امرت د اوذهبت فى مذاهب . . . .

ثم وصل بذلك قصه موسى (علیہ السلام) وانه راء نارا فقال لاهله

۱۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰)

جب اس نے ایک آگ دیکھی تو اپنی بی بی سے کہا ٹھہرو مجھے ایک آگ نظر پڑتی ہے۔ شاید میں تمہارے لئے اس میں سے کوئی چنگاری لاؤں یا آگ پر راستہ پاؤں۔

۲۔ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ (سورۃ القصص آیت ۲۹)

(موسیٰؑ نے) اپنی گھر والی سے کہا، تم ٹھہرو مجھے طور کی طرف سے اک آگ نظر پڑی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں۔ یا تمہارے لئے آگ کی چنگاری لاؤں تاکہ تم تاپو۔

۴. اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ (سورۃ النمل آیت ۷)

جب کہ موسیٰؑ نے اپنی گھر والی سے کہا کہ مجھے ایک آگ نظر پڑی ہے عنقریب میں تمھارے پاس اس کی کوئی خبر لاتا ہوں یا اس میں سے کوئی چنگاری لاؤں گا کہ تم تاپو۔

"اب تم ایک ایک آیت کو دیکھو اور ہر ایک کلمہ پر غور کرو! کیا تم اس میں ایک حسن نظم (جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں) اور شایانِ شان ندرت نہیں پا رہے ہو، اگر اس کلام کے ایک ایک کلمہ کو الگ الگ کرلو تب بھی ہر ایک کلمہ میں ایک شانِ جمال نظر آئے گی جو بنفسہٖ اس بات پر دلالت کرتا ہوگا، چہ جائیکہ جب اس کو اس کی اخوات یعنی دوسرے کلموں کے ساتھ شامل کیا جائے (تو شانِ جمال کا کیا عالم ہوگا) اور ان کی ذوات کے ساتھ تالیف کیا جائے اس وقت تم کو نظر آئے گا کہ حسن کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور معنی پر اس کی گرفت پوری پوری موجود ہے۔ ایک قصّہ سے دوسرا قصّہ، ایک باب سے دوسرا باب خود بخود نمایاں ہوتا چلا جارہا ہے باینہمہ اس کی ایک فصل سے دوسری فصل (فواصل) کے نظم میں کسی طرح کا خلل واقع نہیں ہوتا۔ اس طرح تمھارے سامنے اس کی ایک پوری فصل محاکات بن کر سامنے آجائے گی اس لئے کہ اس کی ہر فصل اپنی تالیف میں بدیع اور نادر ہے اور اپنی تنزیل کے اعتبار سے انتہائی بلیغ ہے؛

اگر تم اس امر کے خواہاں ہو کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کو مزید واضح کرکے بیان کروں تو میں اس دعوے کی اظہارِ حقیقت

کی طرف رجوع ہوتا ہوں...........

قرآنِ حکیم کے کچھ کلمات میں تمھارے سامنے پیش کرتا ہوں اور چند الفاظ کے حقائق سے تم کو باخبر کرتا ہوں جو نظمِ قرآنی کی ایک روشن دلیل ہے اس کے اظہار کے لیے میں قصہ موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف پھر رجوع ہوتا ہوں جو مختلف سورتوں میں بیان ہوا ہے اور کئی اسالیب سے ایک ہی بات کو بیان کیا گیا ہے جس میں مختلف "فواصل" ہیں لیکن ان سب طرق (اسالیب بیان) میں وہ تمام کلمات متفق المعنی ہیں..........

اب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے قصے کی طرف آؤ کہ جب انھوں نے اپنے عیال کے ساتھ وادیٔ طور میں قیام کیا اور ان کی بیوی نے سردی محسوس کی اور آگ کی فرمائش کی تو انھوں نے اپنی اہل سے فرمایا: (تینوں آیتوں کا ترجمہ متن کے ساتھ پچھلے صفحوں میں پیش کیا جا چکا ہے)!

"اعجاز القرآن از علامہ باقلانی مطبوعہ مصر برحاشیہ الاتقان"

قارئین کرام علامہ باقلانی قدس سرہ کی عظیم تصنیف "اعجاز القرآن" سے یہ بہت ہی مختصر اقتباس "اعجاز قرآنی" کے سلسلہ میں آپ کے سامنے میں نے پیش کیا ہے۔ حضرت علامہ نے قرآن حکیم کی "فصاحت و بلاغت" کے سلسلے میں عجیب عجیب نکات پیش کئے ہیں اور کمال تبحر کے ساتھ اس موضوع پر کھل کر لکھا ہے۔ اب میں وجوہ اعجاز کے سلسلہ میں کچھ تصریحات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:۔

اسلوب بیان

وجوہ اعجاز قرآن کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کا اسلوب بیان بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اپنے اپنے وقت میں ان علمائے کرام نے جنھوں نے اعجاز قرآن کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے توفیق ایزدی سے اس سلسلے میں ایسے ایسے نکات پیش کئے ہیں جہاں تک عقل انسانی بآسانی نہیں پہنچ سکتی!

اسلوب قرآن کے اعجاز کا سرمایہ لغت عرب ہے، اعجاز کا یہ وصف عربی زبان سے مختص ہے کوئی اور زبان ایسا اعجاز پیش کرنے سے قاصر ہے یہی سبب تھا کہ عرب (اپنی زباندانی کے باوصف) قرآن کے معارضہ میں ناکام رہے اور آخر کار ان کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حقیقتاً از روئے لغت عرب قرآن حکیم ایک اعجاز ہے اور انسان اس کے معارضہ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا؛

ظہور اسلام سے قبل یہ اسلوب بیان یعنی فصاحتِ کلام عرب میں ایک مستقل تحدّی اور معارضہ کی شکل میں موجود تھی۔ چنانچہ ان کے یہاں سلاستِ کلام اور ان کا ربط معانی، حسن تنظیم کلمات و حروف، فصاحت کے اجزائے ترکیبی تھے۔ وہ یہ بھی ضروری خیال کرتے تھے کہ کلام فطرت اور طبیعت کے مطابق ہو ورنہ وہ کلام فصیح نہیں ہوگا۔ اسی لئے وہ اس سلسلہ میں تصنّع اور تکلف سے گریز کرتے تھے اور صنائع بدائع کی آورد سے بچتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ اس تصنّع اور آورد سے کلام کی طبعی اور حقیقی سلاست مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اس بے تکلف کلام کے باعث فہم معانی میں ان کو دقت پیش نہیں آتی تھی بجز غریب اللغات کے استعمال کے، جب وہ کوئی غریب لفظ کلام میں استعمال کرتے تو فہم معانی کی وہ سہولت ختم ہو جاتی تھی۔ قرآن حکیم کے نزول کے بعد ان غریب الفاظ کا ذخیرہ معطل ہو کر رہ گیا۔ اس سلسلہ میں علامہ سلیمان ندویؒ کا یہ مختصر تبصرہ بڑا نکتہ آفریں ہے؛

> "قرآن کی زبان جو قرآن میں مستعمل ہوئی ہے، نیز اس عہد کے شعرا کے کلام میں مستعمل ہے اور اگلے قدیم شعرائے جاہلیت کی زبان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم قرآن کے ایک ایک لفظ کا ترجمہ بلاپس و پیش کر سکتے ہیں۔ شعرائے جاہلیت کے کلام کے حل کرنے کے لئے قدم قدم پر لغت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ (ارض القرآن)

آپ اس سلسلہ میں اگر ان اشعار کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو شعرائے عصر قدیم کے کلام کے مجموعہ حماسہ اعشیٰ، قصائد منا الطرب، بلوغ الارب علامہ آلوسی کا مطالعہ کریں آپ پر یہ امر اچھی طرح واضح ہو جائے گا؛ عصر اسلامی میں بھی جن شعراء نے مضمون

آفرینی، صنائع بدائع اور لغات قدیم سے اپنے کلام سے آراستہ کیا ان کا کلام بھی شرح کا محتاج رہا۔

بہرحال عصر جاہلیت میں خطابت ہو یا شعران کی زبان سے ایسے ہی الفاظ ادا ہوتے تھے جو افادۂ معنی کے شایانِ شان ہوتے تھے اور ایسے مترادف و متبادل دوسرے لفظ جو اس خصوصیت سے عاری ہوتے ان کی زبان سے کبھی ادا نہیں ہوتے تھے ——— یہاں تک کہ قرآنِ حکیم اپنے ایک مخصوص اسلوب بیان کے ساتھ نازل ہوا اور اپنے حسن نظم، ترتیب حروف، کلمات و جمل سے وہ عرب میں ایک ایسا دبدبہ اور مہابت لیکر آیا کہ عربوں نے اس کے مقابلے میں اپنے ضعف کا اعتراف کرلیا۔ اور فصحائے عرب کو یہ اقرار کرتے ہی بن پڑی کہ کلام کا یہ طرز اور یہ آہنگ اس کلام کے سوا ہے جو ہمارے درمیان رائج ہے اس کلام میں زبان کا ہر وہ کمال موجود ہے جس کا تصور کیا جا سکتا ہو۔ بہرحال وہ کسی طرح بھی اس کی خصوصیات کے اعتراف سے گریز نہیں کرسکے۔ وہ اپنی دسیسہ کاری اور حیلہ تراشی سے اس کی اہمیت کو کم نہ کرسکے، اگر وہ ایسا کرتے بھی تو اپنے کمزور اور لچر سہاروں کے باعث ایک عظیم قوت کلام سے ٹکراتے اور پھران کو منہ کی کھانی پڑتی؛

فصیح و بلیغ افرادِ عرب نے اس کا اچھی طرح اندازہ کرلیا تھا اور اس حقیقت کو جان گئے تھے لہٰذا انھوں نے اسی میں خیریت سمجھی کہ اپنے ضعف کا اقرار کریں ان کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں تھا کہ الفاظ و معانی اور صنائع بیان میں ایک طرزِ نو کی بنیاد ڈالیں چنانچہ انھوں نے سخت کاوش کے بعد قرآن حمید کے جملوں کی طرح کچھ دوسرے جملے بیان عرب سے انتخاب کر لئے لیکن اس راہ میں بھی ان کو پسپا ہونا پڑا ان کے ان جملوں کی قرآن کے جملوں کے سامنے کچھ بھی قدر و قیمت نہیں تھی، اور ان کی یہ کوشش عربوں کی فطرت میں کوئی تاثیر پیدا نہ کرسکی، قرآن اپنی تاثیر کلام کے اعتبار سے بھی بے مثل و بے عدیل رہا؛

فصحائے کے مابین اختلافِ نظر

اربابِ فصاحت و بلاغت کے مابین ترکیبِ کلام کے نقطۂ نظر سے ہمیشہ اختلاف پایا گیا ہے اس

طرح ہر ایک کے کلام میں از روئے تعبیرات، نقص اور چستی کے فقدان کے نقائص پیدا ہوتے رہے ہیں اس صورت میں اُس کلام کے معارضہ کے ہر وقت امکانات موجود رہے ہیں۔ اس صورت میں یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ دو شاعر دو ادیب (نثر نگار) یا دو خطیب ایک دوسرے سے معارضہ کریں اور ایک دوسرے پر اپنی برتری اور فضیلت ثابت کریں لیکن قرآن حکیم ہی صرف ایسا کلام تھا اور آج بھی ہے کہ کسی پہلو سے بھی نقص اس میں راہ یاب نہیں ہو سکتا کہ اس میں وہ تمام خصوصیات اور دقائق موجود ہیں جو ایک کامل بیان کے لئے تصور میں آسکتے ہیں لہٰذا اس سے معارضہ اور مناقشہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ بات صرف اسی کلام میں ہو سکتی ہے جس میں یہ فنی نزاکتیں اور خوبیاں الہامی ہوں اور قرآن حکیم میں یہ فنی خوبیاں اور یہ دقائق، یہ نزاکتیں اور لطافتیں سب کی سب الہامی ہیں!

فصحائے عرب کے یہاں یہ نزاکتیں اور اعجاز کی یہ خوبیاں اس قدر اگر موجود ہوتیں کہ ان کو بطور مجاز ہی اعجاز سے تعبیر کیا جاتا اور ان کو ان کے کمال فطری کے بقدر تسلیم بھی کر لیا جاتا اور اس نہج اور اعتبار سے کوئی شخص یہ سمجھنے لگتا کہ وہ معارضہ قرآن پر قادر ہے تب بھی اس سلسلے میں جب وہ دقت فکری سے کام لیتا تو ان کو اپنا عجز محسوس ہوتا، اسی لئے کسی نے اس معارضہ کی سمت قدم نہیں بڑھایا۔

اس اعتبار سے کہ اہمیت سخن کا مرجع، فصاحت و بلاغت کے نقطہ نظر سے، فطری احساسات ہیں (کلام فصیح و بلیغ وہی ہے جو فطری احساسات کو بیدار کر سکے یا ان کی ترجمانی کر سکے) اور یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ عربوں کی فطرت کی اساس ان کا ادبی سرمایہ تھا (یعنی ادب ان کی فطرت کی اساس تھا) قرآن حکیم پر غور کیجئے، اس میں ان کی فطرت سے ہم آہنگی کا منتہائے کمال نظر آئے گا اور یہ فطری کمال اس میں اس کی آخری حد تک موجود ہے چنانچہ قرآن حکیم نے جب یہ تحدی کی کہ تم قرآن کی ایک سورۃ کے مقابل ہی میں ایک سورۃ بنا لاؤ، تو چونکہ ان میں اس قرآنی ادبی فطرت کی اساس موجود نہ تھی اور اس کے اسرار و رموز سے وہ آگاہ نہ تھے لہٰذا ان کو اپنے عجز کا احساس

فوراً ہوگیا۔ اگرچہ اپنی زبان سے انھوں نے اس عجز کا اقرار نہیں کیا لیکن ان کی فطرت گواہی دے رہی تھی کہ قرآن سے معارضہ نہیں ہوسکتا، زبان سے اگرچہ وہ واہی تباہی کلمات قرآن حکیم کے بارے میں نکالتے رہے؛

اگرچہ فصیحانِ عرب ایک سورۃ ہی سے معارضہ کرتے جو چند کلمات پر مشتمل ہے جب بھی ان کو عجز، حیرت اور نومیدی سے دوچار ہونا پڑتا اور جن نادانوں نے محض کسب شہرت کے لئے یہ جرأت کی بھی تو بجز اس کے اور کچھ حاصل نہ ہوا کہ وہ فصیحانِ عرب میں رسوا ہوئے اور انھوں نے اپنی حماقت اور سخافت کا اعلان کیا اور اس کا ثبوت بہم پہنچادیا کہ وہ فصیح البیان نہیں ہیں۔ چنانچہ مسیلمہ کذّاب نے کہ فصیحان عرب میں اس کا کوئی مقام نہیں تھا اس راہ میں جلب شہرت کے لئے قدم آگے بڑھایا۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَۃ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ کے معارضہ میں پورا زورِ فکر صرف کرکے کہا بھی تو یہ کہا کہ انا اعطینٰک الجماھر فصل لربک وجاھر بندش اور تالیف کلمات کی سستی پر غور کیجئے قطع نظر معانی کی پستی کے، کلمات کے وصل میں نہ وہ زور ہے نہ وہ کیف ہے، سوائے مسجع کلام کے جو کاہنوں کا انداز بیان ہے اس کے یہاں اور کوئی چیز نہیں۔ اس کے کلام میں نہ حسنِ تالیف ہے نہ حسن معانی ہے۔ سراسر ایک دستاویز حماقت ہے۔ جس پر اس کے معاصرین نے بھی مہر تصدیق ثبت نہ کی اور اس کو فصیحان عرب نے بالکل رد کردیا، اس کے کلام واہی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے؛

والمبذرات زرعاً والحاصدات حصداً
والذاریات قمحاً والطاحنات طحناً
والمعجنات عجنا والخابزات خبزاً والتاردات
ثردا واللاقمات لقماً؛

معنی کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حریص شکم ہے جو کئی روز کا بھوکا ہو روٹی کا خواہاں ہے تاکہ آتش شکم کو فرو کرے۔ اس کی فکر کی پرواز گیہوں پیسنے والی چکی۔

---

[1] دیکھئے تاریخ طبری؛

آٹا گوندھنے والوں اور لقمہ بنا بنا کر کھانے والوں کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ ذہنی پستی، سفاہت، نادانی کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے!

اسی قسم کا مہمل اور لایعنی کلام عبہلہ بن کعب (اسود عنسی) طلحہ بن خویلد اسدی، سجاح دختر حارث بن سوید تمیمی، ابن مقفع کا بھی ہے، میں معارضہ قرآن کے سلسلہ میں ان کے لغو و لایعنی کلام کو پیش کرنے سے صرف نظر کرتا ہوں۔ سلسلہ کلام میں اس صراحت کا پیش کرنا ضروری تھا کہ ان مدعیان نبوت نے معارضہ قرآن میں جو کچھ پیش کیا وہ ان کی سفاہت اور نادانی کی خود ایک دلیل ہے!

قرآن حکیم میں موضوع کی تکرار

قرآن حکیم میں ایک موضوع کو متعدد مقامات پر پیش کیا گیا ہے جیسا کہ آپ اوراق گزشتہ میں علامہ باقلانیؒ کی تصریحات ملاحظہ کر چکے ہیں۔ تاریخ، قصص، وعید، مواعظ و بشارات، کے موضوعات متعدد جگہ قرآن حکیم میں موجود ہیں لیکن ان کا اسلوب بیان اور تعبیرات مختلف ہیں۔ فصحائِ قریش اس نکتہ یعنی تکرار موضوع کے سامنے بھی عاجز رہے۔ قرآن حکیم کے اسلوب بیان کا یہ سب سے اہم اور خاص نکتہ ہے کہ مختلف اسالیب بیان اور تعبیرات کے ساتھ ایک ہی موضوع متعدد جگہ پیش کیا ہے۔

اس سلسلہ میں علامہ جاحظؒ "نظم القرآن" میں اس نکتہ کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں کہ

> "قرآن حکیم میں اس تکرار کا راز یہ ہے کہ خطاب کے یہ مواد مختلف مخاطبین کی نسبت کے اعتبار سے ہیں، کہیں قرآن کے مخاطب یہود ہیں، کہیں کفار عرب ہیں۔ اور کسی جگہ عامۃ الناس ہیں، قرآن حکیم نے ان ہی مخاطبین کے اعتبار اور نسبت سے اسلوب خطاب اختیار کیا ہے اگرچہ اصل موضوع ایک ہی ہے؛ عربوں سے جہاں خطاب فرمایا ہے وہاں ان کی ذکاوت کے پیش نظر کلام کو بہت مختصر کر دیا ہے اور جہاں بنی اسرائیل سے خطاب ہے وہاں یہ خطاب زیادہ تفصیل پر مبنی ہے"!

تکرار موضوعات میں ایک خاص نکتہ یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم کا مطمح نظر تربیت اخلاق ہے اس لئے حکمت آفرین کلمات کا جتنا اعادہ کیا جائے گا اور ان کی تکرار ہوگی اتنی ہی جلد دلوں میں اس کی تاثیر زیادہ پیدا ہوگی اور قلوب اس سے متاثر ہوں گے اور جہاں موضوعات علمی ہیں وہاں ایک دفعہ ہی اس کے بیان کو کافی سمجھا گیا ہے اور اعادہ نہیں کیا گیا مگر شاذ!

قرآن حکیم کو شعر اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہا گیا

قرآن حکیم کو شعر کہا گیا اور پیغمبر علیہ السلام کو شاعر کہنے لگے، اس تہمت اور افترا کا آغاز یہود کی طرف سے ہوا تھا ان کی دیکھا دیکھی کفار بھی یہی کہنے لگے، باوجود کہ وہ خوب جانتے تھے کہ قرآن اور شعر و شاعری کے درمیان کوئی تناسب نہیں ہے۔ پھر بھی یہ یہود اور کفار قریش قرآن کی بلاغت اس کے مجازات، استعارات اور کنایات کو شعر سے تعبیر کرنے لگے۔ حالانکہ صنائع قرآن اور شعر کے درمیان کسی قسم کا تلازمہ موجود نہیں ہے۔ علامہ جاحظ نے اس سلسلہ میں مقابلہ اور موازنہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ:-

> "جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس کا نام قرآن ہے اور جو کچھ شعراء نے کہا ہے اس کے مجموعہ کا نام دیوان ہے قرآن کے مختلف اجزاء کا نام سورۃ ہے۔ شعراء کے یہاں اس کا نام قصیدہ ہے۔ سورۃ کے حصوں کا نام آیت ہے اور قصیدے کے اجزا کا نام بیت ہے۔ آیت کے آخری لفظ کا نام فاصلہ ہے اور شعر کے آخری لفظ کا نام قافیہ ہے؛ اس سے اندازہ کیجئے کہ اسماء کے اعتبار سے بھی قرآن اور شعر میں کوئی مشابہت موجود نہیں ہے۔ معنوی حیثیت سے جو فرق ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔"

افتادِ طبع اسلوب بیان پر اثر انداز ہوتی ہے

مادیت یا عالم مادی میں روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ افتادِ طبع اسلوب بیان پر بہرطور اثر انداز ہوتی ہے ایک ادیب، ایک فلسفی، ایک واعظ اور ایک تاجر سے اسالیب بیان میں یک رنگی کا فقدان پایا جاتا ہے۔ یہ دائرہ تو بہت وسیع ہے اس کو سمیٹ کر اور چھوٹا کیجئے آپ دیکھیں گے کہ دو بھائیوں کے اسالیب بیان یکساں نہیں ہوں گے اس لئے کہ دونوں میں اختلاف طبع موجود ہے تاریخ ادب کے ہزاروں، لاکھوں اوراق آپ کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔ کلیتہً مماثلت اور اور یک رنگی آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گی، یہ اور بات ہے کہ کسی کی بعض خصوصیات کو کوئی اپنے اسلوب میں اپنالے تو ان بعض خصوصیات کے اپنانے میں اس کی کامیابی کو آپ یہ معنی کبھی نہیں پہنائیں گے کہ زید کا اسلوب بیان بعینہٖ بکر کا اسلوب ہے دونوں میں کچھ نہ کچھ مابہ الامتیاز ضرور باقی رہے گا جو ایک کے رنگ کو دوسرے کے رنگ سے سے جدا کرنے والا ہوگا!

بس یہی بات اسلوب قرآن کے سلسلہ میں کہی جاسکتی ہے کہ دونوں میں ایک بہت ہی واضح فرق موجود ہے کہ ایک خالق کا کلام ہے اور دوسرا مخلوق کا اور دونوں کے کلام میں جو فرق اور بُعد ہے وہ ظاہر ہے، اگر قرآن حکیم از قبیل کلام بشر ہوتا تو اسلوب قرآن اور اسالیب کلام بشری میں ایک وجہ اشتراک ضرور موجود ہوتی جبکہ کلام بشری کے تمام اسالیب سے، قرآن کے اسلوب کسی طرح کی اور کسی قبیل کی مناسبت نہیں رکھتے۔ مسیلمہ کذاب نے چاہا کہ اس کی نظیر پیش کرے تو خود اپنا طرز اور روش اسلوب بھی فراموش کر بیٹھا اسی طرح دوسرے معارضہ پیش کرنے والوں کے اسالیب کا رنگ ہے کہ وہ اپنے اصلی طرز انشأ کو بھی بھول گئے اور دنیا ان کی سفاہت اور بیچارگی پر آج بھی خندہ زن ہے جب عربی ادب اس دور میں اپنے پورے عروج پر تھا اس وقت فصحائے عرب نے ان کے کلام کو کس درجے میں رکھا ہوگا۔ بس یہی ہوا کہ ان کو جہالت، نادانی اور سفاہت کا تصدیق نامہ مل گیا!

اس ناکامی کا سبب ظاہر ہے کہ انسان ضعیف البنیان اور طبعاً بیچارہ ہے اور قدرت و قوت کاملہ صرف خداوند تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْرٌ" صرف وہی کل پر قادر ہے، انسان کو تو جز پر بھی بھرپور قدرت اور تصرف حاصل نہیں ہے۔ پھر اس کو معارضہ قرآن کا کس طرح یارا ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر باری تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ
یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ
بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۸)

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔"

پس فصیح ترین اور جامع ترین کلام وہی ہے کہ جس کے الفاظ میں روانی اور سلاست ہو۔ اس میں نادر اور دل پذیر معانی ہوں اور وہ بھی ایسے کہ معارضہ کے راستے کو بند کر دیں اور اس سے مقابلہ کی امید کو منقطع کر دیں اور سامع کے لئے وہ الفاظ اپنی شگفتگی اور صوتی ہم آہنگی کے ساتھ کانوں کی راہ دل میں اتر جانے والے ہوں اور سامع کی جان اور روح کو مسخر کر لیں اور ایسا محسوس ہو کہ یہ کلام اسی سے کیا جا رہا ہے اور اس کے دل پر ان معانی کی تراوش ہو رہی ہے اور مدتوں سے یہ معانی اس کے دل سے ہم آہنگ اور دمساز ہیں اور اسی کے دل کی یہ آواز ہے جو اب اس کی زبان سے ادا ہو رہی ہے۔

فصحائے عرب نے فصاحت کی بنیادوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لئے ایسے عوامل سے ہمیشہ پہلوتہی اور گریز کیا ہے جو ان کے کلام میں سستی، اضطراب اور حشو کا موجب بن سکتے ہوں اور ان کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ صنائع بدائع کی آویزش

سے بچ کر ایسا اسلوب بیان اختیار کیا جائے جو زوائد کلام کے معائب سے پاک اور اس میں ایک خاص کشش اور جمالِ ظاہری جلوہ افگن ہو، اس قسم کا کلام ہی سخن فہموں اور سخن سنجوں کی نظر میں ہر کمال کا آئینہ دار ہوتا ہے اور تمام فنی دقائق کامل ترین صورت میں اس میں موجود رہیں۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے باوصف اگر دقت و غور کی نظر سے دیکھا جائے تو ضعف و اضطراب اس میں موجود رہتا ہے۔ باوصف ظاہری استحکام اور پختگی، اور بباطن ضعف کے موارد اس میں آپ کو موجود ملیں گے!

اس کے برعکس قرآن حکیم کا اسلوب ایک ایسا اسلوب ہے جس میں سہولت فہم کے ساتھ ساتھ ایک عجیب و غریب روانی ہے جو قرآن کے لئے ایک اعجاز ہے کہ ادیبوں کے قلم اس کی نظیر لانے سے قاصر ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ اس کے اسرار پر فکر انسانی کی دسترس نہیں ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کو بیچارگی اور پستی کا، حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کے مقابلہ میں اندازہ ہوتا ہے، یہ عظمت و جلال اور اس کے مقابل میں انسان کی بیچارگی اور زبوں حالی، قرآن میں جگہ جگہ نمایاں ہے۔ اس نکتہ کا اظہار خاص طور پر ان آیات قرآنی میں ہوتا ہے جو تخویف و انذار اور پند و موعظت کی حامل ہیں۔ اس پند و موعظت اور تخویف و انذار کے مقابلہ میں انسان کے پند و موعظت پر مبنی یا تخویف و انذار پر مشتمل خطبات یا موعظت پر مشتمل کلام فصیح و بلیغ پر نظر ڈالیے اور غور کیجئے تو انسانی بیچارگی آپ پر بخوبی واضح ہو جائے گی!

نظمِ قرآن قرآن حکیم کے اسلوب بیان کے سلسلہ میں جامع بات کہنا انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ گزشتہ اوراق میں چند باتیں ہی اس سلسلہ میں رقم کی گئی ہیں۔ قرآن حکیم کے اسلوب بیان کی جو خصوصیات اس سے مختص ہیں۔ وہی اس قدر کامل اور جامع تھیں اور ہیں کہ عرب اس کے مقابل میں خاضع اور خاسر رہے اس لئے کہ اسلوب بیان کی یہ خصوصیات بلیغانِ عرب میں سے کسی کے کلام اور بیان میں موجود نہیں تھیں، ان خوبیوں اور خصائص کا استقصاء فکرِ انسانی سے ورام ہے اور اس کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا انسان کے لئے ناممکن ہے!

اسلوب قرآن کے بعد وجوہ اعجاز میں ایک وجہ اعجاز نظم قرآن[1] ہے، کلام بطورِ کُل حروف، کلمات اور جملوں سے مرکب ہوتا ہے، حروف کا مادہ صوت (آواز) ہے یعنی وہ صوت سے بنتے ہیں اور کلمات کی ترکیب حروف سے ہوتی ہے اور جملہ ان کلمات کی ترتیب سے بنتا ہے، نظم کلام کا اعجاز ان تینوں سے وابستہ ہے، علمائے ادب عربی نے فصاحت و بلاغتِ عامہ میں ان تینوں اجزاء کلام پر بحث کی ہے اور اس موضوع پر گرانقدر تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں؛

قرآن پاک کی بلاغت اور دوسرے بلیغانِ زمانہ کے کلام کی بلاغت میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ فنون ادبی از قسم مجاز، کنایہ، استعارہ، اور دوسری ادبی خصوصیات جو قرآنِ حکیم میں ادبی حیثیت سے موجود ہیں بالکل طبیعی ہیں، قرآن حکیم نے بصورت مجاز، استعارہ اور کنایہ جو لفظ جہاں استعمال کیا ہے، اس کے سوا کوئی اور لفظ آپ فنون ادبی میں خواہ کتنا ہی غور و خوض اور تفحص کریں۔ آپ کو نہیں مل سکے گا، یہی وجہ ہے کہ حروف، کلمات اور جملوں کے نظم سے اگر آپ قطع نظر بھی کرلیں تو یہی ایک صفت خاص کا ملاً اعجاز قرآن میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کا صرف ایک حرف بھی اپنے موقع کی مناسبت سے دوسرے تمام حروف پر ان کی تقدیم و تاخیر اور اسی طرح دوسرے کلموں اور جملوں کے مقابلے میں اپنے اندر اعجاز رکھتا ہے۔ یعنی صرف ایک حرف جس طرح اور جہاں قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے، خواہ تمام حروف کی تقدیم و تاخیر کی جائے یا دوسرے کلمات یا جملے اس کی جگہ رکھ دیئے جائیں وہ خوبی ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس کے برخلاف انسانی کلام کو لے لیجئے ان میں حروف و کلمات کے محل وقوع کے برخلاف، ہر طرح کے تغیر کی گنجائش ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس تغیر کے نتیجے میں اس کلام میں لفظی یا معنوی نوعیت کی اہمیت پیدا ہوجائے جبکہ قرآنِ حکیم میں ایسا نہیں ہے۔ لفظ تو لفظ ایک ایک حرف اپنے موقع و محل استعمال کے اعتبار سے ناقابل تغیر ہے؛

---

[1] نظم قرآن سے مراد کلمات کی تالیف اور ان کا باہمی ربط ہے۔ نظم قرآن سے مراد اصطلاحی معنی یعنی ایک صنف شعر نہیں ہے کہ تمام دانشوروں کا اس پر اتفاق ہے کہ ادب کی دو قسمیں ہیں نثر اور نظم لیکن قرآن حکیم پر ان دونوں کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ قرآن حکیم ان دو کے علاوہ تیسری چیز ہے جو سوائے قرآن کے اور کہیں نہیں پائی جاتی۔

صاحبِ قرآن

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط

یہ ارشادِ الٰہی جو زیب عنوان ہے اس صاحبِ قرآن کا طغرائے کمالِ آگہی اور اکلیل دانائی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس عالم آب و گل سے اپنا محبوب منتخب فرمایا اور دانائے کُل اور رہنمائے سُبل بنایا، کائنات کے لئے بشیر و نذیر کے منصب عالی پر فائز فرمایا جس کا مثیل و نظیر بھی اپنی ذات یکتا کی طرح ممتنع قرار دیا۔ خاتم النبیین فرماکر منصبِ رسالت کو جس کی ذاتِ گرامی پر ختم فرما دیا اور فطنت و دانائی کے تمام کمالات اس کی ذات والا پر ختم فرما دیئے!

قرآن جس کے اعجاز فصاحت و بلاغت نے فصحائے عرب کو شرمندہ و محجوب کر دیا، اپنے تمام صوری و معنوی کمالات کے ساتھ جس قلبِ انور پر نازل ہوا اس قلب کی تطہیر اور صفا کو کون احاطۂ تحریر میں لاسکتا ہے اور وحی الٰہی جس پاکیزہ زبان سے الفاظ اور جملوں کے قالبِ تقدیس میں ڈھل کر ادا ہوئی اس زبان کی فصاحت و بلاغت کا کون اندازہ کرسکتا ہے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب حکم ہوا کہ ہمارے احکام فرعون سرگروہِ سرکشتگان بادیۂ ضلالت و گمراہی تک پہنچاؤ، تو انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝

موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب میرے سینے کو فراخ کردے اور اس کام کو میرے لئے آسان فرمادے اور میری زبان کی گرہ کھول دے، (مجھے فصاحت بیان عطا فرمادے

جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس قوم کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے تھے (بنی اسرائیل) اس قوم نے نہ کبھی زباندانی کا دعویٰ کیا تھا اور نہ ان کو زعم زباندانی تھا لیکن سرور کونین صلی اللہ

علیہ وسلم جس قوم کی اصلاح اور ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے وہ اقوام عالم میں ایک ایسی قوم تھی جس کی زباندانی مسلّم تھی اور وہ اپنی شیوا بیانی پر بجا طور پر نازاں تھے لہٰذا قدرتِ الٰہی نے ان کے مصلح اور ہادی کو بھی زبان اور بیان کے تمام اوصاف کاملہ سے بہرہ ور فرمادیا تھا جیساکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد گرامی میں تصریح فرمائی ہے: ان اللّٰہ عزّ وجلّ ادّبنی فاحسن ادبی"، یعنی مجھ کو میرے رب نے تعلیم دی ہے اور بہترین طرز پر تعلیم دی ہے!

چنانچہ اس ادب آموزی نے جس کا لطیف و بلیغ اشارہ "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" میں موجود ہے آپ کے قلب باصفا کو وحی الٰہی کا مہبط اور زبانِ اطہر کو اس کا ترجمان بنایا! قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت، اس کے اعجاز اور اس کے کمال کے ہمہ گیر پہلوؤں کے سلسلہ میں اوراق سابقہ میں چند وضاحتیں مطالعہ کر چکے ہیں، ان خصوصیات نے صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان و بیان کو اپنی اثر آفرینی سے بطور معجزہ اس درجہ اثر پذیر بنا دیا تھا کہ قرآن حکیم کی تمام لفظی اور معنوی خصوصیات کے پرتو ہائے کامل، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نطق و بیان پر محیط ہو گئے تھے چنانچہ صاحب قرآن کا کلام خواہ وہ آپ کے مواعظ ہوں یا خطبات یا کلّیاتِ قرآن کی توضیح و تشریح یعنی احادیث مبارکہ، تمام اصناف کلام، ان اوصاف سے متصف تھے اور ان میں کسب کا شائبہ بھی نہیں تھا، جیساکہ کلام الٰہی کا نزول ایک اُمّی کے قلبِ انور پر ہوا تھا، یہ تمام اوصافِ کلام صرف وہبی اور توفیقی تھے جیساکہ ارشاد مذکورۂ بالا اور اس ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے توثیق ہوتی ہے "الا اوتیت القراٰن ومثلہ معہ" یہ مثل کا گنجینہ جو قرآن حکیم کے ازلی وابدی خزینے کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت نبوت کو عطا ہوا اور قلبِ نبوت کو اس کا خزینہ دار بنایا گیا، آپؐ کی احادیث یا ارشادات گرامی جو خطبات سے ایک جداگانہ نوع ہیں اور صاحبِ قرآن کی فصاحت و بلاغت کی آئینہ دار ہیں؛ یہ وہ ارشادات گرامی ہیں جو قرآن حکیم کے کلّیات کی توضیح و تشریح ہیں اور دوسرے احکام دارین (معاشرتی، منزلی، سیاسی، تمدنی، اخلاقی اور حیات افروزی یعنی معاد) سے متعلق ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ضرورت ان کے موارد صحیحہ پر ان کو زبان وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا ہے۔

آئندہ صفحات ان ہی موارد کی توضیح و تشریح ہیں جن سے "مقام حدیث" کی عظمت و رفعت کا پتہ چلتا ہے، لیکن اس بیان قرآن اور توضیحاتِ قرآن کے عقلی اور نقلی اثبات سے پہلے یہ ضروری تھا کہ جس طرح اعجاز قرآن کی توضیح سے پہلے عربوں کی زبان، ان کے رسم الخط، ان کی شاعری اور ان کی ملیّ اور قبائلی حمیت اور ان کے فخر و مباہات کے احساسات کو مختصراً بیان کر دیا جائے تاکہ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت کی اثر آفرینی اور عرب جاہلیت کی اثر پذیری کے مرقعے آپ کی نگاہوں سے گزر سکیں، اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی جو بیان قرآن ہیں اور جن کو ہم اصطلاحاً "حدیث" کہتے ہیں (اور ان کا شمار لاکھوں سے افزوں ہے) اِن کے بیان قرآن ہونے پر قدرے وضاحت سے لکھا جائے جو آپ کی فصاحت و بلاغت کا ایک بہت ہی اہم اور خاص مظہر ہیں؛ اس کے بعد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات آپ کے خطبات اور آپ کے معاہدوں کے سلسلہ میں فصاحت و بلاغت کے نکتہ نظر سے کچھ عرض کیا جائے" تاکہ ہر صنف بیان (علاوہ شاعری) کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت و بلاغت کی گراں مایگی اور بلند آہنگی سے آپ آگاہ ہو سکیں، قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت پر مختلف پہلوؤں سے جو کچھ تحریر کیا گیا ہے وہ اسی کا سرنامہ ہے تاکہ آپ کو یہ معلوم ہو سکے کہ جس طرح قرآن حکیم نے اپنی فصاحت و بلاغت کے ہمہ گیر پہلوؤں سے عربوں کو مسخر کیا اسی طرح "حدیثِ رسول" صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن کی زندگی کی کایا پلٹ دی!

مین نے کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصناف سے "شاعری" کا جو استثنا کیا ہے وہ بے مقصد نہیں ہے کہ صاحب قرآن کی فصاحت کے سلسلہ میں جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کا آخری عنوان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری نہیں سکھائی اور اس کو آپ کے شایان شان نہیں سمجھا. آپ اس عنوان کے تحت" ملاحظہ فرمائیں گے کہ شاعری حضور کے شایانِ شان کیوں نہیں تھی

اب میں "مقام حدیث" کی طرف رجوع ہوتا ہوں اور میں یہ بتاؤں گا کہ احادیث مبارکہ بیان قرآن کس طرح ہیں اور وہ کلیات قرآن کی تفسیر کیوں کر ہیں اور باری تعالیٰ کے ارشاد لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ احادیث مبارکہ کا مصداق کس طرح ہے؟

احادیث
بیانِ قرآن ہیں

اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز سے اب تک ماہرین حفریات و حجریات نے اپنی تحقیق کے جو نتیجے اپنی یادگار چھوڑے ہیں ان سے ملل قدیمۂ عالم کی تاریخ کے تار پود مرتب ہوئے ہیں۔ ان ہی نتائج کی بدولت ان ملل قدیمہ کی معاشرت، تہذیب اور ملی زندگی کے احوال ضبط تحریر میں آسکے ہیں۔ یوں تو یہ محققین اکتشافات اور تحقیق کی تگ و دو میں دورِ حجری و برنجی تک جا پہنچے ہیں اور اس دور کے انسان کا کھوج لگایا ہے لیکن اس دور کا انسان وحشت و بربریت کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا اس لئے اس دور کی تہذیب کو وہ معنی نہیں دیئے جا سکتے جو آج اس متمدن دنیا میں تہذیب کے معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ البتہ ملل قدیمہ میں فراعنۂ مصر قدیم کلدانی، آشوری، نینوائی (بابل) اور فنیقی تہذیب کو اس قابل ضرور سمجھا گیا ہے کہ ان کی معاشرت اور ان کے تمدن کو تہذیب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ تمام تہذیبیں اپنے اپنے دور میں ان اقدار و عوامل کی حامل تھیں جن سے کسی تہذیب کے تار و پود بنتے ہیں۔

قرآن حکیم جو ایک مکمل دستورِ حیات ہے اور معاشرتی کمال کا آئینہ دار ہے۔ اور تمدنی اقدار کا ایک حقیقی رہنما ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر خشک و تر اس کتاب میں موجود ہے وہ کس طرح اس سلسلہ میں خاموش رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اقوام مذکورہ قرآن کے سلسلہ میں یہ آیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں؛

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝

(الفجر)

قوم عاد و ثمود و اصحاب مدین کا تذکرہ قرآن پاک میں متعدد جگہ آیا ہے۔ یہ بھی ملل قدیمہ میں نمایاں مقام کی حامل تھیں! اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ

(کیا تمھیں ان کی خبریں نہیں پہونچیں جو تم سے پہلے نوح کی قوم اور عاد و ثمود کی قوم تھی اور جو ان کے بعد ہوئیں) ان عاد و ثمود کے ساتھ ہی اصحاب ایکہ کا تذکرہ بھی آیا ہے'

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ
ذُو الْاَوْتَادِ ۙ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ۭ

ان سے پہلے وہ جھٹلا چکے ہیں یعنی نوح کی قوم' عاد و ثمود اور چہار میخ کی سزا دینے والا فرعون اور ثمود و لوط کی قوم اور بن والے لوگ!

اسی طرح قرآن حکیم میں اصحاب الاخدود' اصحاب الحجر' اصحاب الرّس اور اصحاب مدین کا ذکر ہے۔ یہ وہ اقوام تھیں جو رسولوں کو جھٹلا کر عذاب الہٰی سے تہس نہس ہوگئیں اشوری وکلدانی' بابلی اقوام خود اپنی خانہ جنگیوں اور دشمنوں کی یورشوں سے تہ و بالا ہوگئیں۔ مصری تہذیب جو فراعنہ کے زیر اقتدار مدتوں تک سر افتخار بلند کئے رہی اس کی نافرمانی اور اس کا انجام قرآن پاک میں تفصیل سے موجود ہے'

قوم نوح و عاد و ثمود اور اصحاب مدین کے صرف ان واقعات کو قرآن حکیم نے بیان فرمایا جو درس عبرت بن سکیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرہ میں فنیقی قوم اور ان کی تہذیب کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت لوط' حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کے تذکروں کے ضمن میں بہت سی ملل قدیمہ کا تذکرہ ہے۔ قرآن حکیم کے علاوہ ان ملل قدیمہ کی کوئی تاریخ منضبط نہیں ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ یا ماہرین حفریات نے کتبات اور ان کے آثار سے ان کے کچھ حالات منضبط کر دیئے ہیں اور بس! صرف ایک قوم بنی اسرائیل ایسی ہے جو اپنی نافرمانیوں اور انقلاب کی ایک طویل داستان کے ساتھ قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہدایت و رہنمائی تک اس قوم کی بداعمالیوں کا دائرہ وسیع ہے۔ اس قوم کی یہ قدیم و طویل داستان قرآن حکیم میں محفوظ ہے۔ اگر قرآن حکیم اس قوم کی سرکشی و نافرمانی کی

تاریخ کو تحذیر و تخویف کے لئے بیان نہ فرماتا تو اناجیل کے عہد عتیق و عہد جدید میں ان کے منتشر اور نامکمل حالات کے علاوہ کوئی اور ماخذ ان کی تاریخ کا موجود نہ ہوتا۔ چنانچہ بطور ثبوت یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سوائے بنی اسرائیل کے کسی اور قوم کے حالات قرآن حکیم اور ان معروف آسمانی کتب کے سوا کہیں اور محفوظ نہیں، لیکن افسوس کہ تحریف نے ان تاریخی وقائع کو بھی اپنی لپیٹ میں لیکر کچھ سے کچھ کردیا۔ پس ابنائے اسرائیل (بنی اسرائیل) جنھوں نے متعدد حکمرانوں کے زیر اقتدار ایک طویل مدت بسر کی خود اپنی تاریخ کو منضبط نہ کر سکے۔

ان مذکورۂ بالا ملتوں اور قوموں کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے جو پیغمبر مبعوث ہوئے ان کے احوال شبانہ روزی وہ کیا منضبط کرتے جب کہ وہ اپنی شومئی قسمت سے برابر ان کی تکذیب کرتے رہے۔ ہر چند کہ بنی اسرائیل کی تاریخ ایک طویل تاریخ ہے جو نافرمانیوں اور سرکشیوں سے بھرپور ہے اور قرآن حکیم نے معجزانہ طور پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ان کی... ناشکرگزاری کو بیان فرمایا ہے۔ اس قوم کا تفصیلی بیان سورۃ بقرہ، سورۂ مائدہ سورۂ طہٰ، آل عمران اور سورۂ بنی اسرائیل وغیرہا میں موجود ہے۔ ان سورتوں کے علاوہ بھی بنی اسرائیل کا تذکرہ کہیں کہیں دوسری سورتوں میں کیا گیا ہے لیکن وہ اس قدر تفصیلی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل پر جو آسمانی کتابیں نازل ہوئیں ان کا تحفظ قدرت خداوندی نے خود ان کے ذمہ رکھا تھا لیکن یہ قوم خانہ جنگیوں اور فتنۂ و فساد میں اس طرح مبتلا تھی کہ رشد و ہدایت کے ان پیغامات کا تحفظ اس سے نہ ہو سکا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بہت بہت سے اولوالعزم پیغمبران اقوام کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے اور ان کے لئے احکام خداوندی لائے۔ مصر کی قدیم سلطنت، سلطنت طب (تب) قدیم کلدانی سلطنت، کلدہ اور آشور، سلطنت نینوا، سلطنت بابل، بنی کنعان، اور بنی اسرائیل

کی طویل تاریخ، توریت، زبور، عہدنامہ ہائے عتیق، عہدنامہ ہائے جدید میں موجود ہے۔ انجیل سے مراد عہدنامہ جدید کی چار انجیلیں ہیں۔ بائبل کی سترہ کتابیں حضرت عزیر علیہ السلام (جن کو توریت کی زبان میں عزرا کاہن کہا گیا ہے) کے عہد میں مرتب ہوئیں اور انہی سترہ کتابوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی تاریخ مرتب ہوئی۔ اس میں تاریخ بنی اسرائیل کے چار باب یعنی باب خروج، باب اخبار، باب گنتی اور باب استثنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہیں لیکن اب موجودہ تورات صرف ان منتشر اقوال کا نام رہ گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس سیرت کے ضمن میں آگئے ہیں؛

ان اوراق میں مجھے قدیم اسرائیلی تہذیب یا آشوری و کلدانی قوموں کی تاریخ بیان نہیں کرنا ہے بلکہ صرف اتنا اظہار کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اقوام قدیمہ کو توریت و زبور اور انجیل عطا فرمائی تھی ان آسمانی و الہامی کتب کی حفاظت بھی ان ہی کے سپرد فرما دی تھی مگر وہ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوسکے۔ اگر اس سلسلہ میں کچھ کیا تو یہ کیا کہ کلام الٰہی کے متن و معانی کو اپنی خواہشات کے مطابق بدل ڈالا بائبل میں اپنی تفسیروں سے اپنی قومی تاریخ کو اپنے اوہام و قیاسات سے اپنے خیالی فلسفہ اور خود وضع کردہ فقہی قوانین کو کلام الٰہی اور احکام خداوندی کے ساتھ خلط ملط کردیا۔ اور پھر اس میں مندرج ہر قول کے بارے میں قول خداوندی کا دعوے کرنے لگے خواہ وہ تاریخی افسانہ ہو یا کسی مفسر کی تاویل یا کسی متکلم کا عقیدہ جس کو اناجیل اربعہ میں یا کسی دوسری الہامی کتاب میں جگہ مل گئی انھوں نے اس پر ایمان لانا فرض کرلیا (اسی کو اسرائیلیات کہا جاتا ہے)؛

غرض کہ تورات، زبور اور اناجیل کے جس قدر نسخے ہیں وہ اپنے اپنے راویوں کی روایتوں کی بدولت ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ کتاب سموئیل کو آپ یرمیاہ نبی کی کتاب سے بالکل مختلف پائیں گے۔ اور یوحنا حواری کی انجیل کو لوقا اور مرقس کی انجیل سے بالکل جداگانہ پائیں گے۔ یہ کھلا اختلاف تو احکام خداوندی کے تحفظ اور اس کی تدوین میں ہے اپنی تاریخ کے انضباط و تدوین کا تو ان کو ہوش

ہی نہیں تھا۔ وہ تو اپنے ہادیان برحق اور اپنے پیغمبروں کے احوال و اذکار کا بھی تحفظ نہ کرسکے اور نہ ان کے ضبط و تدوین کا کچھ اہتمام کرسکے۔ ضمناً اگر کہیں یہ بیان ہوئے بھی تو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں جن کا موضوع ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے؛

شاید یہاں پانچویں صدی قبل مسیح کے مشہور یونانی مورخ ہیروڈوٹس اور اس کی تاریخ کا ذکر کیا جائے یا ارسطو کی کتاب "تدبیر منزل" کا تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یونانیوں نے اس کا کچھ اہتمام کیا لیکن ان کی اوہام پر مبنی "گریک میتھا لوجی" (علم الاصنام) کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ان کے علم و فضل نے اصنام پرستی کو جو فروغ بخشا وہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ خدا پرستی سے ان کو کبھی سروکار نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ شرف امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مخصوص فرمادیا تھا اور اس پر یہ احسان عظیم فرمایا کہ قرآن پاک کے تحفظ کے سلسلہ میں صاف صاف فرمادیا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر)
اور پھر اس کی تفسیر و وضاحت میں ایسا اہتمام فرمایا کہ اقوام عالم کی کوئی تاریخ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس کی ایک ایک سطر لاکھوں ایمان در آغوش سینوں سے گزر کر زبان تک آئی اور پھر اس کو صفحہ قرطاس پر ضبط کیا گیا اور اس طرح ضبط و محفوظ کیا گیا کہ دروغ و کذب کی آمیزش کا شائبہ تک باقی نہ رہا۔ یہ ایک ایسی تاریخ انقلاب ہے جس کے بیان کرنے والے اور اس کو ضبط تحریر میں لانے والے صفات انسانیت و آدمیت کی بلند ترین منزل پر فائز تھے؛ تھے تو انسان لیکن صفات ملکی کے علمبردار تھے اور اس ذات والاصفات کے شیدائی تھے جس کے اشارہ چشم و ابرو پر اپنا سب کچھ ہر وقت لٹا دینے کے لئے تیار تھے۔ اور جب کبھی ایسا وقت آیا تو اپنے ہادیٔ برحق کے حکم سے مال و متاع تو ایک ادنیٰ سی چیز ہے، جان کے گوہر بے بہا کو بھی لٹا دیا۔ ع

"خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

ایسی عظیم ہستی کے بارے میں کوئی غلط بات بیان کرنا تو بڑی بات تھی یہ تو اس کے حضورِ پُروقار میں اپنی آواز بھی بلند نہیں کرسکتے تھے اور نہ کرتے تھے اور اس

ارشاد خداوندی پر عمل پیرا تھے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو، اس نبی اُمی کی آواز سے اور اُن کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، کہیں تمھارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق ان حضرات نے اس خدمت کو باحسن وجوہ انجام دیا اور آج بھی کچھ حضرات اس کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ یہ حضرات جب اس فریضہ کو انجام دیتے اور امر و نہی کے سلسلہ میں وضاحت کے لئے یا کلام کی مزید تائید کے لئے جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل یا حکم پیش کرتے تو خشیت الٰہی سے لرزہ براندام ہوتے اور ان کی زبان سے پہلے بیساختہ یہ نکلتا:

قال رسول اللہ الصادق المصدوق ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار!	فرمایا رسول اللہ صادق و مصدوق حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا تو گویا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کر لیا۔

(موطا و مشکوٰۃ)

یہ معمول تھا بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص، ہمہ وقت حاضر باش حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ جب کوئی حدیث شریف پیش کرتے تو ادلائے فرماتے پھر حدیث شریف کو بیان فرماتے:

اس صورت میں غلط اور جھوٹی بات کو کس کی یہ جرأت تھی اور کس میں یہ تاب و توانا تھی کہ وہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے منسوب کر سکے یا اس کی

آپ کا ارشاد گرامی قرار دے سکے جن کی اطاعت اور جن کی غلامی دنیا و آخرت کی سب سے عظیم دولت تھی، جن کے احکام کی بجا آوری موجب رضائے الٰہی قرار دی گئی تھی اور جن کے احکام سے اعراض و روگردانی کو دونوں عالم میں روسیاہی اور خذلان کا موجب قرار دیا گیا تھا اور نافرمانی کے انجام سے آگاہ فرما دیا گیا۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (سورۃ النساء)

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے بڑھ جائے تو اس کو اللہ دوزخ میں لیجائے گا وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور ذلت کی مار کھائے گا۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ (سورۃ الجن)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں گے ان کے لئے دوزخ کی آگ تیار ہے وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

یہ سب کچھ اہتمام اور اس انذار و ترہیب کا موجب یہ تھا کہ ملتِ اسلامیہ اور اُمتِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر بخوبی واضح ہو جائے کہ کلام رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) دینی اور دنیوی امور میں اُن کی عقدہ کشائی کرے گا، اوامر و نواہی میں اس کی بیان فرمودہ تفصیلات فصلِ قضایا اور حرام و حلال کا مبنیٰ اور مرجع قرار پائیں گی چنانچہ ارشاد فرمایا گیا۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ
عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ
وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف آیت ۱۵۷)

فصلِ قضایا کے سلسلہ میں حکم دیا گیا :۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ
وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑنے لگو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمان کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو

پس جو کچھ آپؐ کی زبان وحی ترجمان سے اُمت کے انفرادی، اجتماعی، منزلی اور مدنی الجھنوں اور ان کے مسائل کے سلسلہ میں نکلا وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی وہ تفصیلات ہیں جو وحی الٰہی میں مضمر تھیں اور ان کا بیان رسالت کی لسانِ حقیقت ترجمان سے ہوا اس لئے اس کی اطاعت بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح نصِ قرآنی کی، خالق ارض وسمانے متعدد جگہ قرآن حکیم میں واضح سے واضح ترین طریقہ پر ان احکام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر اُمت مسلمہ کو مامور کردیا۔ نہ صرف یہ بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی محبت کا معیار ٹھہرایا اور فرمایا:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ
اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ (آل عمران آیت ۳۱)

آپ فرما دیجئے ان کو اگر تم (واقعی) اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تم سے محبت فرمانے لگے گا اور تمھارے لئے تمھارے گناہ بخش دیگا

لوکان حبك صادقاً لاطعتہ ان المحب لمن یحب مطیع

محبوب کی اطاعت اور اس کے احکام کی بجا آوری ہی دلیل محبت ہے، بغیر اطاعت دعوائے محبت غلط اور باطل ہے اور ایسی اطاعت اور احکام کی اس طرح

بے چون وچرا تعمیل جس میں مطیع کا کوئی اختیار نہ ہو سوائے اطاعت کے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط (سورۃ الاحزاب آیت ۳۶)

کسی مومن مرد اور عورت کے لئے اختیار باقی نہیں رہتا جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کسی امر میں حکم آجائے (کہ وہ اسکو تسلیم نہ کرے)

اس عدم اطاعت کی سزا اور انجام سے بھی آگاہ کر دیا گیا:۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو بیکار نہ بناؤ!

اور یہ تاکید فرما دی:۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط (الحشر۔ آیت ۷)

اور جو کچھ تمھیں رسول عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں (اس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرو!

ان احکام اطاعت کے بعد بھی اگر کوئی اپنی شومئی قسمت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم سے اعراض و رد گردانی اور خلاف کرتا ہے تو اس کے انجام بد سے بھی آگاہ فرما دیا:۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

(سورۃ النور آیت ۶۳)

پھر وہ لوگ جو پیغمبر علیہ السلام کا حکم نہیں مانتے ان کو ڈرنا چاہیئے کہ (دنیا میں) کوئی مصیبت ان پر نہ آپڑے یا آخرت میں ان کو سخت عذاب پہونچے!

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نافرمانی کو کفر قرار دیا ہے :-

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ۝

اے پیغمبر فرما دیجئے ہر معاملہ میں (دین کا ہو یا دنیا کا) اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو۔ پھر اگر وہ نہ سنیں (اعراض کریں) تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا !

اللہ اللہ! کس قدر اہتمام ہے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرانے کا اور ان کے احکام کی بجا آوری پر مامور فرمانے کا۔ اور یہ تمام اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ دنیا سے طاغوتی قوتیں یکسر ختم ہو جائیں، صالح معاشرہ تعمیر ہو، انسانیت فلاح پائے اور ذمائم اخلاق کی ظلمتیں دور ہو جائیں۔ انسانی نفس کا غرور اور سرکشی دور ہو جائے اور اخلاق حسنہ پر انسانیت گامزن ہو کر شرف انسانیت کے بلند ترین مقام پر پہنچ جائے۔ امیری اور غریبی کا فرق مٹ جائے۔ شر و فساد کی کدورتوں سے انسانیت کا ماحول پاک و صاف ہو جائے، قتل و غارت گری کے سوتے بند ہو جائیں اور سکون و آرام کی فضا قائم ہو جائے اور انسان انسان کو اپنا شکار نہ بنا سکے، اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے خداؤں کی خدائی کے بت پاش پاش ہو جائیں۔ نوع انسانی کے قدم جہل و ظلمت کی دلدل سے نکل سکیں اور خالق ارض و سما کی خدائی اور اس کی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھ سکے اور اس کی بندگی ہر طرف ہونے لگے جو ہر شے کا خالق و مالک ہے !

اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس رؤف و رحیم نے (جو اپنے بندوں پر ماں باپ سے سے زیادہ مہربان ہے) کائنات پر رحم فرمایا اور حیات انسانی کی زبوں حالی پر جو ایک عالمگیر حیثیت اختیار کر چکی تھی کرم گستری فرماتے ہوئے وہ صحیفہ کاملہ اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور حیات انسانی کی اصلاح کے لئے اس کو اس قدر کامل اور جامع بنایا کہ پھر اس کے بعد کسی اور آسمانی کتاب کی ضرورت باقی

نہیں رہی اور اپنے محبوب و برگزیدہ رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس و منور سینہ کو اس کا مرکز ٹھہرایا، بذریعہ وحی ۲۳ سال کی مدت میں آپ کے قلب مطہر کو ابدی اور لافانی احکام کا یہ مجموعہ یعنی قرآن حمید تفویض ہوا. اور حکم ہوا:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۝ ۴۱

اے رسول! ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی توضیح و تشریح کرتے جائیں جو ان لوگوں کے لئے نازل کی گئی ہے؛

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذکر کی تبلیغ و اشاعت میں جو مساعی جمیلہ فرمائیں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صفحات اور احادیث شریفہ کے مجموعے ان سے معمور ہیں. قرآن حکیم میں مولائے کریم نے متعدد مقامات پر اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو واجب الاذعان قرار دیا۔ اور اس کی طاعت بھی اس طرح فرض فرمائی جس طرح اپنے احکام و ارشادات کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے ان قرآنی احکام کے علاوہ بھی ایسے احکام ہیں جو مفروض الطاعت ہیں ورنہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کن امور میں دیا جارہا ہے۔ پس وہ احکام رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یہی بیان قرآن ہی تو ہیں جن کی نسبت قرآن حکیم میں یہ حکم موجود ہے:-

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

یہ لوگ وہ ہیں جو پیروی کرتے ہیں اس غیب کی خبریں دینے والے بے پڑھے رسول کی، جس کو لکھا ہوا پاتے ہیں وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں، وہ ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۵۷)

سے منع فرماتا ہے اور ستھری چیزوں کو ان کے لئے حلال فرماتا ہے اور گندی چیزیں ان پر حرام فرماتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے اور ان کے گلے کے پھندے کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا ہے، وہی بامراد لوگ ہیں'

یہی وہ مقام ہے اور یہی وہ ارشاد ربانی ہے جس سے حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریعی مقام کا تعین ہوتا ہے تاکہ اس دور سعید کے مسلمان اور ان کے بعد آنے والی نسلیں تا قیامت کسی تشکیک کا شکار نہ ہوں؛

غور کیجئے کہ اولاً تو یہ بتا دیا گیا کہ یہ ارشادات باری تعالیٰ ان تعلیمات پر مبنی ہیں جو آسمانی صحیفوں توریت و انجیل میں پہلے سے موجود ہیں (ان کتابوں کی تحریف سے پہلے) پھر یہ بتایا گیا وہ پیارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) فضائل اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور رذائل اخلاق سے روکتا ہے۔ صاف ستھری چیزوں کو امت کے لئے حلال فرماتا ہے اور گندی چیزوں کی حرمت کا حکم دیتا ہے اس طرح ان پھندوں کو کھولتا ہے جو ان کے گلوں میں پڑے ہوئے تھے۔ اس کے بعد یہ تاکید فرمادی:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

جو کچھ اللہ کے رسول تم کو عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو؛

تاکہ امور تشریعی میں مسلمان کسی تذبذب کا شکار نہ ہوں، اس سلسلہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے اور اس کا مصدر و ماخذ وحی الٰہی ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک ارشاد گرامی جب کہ وہ مصدر تشریعی ہو قرآن حکیم کے ان ہی معانی اور مفاہیم کا آئینہ دار ہے اور کسی کلیہ کا تشریعی جزئیہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول پہلے بھی کہیں بیان کیا جا چکا ہے:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ؁

اے رسول آپ پر یہ قرآن نازل کیا گیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی توضیح و تشریح کرتے جائیں جو ان کے لئے نازل کی گئی؛

یاد رہے، حدیث شریف کا دائرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ حدیث کے دائرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کے علاوہ آپ کا عمل اور سکوت بھی جس کو اصطلاح محدثین میں تقریر کہا جاتا ہے، داخل ہے اور اسلامی قوانین کا مبنیٰ یا ماخذ ہے۔ بنظر غائر اگر دیکھا جائے تو بیان تین طرح کا ہوتا ہے قولی، فعلی اور سکوتی؛ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی، آپ کے افعال واجب الاطاعت اور سکوت یہ سب کے سب حدیث کے دائرے میں داخل ہیں اور آپ کا اسوۂ حسنہ انہی تینوں کے مجموعہ سے عبارت ہے جو اُمّت مسلمہ کی تقلید و پیروی کے لئے فقید المثال نمونہ ہے:-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ؁

تمہارے لئے پیروی اور تقلید کا بہترین نمونہ سرور کونین کی ذات گرامی ہے؛

قرآن اور حدیث کا فرق

اس سلسلے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ قرآن پاک کا ملاً اور کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امور تشریعی میں مستقلاً حجت شرعیہ ہیں ان میں مرور زمانہ سے نہ کوئی فرق پیدا ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے؛ لیکن دونوں میں ایک فرق خاص ہے۔ قرآن حکیم کاملاً کلام الٰہی ہے اور قدیم ہے اور حدیث بیانِ قرآنی سہی لیکن کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو حادث ہے۔ علاوہ ازیں کلام اللہ حجت مستقلہ ہونے کے ساتھ ساتھ حجت قطعی ہے اور حدیث سوائے حدیث متواتر کے (جن کی تعداد بہت کم ہے) حجت ظنّی ہے اور ظاہر

ہے کہ حجت قطعی اور حجت ظنی میں باہم فرق اور عدم تسویہ ہے اور سب سے اہم یہ کہ قرآن حکیم کا حکم اصل کلی ہے اور حدیث اس اصل کلی کی تشریح اور مصدر تفریع ہے، جس طرح دین کی تشریعی اصل دو ہیں۔ اس طرح مستقل حجت اور تشریعی اصلیں بھی دو ہیں ایک قرآن اور دوسری حدیث (احادیث تشریعی) اگرچہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے امور تشریعی میں اجتہادِ نبوت کو بھی ایک مستقل حجت اور مصدرِ احکام تسلیم کیا ہے لیکن امور تشریعی میں کہ اس اجتہاد کا مرجع بھی وحی الہٰی ہے اور وما ینطق عن الھوی اس پر دال ہے یعنی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اجتہاد بھی اجتہاد بشری نہیں ہوتا تھا جو مبنی بر خطا ہو بلکہ وحی الہٰی سے اس کی تائید ہو جاتی تھی خواہ وہ کچھ عرصے کے بعد ہی ہو۔ اگر وحی الہٰی سے اس اجتہاد کی تائید نہ ہوتی تو وہ مبنی بر خطا ہو سکتا تھا اور ایسا نہیں تھا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی معصوم عن الخطا تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دھلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:۔

> "جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کتب احادیث میں ان کو مدون کیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ امور ہیں جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے پیغمبر علیہ السلام تم کو جو کچھ بتائیں اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز آؤ ایسے امور میں سے ایک حصہ علم معاد کا ہے اور عالم ملکوت کے عجیب عجیب حالات کا ہے یہ سب امور وحی ہی کے واسطہ سے صادر ہوا کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو ان میں کچھ دخل نہیں تھا اور انہی امور میں سے ایک حصہ احکام شرعی اور عبادات اور معاملات کا ہے۔ مذکورہ بالا وجوہ میں سے کسی نہ کسی وجہ (جہت) سے ان کو منضبط کرنے کا ہے۔ ان علوم میں سے بعض وحی کے ذریعہ معلوم ہوتے تھے اور بعض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد

بھی وحی کے درجہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا تھا
کہ آپ کی رائے خطا پر قائم ہو سکے اور ایسا بھی نہیں کہ آپ کسی امر
منصوص سے حکم کا استنباط کرنے میں اجتہاد کرتے ہیں بلکہ اکثر حال
یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرع کے مقاصد اور اس کا قانون تعلیم
فرما دیا تھا جس سے آپ حکم شرعی بطریقہ تیسیر یا کسی امر کو مستحکم فرما سکتے
تھے۔ آپ اسی قانون کے تحت ان مقاصد کی توضیح فرما دیا کرتے تھے۔
جو آپ کو بذریعہ وحی حاصل ہوتے رہتے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

پس اجتہاد نبوت کو ایک جداگانہ نوع قرار دینا درست نہیں کہ اجتہاد نبوت
بھی اپنے حکمی یا اپنی عملی شکل میں سنت ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد
کے بعد خود بخود سنت بن جاتا ہے۔ میں یہاں اجماع و قیاس کی بحث کو نہیں چھیڑونگا
کہ وہ میرے موضوع سے متعلق نہیں ہے۔ مجھے چونکہ صاحبِ قرآن سرور ذیشان
صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت پر قدرے تفصیل سے کچھ عرض کرنا ہے اس لئے
یہ ضروری ہے کہ کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور اس کی گراں مایگی
کے بارے میں کچھ عرض کروں کہ آپ کے ارشادات گرامی خواہ وہ خطبات ہوں، یا
وفود و قبائل سے کلام ہو، احکام تشریعی کی وضاحت ہو یا مختصر کلمات حکمت آگیں و
کلمات بلاغت نظام و فصاحت التیام ہوں یا مکتوبات گرامی ہوں، ان عنوانات کے
تحت آپؐ کے کلام کے گراں قدر مجموعے پر نظر ڈالئے تو آپ ایک عظیم سرمایہ موجود پائینگے،
شرعی احکام کی وضاحت، مجملات و کلیات قرآن کی تصریحات، حلال و حرام
اور ان کے ممیزات، معاشرتی و معاشی زندگی کے کلیات و جزئیات اور اخلاقیات کے
صرف عنوانات ہی اس قدر ہیں کہ اگر اس سرمایۂ عظیم کے صرف "ابواب" ہی کی تدوین
کی جائے تو ان کو ضبط کرنے کے لئے کئی مجلد درکار ہوں گے؛

احادیث شریفہ کے متون کے عظیم تر سرمایہ پر نگاہ کیجئے تو صحاح، مسانید،
معاجیم اور مصنفات کی صورت یا اور کسی عنوان کے تحت مدوّن ہیں تو ان ارشادات گرامی

کی تعداد لاکھوں سے فزوں ہے اور پھر لطف یہ کہ آپ کا ہر گونہ کلام فصاحت و بلاغت سے آراستہ و پیراستہ ہے اس لئے یہ ضروری ہوا کہ کلام سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے متنوعہ پہلوؤں کو پیش کیا جائے۔ تفصیل سے اس پر کچھ لکھنا تو ان چند صفحات میں ایک امر محال ہے البتہ بہت ہی اختصار کے ساتھ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت و بلاغت کے سلسلہ میں کچھ عرض کیا جائے گا؛

حدیث شریف کے سلسلہ میں جو کچھ میں عرض کر رہا تھا اس سلسلۂ بیان میں بات اجماع و قیاس تک پہنچی تھی میں بس اتنا عرض کروں گا کہ اجماع اور قیاس کے لئے سنّت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متبوع ہے اور یہ دونوں تابع ہیں' ان دونوں کا مرجع اور مقیس علیہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابہام قرآن کے لئے وضاحت ہے یعنی اس کے مجملات کی تفصیل ہے مشکلات کی تفسیر و تعبیر ہے' اس کے مخفیات کا اظہار ہے' مرادات الٰہی کا تعین ہے اس طرح امور شریعہ میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کسی نہ کسی آیت قرآنی کی توضیح یا اس کا بیان ہے اور مجموعۂ احادیث' قرآن پاک کی بحیثیت مجموعی ایک تفسیر ہے چنانچہ متقدمین مفسّرین کی تفاسیر کی اساس یہی احادیث نبوی ہیں۔ چونکہ مصالح بندگی و بشری کے لئے آیات قرانی کے معزات جدا جدا ہیں۔ اس لئے احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی لفظاً و معناً جدا جدا ہیں جو ان تمام مضرات کو محیط ہیں۔ یہ ہے "مقام حدیث"' یہاں نفس حدیث یا قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کر رہا ہوں اس سے میری مراد حدیث کے اقسام یا حدیث کے وہ مباحث نہیں ہیں جو باعتبار درایت و روایت بیان کئے گئے ہیں اور نہ اس سے وہ احادیث مراد ہیں جو اپنی عاقبت خراب کرنے والوں نے اپنی دنیاوی اغراض کے حصول کے لئے گڑھ لی ہیں' یعنی احادیث موضوع اور حدیث نبوی کے مقدس عنوان سے ان کو معنون کر دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ علمائے متقدمین و محققین نے اپنی بصیرت اور کاوشوں سے فن نقد حدیث مرتب کر کے اس آمیزش و آویزش کا پردہ چاک کر کے کھوٹے کو کھرے سے الگ کر دیا اور نہ میری اس بحث کا تعلق

سنن ہدیٰ اور سنن زوائد سے ہے کہ یہ ایک الگ اور جداگانہ بحث کے متقاضی ہیں۔

قرآن کا اکثر حصّہ کلیّاتِ شرع ہے

شرعی احکام کے بارے میں قرآن حکیم کا اکثر حصّہ کلیّات شرع ہے اور جزئیات کا بیان بہت کم ہے ہاں بصائر وغیرہ کے بیان میں جزئیات بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان جزئیات کے بیان اور اس کی تصریح اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرما دی اور فرمادیا

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ۝

سورۃ القیامہ میں اس سے زیادہ واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ قرآنِ حکیم کا تمام وکمال آپؐ کے سینۂ اطہر میں جمع کر دینا اور پھر اس کا آپ سے پڑھوا دینا ہماری ہی ذمّہ داری ہے۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (ہمارے ہی ذمّہ ہے اس قرآن کا آپ کے سینۂ (اطہر) میں جمع کر دینا اور پھر آپ کی زبان سے اس کا پڑھوا دینا) اس کے بعد لِتُبَیِّنَ کی تفسیر اس طرح فرمائی: ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ (اور اس کا بیان (کلیات کی تفصیل) بھی ہماری ذمّہ داری ہے) چنانچہ یہی کلیات حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مصدر تشریع تھے، عقائد وایمانیات، حلت وحرمت اور معاملات وغیرہ کے جزئیات سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کلیات سے اخذ فرماتے اور اُمّت کو ان کی تعلیم فرماتے (بیان فرما دیتے) اس طرح اس قانون کی جو مصدر شریعت ہے دو اصلیں قرار پاتی ہیں ایک کتاب اللہ اور ایک سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کا تعلق تبلیغ شرائع سے ہے۔

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ آپؐ کا جو ارشادِ گرامی بھی ہے اس کا مبنیٰ وحی الٰہی ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کے کلام کی عظمت وصحت اور مبنی بر وحی ہونے کا اعلان فرمایا ہے: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ اس طرح وحی الٰہی سے مؤید احکام وارشادات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا تعلق تبلیغ شرائع سے ہے خواہ وہ کوئی کلیّہ ہو یا جزئیہ یا کوئی فرع جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب موقع یا ان کا جب کوئی محل نظر آیا تو بیان فرما دیا۔ پس

یہی دو اصلیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ حجت شرعیہ ہیں کہ قرآن کریم کا حکم اصل کلی اور حدیث اس اصل کلی کی تشریح اور مصدر تفریع ہے اسی لحاظ و اعتبار سے وہ قرآن سے الگ چیز ہے جیسا کہ خود سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ ؎ — جان لو مجھے قرآن کے ساتھ اس کا مثل بھی دیا گیا ہے !

اگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اصل تشریعی نہ ہوتی تو باری تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد کہ :-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرما لیا !

اس ارشاد باری تعالیٰ کے آخری وحی ہونے پر اجماع ہے تو جب دین کامل ہو گیا اور اس کے تمام احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو چکے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز، روزہ اور جہاد، اور معاملات مثلاً نکاح، معاہدات، قصاص اور حدود و فرائض سے متعلق تفصیلی احکام، حلال و حرام کے سلسلہ میں توضیحات و تشریحات قرآن حکیم میں تو ہیں نہیں تو پھر ان تفصیلی احکام شرائع کو کہاں تلاش کیا جائے۔ تو جواب یہی ہے کہ ان کو سنت نے بیان کیا ہے جو حدیث ہے !

میں یہاں قدرے تفصیل کے لئے صرف ایک دو مثالیں پیش کروں گا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر فرمایا تو آپ نے وہاں پہونچکر اہل کوفہ سے پہلا خطاب اس طرح فرمایا :-

بعثنی الیکم عمرؓ بن الخطاب اعلمکم کتاب ربکم و سنت نبیکم — مجھے تم لوگوں کے پاس عمرؓ بن الخطاب نے اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں تم کو تمہارے رب کی کتاب (قرآن) اور تمہارے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کی تعلیم دوں" (ازالۃ الخفا)

یہاں سنت سے مراد کتاب یعنی قرآن کے مطالبات اور اس کی عملی تشکیلات تھیں۔
اسی طرح حضرت عمران بن حصین (مشہور صحابی) رضی اللہ عنہ نے جب قرآن کریم کی ان عملی تشکیلات یعنی سنن نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیش کیا تو ایک شخص نے آپ سے کہا کہ "ہمارے لئے قرآن کافی ہے" تو آپ نے فرمایا:۔

انی رایت وکلت انت	میں دیکھتا ہوں کہ اگر تم نے اور تمہارے
واصحابك الی القرآن	اصحاب نے قرآن حکیم پر تکیہ کیا اور اس
اتجد فیه صلوٰة	کو بس سمجھا ہے، ذرا بتاؤ تو قرآن حکیم
الظهر اربعاً وصلوٰة	میں کیا تم نے نماز ظہر کی چار رکعتیں، عصر
العصر اربعاً والمغرب	کی چار اور مغرب کی تین رکعتیں
ثلاثاً!	مذکور پائی ہیں؟

پھر آپ نے تمثیلاً حج کا ذکر فرماتے ہوئے کہا:۔

اكنت تجد الطواف	اور کیا تم نے قرآن میں پایا ہے ــ کہ
بالبيت سبعاً والطواف	بیت اللہ کا طواف سات مرتبہ کرو اور
الصفا والمروة؟	اسی طرح صفا مروہ کا طواف کرو (۷ مرتبہ)

غرضیکہ جب آپ کلیات کے اعتبار سے نظر ڈالیں گے جو شریعت کے مصادر ومراجع ہیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ وہ تمام وکمال قرآن پاک میں موجود ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے:۔

(یعنی کوئی تر اور خشک ایسا نہیں ہے جو روشن کتاب میں موجود نہ ہو) اس ارشاد باری سے وہی کلیات مراد ہیں جن کو قرآن حکیم نے بیان فرمادیا ہے اور جو شریعت کاملہ کے مراجع اور مصادر رہیں گے

سُنّت کا اطلاق

میں یہاں سنت کے اطلاق پر ذرا کھل کر لکھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ سنت کا اطلاق شرعی (امر ونہی یا رخصت)

پر ہوتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو خصوصاً وہ امور جن کی بابت قرآن میں کوئی حکم منصوص موجود نہ ہو بلکہ صرف نبی مکرم و محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے منصوص ہو۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہو خواہ وہ ہم کو قرآن پاک کے کسی نص میں نظر نہ آئے اس کی بنیاد جیسا کہ پیشتر عرض کیا جا چکا ہے، وحی الٰہی ہی ہوتی ہے، اسی طرح لفظ سنت کے اطلاق میں صاحب سنت علیہ السلام کے عمل کا بھی مثل قول اعتبار کیا گیا ہے کہ آپ کا عمل بھی آپ کے قول کی تفسیر و تشریح و تعبیر اور قرآنی مقتضا کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ آپ کی تقریر (سکوت) بھی سنت ہے یعنی کسی شخص کے کسی فعل کا مشاہدہ فرما کر آپ کا سکوت فرمانا اور اس فعل سے منع نہ کرنا کہ اگر اس میں کوئی ایسا پہلو ہوتا جو منشائے الٰہی کے خلاف ہوتا تو آپ اس فعل سے اس کو باز رکھنے پر مامور تھے اور جب آپ نے سکوت فرمایا یعنی منع نہیں کیا تو اس کو حکم الٰہی کے مطابق پایا؛

ان امورِ سہ گانہ یعنی ارشاد، فعل اور سکوت کی بنیاد یا تو وحی الٰہی پر ہے یا اجتہاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ وہ بھی ہر اعتبار سے حق پر مبنی ہوتا ہے اور اس کا مبنیٰ و ماخذ قرآن حکیم ہی ہوتا ہے۔ امام شاطبی یعنی امام ابراہیم بن موسیٰ اللخمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۹۰ھ اپنی مشہور کتاب "موافقات" میں لکھتے ہیں:۔

> احکام شرعیہ کے باب میں قرآن حکیم کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ کلیات پر مشروع ہے۔ جزئیات کا بیان اس میں کم ہے اور اگر کسی جگہ کوئی حکم جزئی موجود بھی ہے تو وہاں بھی اس کی حیثیت کلّی ہی جیسی ہے اور ایسا کلّی حکم یا تو کسی اعتبار کے لحاظ سے ہے یا اصل ہونے کے لحاظ سے۔ ان اعتبارات کے باعث قرآن کریم کے لئے بہت زیادہ شرح و بیان کی ضرورت ہے یعنی حکم شرعی کی تفصیلات، اس کے شرائط، اس کے مواقع اور حقائق شرعیہ کے ارکان وغیرہ کے جاننے کے لئے بیان کی ضرورت ہے، پس "سنت" اس قدر کثرت اور اپنے مسائل کی افراط اسی

نئے تو اپنے دامن میں رکھتی ہے کہ وہ قرآن کا بیان اور اس کی تشریح ہے اور اس سلسلہ میں قرآن حکیم کی خود اپنی شہادت ان الفاظ میں موجود ہے۔ "وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ"

اسی بنا پر قرآن حکیم سے استنباط احکام میں، اس کے بیان اور اس کی اس شرح سے جو "سنت" ہے کس طرح اعراض ہو سکتا ہے جب کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سنت کی حیثیت "بیانی" ہے اور قرآن کی حیثیت اصلی اور کلی ہونے کی ہے اس میں نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ جیسے امور کلیہ طور پر بیان کئے گئے ہیں لہٰذا ان کی تفصیلات کے استنباط اور بیان کی طرف رجوع اور اس میں غور و فکر کئے بغیر چارہ نہیں جو سنت ہے اور اگر سنت کی طرف رجوع کرنے کے بعد بھی کچھ الجھنیں باقی رہیں اور ضرورت محسوس ہو تو سلف صالحین کی تفسیر پیش نظر رکھنا چاہیئے کیونکہ وہ اس کو دوسروں کی نسبت زیادہ جانتے تھے۔ (موافقات)

صاحب "موافقات" کے اس قول کی تائید سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے جس کو پہلے بھی لکھا جا چکا ہے یعنی: "علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین"۔ اس کے بعد اجماع اور قیاس ہے۔ یہ تمام چیزیں قرآن ہی سے حاصل ہوتی ہیں، چنانچہ اجماع کی دلیل شرعی ہونے پر اس آیت سے استدلال علمائے کرام کی نظر میں مسلمہ ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ	اور جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ	کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت
يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ	کی راہ روشن ہو گئی اور اس راہ پر چلے
نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ	جو مسلمانوں کی راہ سے الگ تھلگ ہے
جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ؕ	تو اس کو پھرنے دینگے اس طرف جدھر

(سورۃ النساء آیت ۱۱۵) وہ خود پھرا ہے اور ڈال دینگے اس کو جہنم میں اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے!

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں یہاں قیاس و اجماع کی بحث نہیں چھیڑونگا یہاں محض علامہ شاطبی قدس سرہ کے بیان کی تائید مقصود تھی جس کے لئے میں نے مذکورہ بالا قرآنی حکم بطور استدلال پیش کیا؛

قرآنی کلیات کی چند مثالیں

ان چند صفحات میں تو اتنی وسعت نہیں کہ میں قرآنی کلیات اور ان کے بیان یا تفصیلات کو (جو ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) پیش کروں یہاں صرف اس کی تائید میں چند ایسے امور کلیہ پیش کرتا ہوں جن کی تفصیلات، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقدس دامن میں لئے ہوئے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ	یہ وہ لوگ ہیں جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امّی ہے اور غیب کی خبریں دینے والا ہے جس کو وہ لکھا پاتے ہیں اپنے پاس توراۃ و انجیل میں، وہ (رسول) ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع فرماتا ہے ستھری چیزیں ان کیلئے حلال فرماتا ہے اور گندی چیزیں ان پر حرام فرماتا ہے اور ان پر سے جو بوجھ اور طوق تھے اُتارتا ہے۔

سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷

اب غور کیجئے کہ قرآن حکیم میں ماکولات میں حرمت کا یہ حکم کلی موجود ہے:۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ	اس نے تم پر سب مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کے سوا کسی اور کا

بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ج (سورۃ البقرآیت ۱۷۳)　　نام پکارا جائے حرام کیا ہے۔

پس مُردار اس حکم خداوندی سے حرام ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیان کے کلیہ سے تری کے جانوروں میں مچھلی اور خشکی کے جانوروں میں ٹڈی کو حلال فرمایا خواہ وہ مردار (مردہ) ہوں جیسا کہ اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہے:-

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احلت لنا میتتان ودمان، المیتتان الحوت والجراد والدمان الکبد والطحال۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال فرما دیئے ہیں مرداروں میں مچھلی اور ٹڈی ہے اور خون میں جگر (کلیجی) اور تلی ہے۔
(رواہ احمد وابن ماجہ والدارقطنی)	

اسی طرح دم بھی حرام ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد سے کلیجی اور تلی کو جو خون بستہ کی شکل ہے حلال فرما دیا جیسا کہ ارشاد بالا میں صراحت موجود ہے۔ ایک اور کلیہ قرآنی جانوروں کی حلت و حرمت کے سلسلہ میں یہ ہے، خنزیر کے سلسلہ میں دم اور میتہ کے ساتھ حرمت کا حکم آپ کے مطالعہ سے گزرا۔ یہاں ایک اور کلیہ بیان فرمایا گیا:-

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط	اور وہ جانور بھی حرام ہے جو گلا گھٹ کر مرجائے اور وہ جو چوٹ لگ کر مرے اور جس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو (حرام ہے) مگر جب تم درندہ کے پھاڑے ہوئے کو اس کے مرنے سے پہلے ذبح کرلو' اسی طرح وہ بھی حرام ہے جو بتوں کے استھانوں پر ذبح کیا جائے اور پانسے ڈال کر بانٹا جائے۔ سب نافرمانی کے کام ہیں۔
(سورۃ المآیدۃ آیت ۳)	

اس کلیہ کے تمام جزئیات احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ قرآن حکیم نے جانوروں کی حلت کے سلسلے میں یہ کلیہ بیان فرمایا ہے:۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ (سورۃ انعام)

"تو کھاؤ اس میں سے جس پر خدا کا نام لیا گیا ہے اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان لانیوالے ہو"

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ الخ

"اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اس جانور کو نہیں کھاتے ہو جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے" (بوقت ذبح)

یہ ایک کلیہ تھا۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مصدر تشریعی ہے صراحت اور تفصیل سے درندوں، شکار کر کے کھانے والے جانوروں کو حرام فرمادیا۔ جیسے شیر، چیتا، ہنڈار، بھیڑیا، ریچھ، لومڑی، کتا، اسی طرح صاحب شریعت نے وہ پرندے بھی حرام کر دیئے جو پنجہ سے شکار کرتے ہیں یا پنجہ سے پکڑ کر اپنی غذا کھاتے ہیں۔ اسی صراحت کے لئے ذیل کے ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمائیے:۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ذی ناب من السباع فاکلہ حرام۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کچلی رکھنے والے درندوں کا کھانا حرام ہے!
عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر (رواہ مسلم)	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلی والے درندوں اور پنجہ سے پکڑ کر کھانیوالے پرندوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے (حرام کر دیا ہے)

قرآن حکیم نے یہودیوں پر جانوروں کی حرمت کا یہ ایک کلیہ بیان فرمایا:۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ

الْحَوَايَآ اَوْمَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ

"اور یہودیوں پر ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی ان پر حرام کی گئی مگر جو ان کی پیٹھ سے لگی ہو یا ان کی آنت یا ہڈی سے لگی ہو (وہ ان پر حرام نہیں کی گئی)"

بیان قرآن یعنی سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے لئے ہر ناخن والا جانور حرام نہیں ہوا؛ ماکیان، خروس از قسم مرغ اور بہت سے پرندے ہمارے لئے حلال ہیں اور جو پرندے ہمارے لئے حرام ہیں ان کے بارے میں بتادیا گیا کہ ذی مخلب من طیر حرام ہے اس کا من طیر ہونا یقینی ہے لیکن "ذی مخلب" کے ساتھ مشروط ہے۔ اسی طرح حلال جانوروں کی چربی ہمارے لئے حلال فرمادی گئی خواہ وہ کسی عضو کی ہو، اسی بیان قرآنی نے حلال فرمادی ہے۔ چوپایوں کے سلسلہ میں قرآنی کلیہ یہ ہے:

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ

"چرنے والے جانور تمہارے لئے حلال ہیں مگر وہ جو آگے تم کو پڑھ کر سنائے جائیں گے مگر جب تم احرام باندھے ہوئے ہو تو شکار کو حلال نہ سمجھنا"

اس کلیہ کی توضیح و تشریح بھی حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی۔ حمار اہلی کو حرام قرار دیا اور حمار وحشی کو حلال ٹھہرایا۔

عن ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ قال حرّم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحوم الحمر الاھلیہ (متفق علیہ)	حضرت ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کا گوشت حرام فرمایا ہے
عن جابر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی یوم خیبر عن لحوم الحمر الاھلیۃ (متفق علیہ)	حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کا گوشت (کھانے سے) منع فرمایا؛

مسکرات میں خمر، بھنگ، چرس، گانجا، تاڑی اور اس دور کا راکٹ غرضکہ تمام سکر آور اور مسکر اشیاء کی حرمت آپ اسی بیان قرآنی میں پائیں گے۔ اس سلسلے میں چند احکام کا بھی استقصاء اگر کروں تو یہ بیان بہت طویل ہو جائے گا یہاں صرف انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں؛

یہ تو ماکولات میں حلت وحرمت کے سلسلہ میں چند مثالیں تھیں اب عبادات کی طرف آئیے کہ دین کا مدار ہیں۔ نماز و زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد تو ان کی فرضیت کے احکام متعدد جگہ قرآن حکیم میں موجود ہیں لیکن ان تمام عبادات کے تفصیلی احکام کی تلاش آپ قرآن پاک میں نہیں کر سکتے۔ نماز کے اوقات تو آپ قرآن حکیم سے مستنبط کر سکتے ہیں لیکن نماز کی ہیئت، قیام، رکوع، قعود، ہر رکعت میں دو سجدے ہر ایک نماز کی رکعات، اس کی تسبیحات، نماز کے داخلی اور خارجی شرائط، تشہد، درود و سلام وغیرہ؛

یہ تمام امور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمائے ہیں، زکوٰۃ اور اس کا نصاب، اس کے فقہی احکام، روزہ اور اس کے مسائل، حج کے مناسک اور جہاد کے احکام کی تفصیلات، ان سب کے مصادر و ماخذ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مرسلۂ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر احکام رسالت کی بجا آوری اور رسول مکرم و محترم کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ میں آغاز کلام میں اس سلسلہ کے چند احکام پیش کر آیا ہوں۔ اب یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف ایک بہت ہی واضح ارشاد ربانی کا اعادہ ضرور کروں گا کہ یہ تمام مباحث اسی کی تفصیل ہیں اور وہ مقام حدیث کی ارفع و اعلےٰ عمارت کی اساس ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لئے
إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا	اختیار نہیں رہتا کہ (وہ تسلیم نہ کرے)
أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ	جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے

اَمْرِهِمْ ط   کسی امر میں حکم آجائے۔

(سورۃ الاحزاب آیت ۳۶)

احادیث مبارکہ کا موضوع اور عنوانات

اس سے قبل صراحت کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے کہ احکامات شرعیہ میں احادیث مبارکہ کلیاتِ قرآن کی تفصیل اور تشریح ہیں یعنی قرآنِ حکیم نے اعتقادات اور معاملات کے سلسلہ میں جو احکام صادر فرمائے ہیں، معاش و معاد کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی توضیح و تشریح پر مبنی جس طرح احکام میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد اور حدود ہیں، اسی طرح اعتقادات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات، فرشتوں، آسمانی کتابوں، اس کے رسولوں، حشر و نشر، خیر و شر، جنت و دوزخ اور معاد کے سلسلے میں مفروض الطاعت ارشادات ہیں، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام امور کی توضیح و تشریح پیش کرتی ہیں، ملل قدیمہ کے احوال اُن کی نافرمانی اور سرکشی کے احوال و انجام کو بھی قرآنِ حکیم نے بیان فرمایا ہے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور کو مزید توضیح و تشریح کے ساتھ بیان فرمایا ہے جنت دوزخ، اعراف، حور و قصور اور معاد سے متعلق قرآنِ حکیم میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ کہیں اجمالاً ہے اور کہیں تفصیلاً ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجمال کی توضیح و تصریح اپنے ارشادات میں فرمادی ہے، یہی حال جزا و سزا سے متعلق امور کا ہے، الغرض احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع ان ہی احکام و احوال و اخبار کی توضیحات و تشریحات ہیں جو قرآن حکیم میں اکثر بطور کلیات یا بصورت اجمال بیان ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کے احوال و اعمال سب کے سب احادیث مبارکہ میں موجود ہیں، کہیں مرفوعاً اور کہیں موقوفاً! اس سلسلہ میں احادیث کریمہ کا سرمایہ بہت ہی عظیم ہے، چنانچہ ان ہی احادیث سے ہم کو نزول وحی کی ابتداء اس کے نزول کی کیفیت، فترت وحی اور اس کا زمانہ، دعوتِ حق کا آغاز، تبلیغ میں آپ کی

مشکلات اور آپ کو شدائد کا سامنا، کافروں کی ایذا رسانی اور دعوتِ حق میں ان کی مسلسل مزاحمتیں! اس دعوتِ حق کے سلسلے میں آپؐ کے دلائل و براہین جو حکمتوں اور بصائر سے مشعون و مملو ہیں! آپ کی دعوت کی پذیرائی، اسلام قبول کرنے والوں پر کافروں کی چیرہ دستیاں، مسلمانوں کا صبر و استقلال! دعوتِ حق کے سلسلہ میں نواحی مقامات پر آپ کا تشریف لے جانا؛

آپؐ کی موعظت اور آپؐ کے مختلف خطبات کا انداز، ان خطبات کے مضامین (متون) آپؐ کی ہجرت کے احوال، انصار و مہاجرین کے مابین رشتہ اخوت، دستور مدینہ، آپؐ کے دوسرے معاہدے، آپؐ کے مکتوبات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، حلال اور حرام کے احکامات اور ان کی توضیحات، آپؐ کے غزوات اور سرایا کے احوال اور ان کا اہتمام، قائدین جیوش کو دی جانے والی ہدایات، فضائل اخلاق کی تعلیم اور رذائل اخلاق سے اجتناب کے احکام، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ، آپؐ کے خصائل مبارکہ اور شمائل والا کی تفصیلات؛

تدبیر منزل، معاشرت، معاشیات کی صلاح و فلاح پر مبنی ارشادات کی تفصیل، تدبیر منزل و منزل کے ارکان کے حقوق، زکوٰۃ اور عاملینِ زکوٰۃ کا تقرر، زکوٰۃ کے مصارف کی تشریح و توضیح! حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تفصیل اور ان کی بجا آوری پر مبنی ارشادات حیات دنیوی اور اخروی کے بارے میں تفصیلات اور جزا و سزا کی بشارت اور انذار؛ غرضکہ دنیا اور آخرت کی زندگی سے متعلق تمام امور آپؐ کی احادیث شریف کا موضوع ہیں، آپؐ کے ان ارشادات گرامی کی جامعیت کس کے قلم میں یارا ہے کہ بیان کرسکے؛ یہی وہ تمام موضوعات حدیث ہیں جو کتب احادیث یعنی صحاح، مسانید، معاجیم کے مقدس نام سے مدوّن کیے گئے ہیں؛

اس موقع پر یہ عرض کردینا بہت ضروری ہے کہ ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمامی موضوعات حدیث میں سے میں تمام موضوعات کو بیان نہیں کرسکا ہوں کہ ان کا استقصاء دو چار صفحات میں نہیں ہوسکتا، کتب احادیث میں آپؐ کے ارشاداتِ گرامی

کے تمام عناوین موجود ہیں، لیکن کسی ایک مجموعہ کے مطالعہ یا اس کی فہرست عنوانات سے آپ کے اس ذوق کی تسکین نہیں ہوسکتی۔

حدیث شریف کا اسلوبِ بیان اور اُس کی فصاحت و بلاغت

اب تک جو کچھ پیش کیا گیا وہ "مقام حدیث" اور اس کے تشریعی اور تفریعی پہلو کے سلسلہ میں ایک ادنیٰ سی کوشش اور ایک معمولی سی وضاحت تھی یعنی اس کے اطلاقاتی پہلو سامنے لائے گئے تھے وہ بھی اپنی بے مایہ بساط اور ناقص فہم کی قدرتِ رسائی تک۔ حدیث شریف یعنی کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس الفاظ، پاکیزہ کلمات، ان کی فصاحت و بلاغت اور اسلوب بیان پر قلم نہیں اٹھایا گیا تھا، اگرچہ میں کیا اور میری بساط کیا اور میری فکر و دانش کا حوصلہ کیا؟ کہ میں ایک ذرۂ بے مقدار، کم علم نادان اور کج فہم میری جرأت اور میری مجال کیا کہ میں اس موضوع پر قلم اٹھا سکوں جبکہ ہزاروں، لاکھوں بلند پایہ اصحابِ فکر و قلم، علمائے اسلام اور مفکرین عظام اپنی کاوش فکر کے نتیجے اس موضوع پر چھوڑ گئے ہیں اور پھر بھی یہی کہنا پڑتا ہے کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بہرحال اُمت محمدی علیہ التحیۃ والثناء پر ان کا یہ احسان ہے کہ جب شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم اٹھایا تو کلام نبوی کی خوبیوں کو بھی نمایاں کیا تاکہ امت کے افراد کو یہ معلوم ہوسکے کہ مہبط وحی علیہ التحیۃ والسلام و ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر و اقدس سے ادا ہونے والا کلام اگر "وحی متلو" ہوتا تھا تو اس کی فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں دنیائے عرب کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء دم بخود تھے۔ قرآن حکیم

نے اپنی زبان اور طلاقت لسان پر ان ناز کرنے والوں کو یہ کہکر للکارا تھا:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۔ (اور اگر تم اس میں شک کرتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا تو اس کی طرح ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ)؛

اور قرآن حکیم کی اس للکار اور اس دعوے کے جواب میں دنیائے عرب ایک آیت بھی نہ پیش کر سکی۔ حالانکہ "سبع معلقات" کے شاعروں میں سے بعض بقید حیات تھے لیکن وہ بھی چپ سادھے پڑے رہے۔ اسی طرح وہ ارشادات والا جو وحی الہٰی کی صورت میں لازم تلاوت نہ تھے بلکہ محض کلام نبوت تھے جس کو اصطلاح شریعت میں حدیث کہتے ہیں اس کی فصاحت و بلاغت اور معنوی وسعت کس بلندی پر تھی؛

اللہ اللہ! فصحائے عرب کا یہ یارا نہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے لب وا کر سکیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام کمالات سے بہرہ ور فرما دیا تھا جو انسانی خیال میں آسکتے ہیں؛ چنانچہ فصحائے عرب کیا بلکہ زباں دانِ عالم میں سے کسی کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ آپ کے کلام میں حرف گیری کر سکے اور نقص نکال سکے۔ کہ نقص کلام نبوت کی تحقیر ہوتی۔ معاذ اللہ نقص کا تو تصوّر بھی آپ کے کلام بلاغت نظام و فصاحت التیام میں نہیں کیا جا سکتا کہ وہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ سے مستدل اور معنون تھا اور یہ ارشاد باری آپ کے کلام اقدس کا طغرائے امتیاز اور عنوان خاص تھا اور تمام انبیاءٔ و رسل (علیہم السلام) میں یہ فخر بھی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ مختص تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے شہر اور عمر شریف کی اس طرح قسم کھا کر عزت میں سب سے بلند فرمایا:۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ اور لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝

اسی طرح آپ کے کلام اقدس و اطہر کی جو کلام ربّانی کے بعد دنیا کے تمام کلاموں سے بہتر برتر اور افضل اور ان کی مجموعی خوبیوں اور اوصاف سے متصف تھا اس طرح قسم کھائی :۔ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

(مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم، کہ اے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے) تو اب کس کا یارا تھا اور کس کی مجال کہ وہ آپ کے اس کلام پر جس کی عظمت اور سربلندی کی قسم رب تعالیٰ نے یاد فرمائی ہو، مبصرانہ نظر ڈالے! البتہ نامکمل و نارسا فہم انسانی اور اس کی فکر ناقص کو غور و تفحص کے بعد جو کچھ خوبیاں اس کلام میں نظر آئیں اس نے ان کا استقصا کیا ہے حالانکہ یہ ایسا ہی ہے کہ سمندر سے ایک بوند ہتھیلی پر رکھکر یہ کہنا کہ یہ سمندر ہے۔ جس طرح آپ کے کمالاتِ نبوت کا تمام و کمال بیان اور الفاظ سے ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے اسی طرح آپ کے کلام کی خوبیوں کا استقصا فہم انسانی سے ناممکن ہے۔ ہاں آپ کے غلاموں نے تو صرف بظاہر نظر آنے والی خوبیوں کو جمع کر کے بقدرِ فہم ناقص ان کو بیان کر دیا تا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کا یہ پہلو بھی بقدر طاقت بشری معرض بیان میں آجائے اور بس، ورنہ ؎

کہاں ہے مری زباں کو یارا کروں جو وصف حدیث والا
کوئی وَمَا يَنطِقُ سے پوچھے ہے کتنا پیارا کلام ان کا (شمسؔ بریلوی)

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے حضرات سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ظہور اسلام کے وقت عرب میں حضارت بہت کم تھی اور اس کے مقابل میں بدویت کا بہت دخل تھا۔ عمرانیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عرب کے عظیم قبائل جو جزیرہ نمائے عرب میں پھیلے ہوئے تھے ان قبائل کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان ہی قبائل سے بہترین شعراء اور خطباء اور بہترین فصحاء پیدا ہوئے۔ عرب کے بلند پایہ ماہرین علم الانساب کا تعلق ان ہی قبائل سے تھا جن پر بدویت کی چھاپ لگی ہوئی تھی، سبعہ معلقہ کے مشہور شعراء کو کون نہیں جانتا۔ امرؤ القیس، لبید اور کعب وغیرہم کا تعلق ان ہی بدوی قبائل سے تھا، اسی بدویت کے ماحول میں ان کی فصاحت و

بلاغت سے بھرپور شاعری پروان چڑھی تھی، بدویت میں قبائلی زبان اختلاط کے میل سے پاک تھی۔ ہر قبیلہ کی زبان کا مخصوص انداز تھا اور مخصوص روز مرّہ؛

ایام عرب کا مطالعہ کرنے والے حضرات پر یہ بات بخوبی روشن ہے کہ صحت و توانائی اور زباں دانی کے بہترین مفادات کے حصول کے لئے حضریت کے متمول خاندان اپنے بچوں کو اسی بدویت کی آغوش میں دے دیا کرتے تھے تاکہ کھلی فضا میں پرورش پاکر صحت و توانائی کے ساتھ زباں دانی کے جوہر سے بھی آراستہ ہو جائیں چنانچہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایام شیرخوارگی میں حضور کی والدہ ماجدہ نے اسی مقصد کے حصول کے لئے قبیلۂ سعد کی محترم خاتون حلیمہؓ کی آغوش میں دے دیا تھا حالانکہ قدرت نے آپ کو تمام کمالات سے آراستہ کر دیا تھا لیکن اسباب ظاہری کی بنا پر ایسا کیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات کے اظہار کا ابھی وقت نہیں آیا تھا اور ان کو یہ خبر نہ تھی کہ میرا یہ نورِ نظر تو افصح العرب ہوگا اور عطائے نبوت کے ساتھ ساتھ زباندانی کے تمام کمالات بھی آپ کو عطا فرما دیئے جائیں گے؛

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ سعد کی زباندانی کی طرف اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے "میں افصح العرب ہوں، قریش میں سے ہوں اور قبیلہ سعد میں میری نشو و نما ہوئی ہے"

اس تمہید سے مقصد اس بات کا اظہار تھا کہ اعلام نبوت کے بعد سرورِ ذیشان کی بارگاہِ رسالت مآب میں جتنے وفود آتے تھے وہ انہی قبائل منتشرہ کے منتخب افراد ہوتے تھے اور وہ ہر اعتبار سے کیا زبان و بیان اور کیا طلاقتِ کلام اور کیا وجاہت و امارت یہ تمام خوبیاں ان ارکانِ وفود میں موجود ہوتی تھیں اور ایسا نہیں تھا کہ ان مختلف وفود کا روز مرّہ اور ان کے محاورات یکساں ہوں بلکہ جیسا کہ میں پیشتر عرض کر چکا ہوں ہر قبیلہ کا ایک مخصوص انداز اور مخصوص روز مرّہ اور محاورات تھے اگرچہ ان کے مابین بہت سے عربی الفاظ مشترک تھے لیکن اس اشتراک کے باوصف اکثر و بیشتر الفاظ مخصوص یا انفرادی نوعیت کے بھی ہوتے تھے۔ جن کو میں قبائل مختلفہ کے "لغات جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں" کے عنوان کے تحت پیش

کرچکا ہوں۔ بعض الفاظ کی تراش وخراش اور ان کے مشتقات ان ہی سے مخصوص تھے اور اس وصف میں کوئی دوسرا قبیلہ ان کا شریک وسہیم نہیں تھا۔ ایسی صورت میں سرزمین عرب کا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ان تمام قبائل کی زبان پر عبور رکھتا ہے قربان جایئے شان رسالت کے کہ یہ وصف اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص فرمادیا تھا کیونکہ اس کے علم میں تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب کہ عرب کے یہ قبائل منتشرہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں باریاب ہوں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے ان ہی کی زبان میں خطاب فرمائیں گے۔ یہ بھی سرور ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا کہ قدرت نے ان تمام قبائل کی زبان سے بدرجۂ کمال آگاہ فرمادیا تھا اور زباں دانی کے تمام کمالات سے بہرور فرمادیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور والا مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکوں کے سامنے معاذ اللہ معاذ اللہ کیا اظہار عجز فرماتے؟ بھلا یہ کس طرح ممکن ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم زبان فہمی اور زباں دانی میں اظہار عجز فرمائے۔

چنانچہ ان دیکھنے اور سننے والے حضرات کی قسمت کی معراج کہ انھوں نے خود مشاہدہ کیا اور ان کو ایسے موقعوں پر شرف حضوری حاصل ہوا کہ نجد وحجاز، یمامہ ویمن وغیرہ میں پھیلے ہوئے قبیلوں میں سے کسی قبیلہ کا وفد حاضر خدمت ہوا اور اس نے اپنی مقامی زبان میں گفتگو کی اور اظہار مدعا کیا تو بغیر تامل یا غور وفکر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وفد کی زبان میں جواب مرحمت فرمایا۔ اور ان ہی کے محاورہ اور مروجہ لغات زبانِ وحی ترجمان سے ادا ہوتے اور ان قبائل کی فصاحت وبلاغت کی زبان جس پر وہ ہمیشہ نازاں رہتے آپ کے کلام بلاغت نظام کے سامنے گنگ ولال ہوجاتی اکثر ایسے مواقع آتے کہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمہ وقت حاضر رہنے والے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) آپ کا کلام سمجھنے سے قاصر رہتے اور بارگاہ رسالت میں کسی مناسب موقع پر بعض جملوں کی توضیح وتشریح کے لئے خدمت سامی میں عرض کرتے۔ ایک ایسے ہی موقع پر چند صحابہ کرام نے بیک زباں عرض کیا

یا رسول اللہ! ہم نے آپ سے بڑھ کر فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا! تو آپؐ نے ارشاد فرمایا

"میرے لئے فصاحت و بلاغت سے کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے۔ آخر یہ قرآن میری ہی زبان میں تو نازل ہوا ہے جو "عربی" "مبین" ہے"

ایک اور موقع پر آپؐ نے ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:۔

"میں افصح العرب ہوں، قریش میں سے ہوں اور قبیلۂ سعد کے فصاحت آموز ماحول میں میری نشوونما ہوئی ہے"

یعنی کچھ اس ماحول کے اثرات بھی میری زبان پر ہیں حالانکہ آپ کی نشوونما قبیلۂ سعد میں صرف چند سال ہوئی اور جب عمر شریف چھ سال تھی اور بعض محیر العقول واقعات کے ظہور کی بنا پر حلیمہ سعدیہ آپ کو مکہ مکرمہ واپس لے آئیں اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مذکورۂ بالا ہی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قبائل کی زبان فصاحت و بلاغت کی کس منزل پر تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فصاحت و زباں دانی جس کے سامنے فصحائے عرب گنگ تھے محض توفیقی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور الہام ربانی سے آپ کو زیادہ سے زیادہ زبان و بیان کی بلندیاں عطا ہوئی تھیں اور علم و حکمت کے خزانے عطا ہوئے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (سورۃ النساء آیت ۱۱۳)۔

"اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری اور آپ کو سکھا دیا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے"

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ سکھا دیا جس سے آپ اب تک واقف نہ تھے اور علم و حکمت کے تمام خزانوں کا آپ کو مالک بنا دیا اور زبان و بیان کی تمام خوبیوں سے آپ کو بہرہ ور فرما دیا۔

علامہ امام رافعی اپنی کتاب اعجاز القرآن میں کہتے ہیں :-

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت توفیق الٰہی بھی تھی اور توقیفی بھی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام والقا کی ہوئی) یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب کی سرزمین میں پیدا فرمایا اور یہی عرب آپ کے مخاطب اوّل تھے اور ان کی تسخیر صرف زبان آوری ہی کے ذریعہ ممکن تھی چنانچہ بیان و فصاحت کے باب میں ان کے کارنامے مشہور ہیں مستزاد یہ کہ وہ مختلف طبقات میں اس طرح منقسم تھے جس طرح ان کے علاقے الگ الگ اور جداگانہ تھے اور اُن کے لغات، ان کے محاورات بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ان میں بہت سے لغات مشترک بھی تھے اور منفرد بھی یعنی خاص طبقہ اور قبیلہ سے مخصوص بعض قبائل کے الفاظ کی وضعات اور ان کے صیغے ان ہی کے ساتھ مخصوص تھے جن میں عرب کا کوئی اور قبیلہ شریک نہیں تھا بجز ان لوگوں کے جو ان ہی کے قبیلہ میں گھل مل گئے تھے۔

تمام عرب میں صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذات گرامی ایسی تھی جو عرب کے ایک ایک قبیلہ کے لغات ان کی زبان اور ان کے لب و لہجہ پر اس قدر عبور رکھتی تھی گویا اللہ تعالیٰ نے آپ پر مختلف زبانوں کے مختلف اسالیب منکشف کر دیئے تھے اور ہر زبان کی تمام حقیقتیں آپ کے سامنے لاکر رکھ دی تھیں چنانچہ جب کوئی قبیلہ حاضر خدمت ہوتا تو آپ اُسی قبیلہ کے مخصوص طرز ادا اور اسی کی مخصوص زبان اور اسی کے خاص لب و لہجہ میں گفتگو فرماتے اور اس پر مستزاد یہ کہ آپ کا خطاب سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور ایسا کہ خود اس قبیلہ کے فصحاء اور بلغاء ایسا کلام کرنے سے عاجز تھے"

(اعجاز القرآن عربی سے ترجمہ)

ظاہر ہے کہ ایسا ملکہ اور زبان پر ایسی دسترس اور مختلف قبائل کے روزمرہ اور ان

کے محاورات پر ایسا کامل عبور اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ ایک زبان داں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ہر قبیلہ کے مخصوص انداز بیان اور زبان سے واقفیت کے لئے ان میں صرف کر دے اور اس حقیقت سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو حصولِ زبان و بیان کے لئے نہ یہ کوشش کرنا پڑی اور نہ آپ کو اس کی ضرورت تھی کہ یہ جو کچھ کمالِ زباں دانی آپ کو حاصل تھا یہ توفیقی تھا کسبی نہ تھا جیسا کہ حضرت سعدی شیرازی نے کہا تھا ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست ۔۔۔ کتب خانۂ چند ملت بہ شست

اللہ تعالیٰ نے ان مختلف قبائل کی زبانوں اور نہ صرف زبان بلکہ اُن کے مختلف لب لہجہ پر آپ کو ایسی دسترس عطا فرما دی تھی کہ یہ وصف بھی منجملہ خصائص نبوت کے ایک خصوصیت بن گیا تھا اور عرب کی سرزمین میں اس وصف خاص میں بھی آپ کا کوئی عدیل اور مثیل نہیں تھا۔ یہی امام رافعی فرماتے ہیں :۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایسا ہوتا تھا کہ اس میں الفاظ کم ہوتے مگر معانی کی ایک دنیا لئے ہوتا تھا' بناوٹ سے خالی اور تکلف سے آپ کا کلام پاک تھا۔ جہاں بسط و تفصیل کی ضرورت ہوتی وہاں آپ کا کلام مفصل اور مبسوط ہوتا اور جہاں ایجاز و اختصار کی ضرورت ہوتی وہاں بہت مختصر کلام ارشاد فرماتے (اسی کا نام بلاغت ہے کہ کلام فصیح مقتضائے حال کے مطابق ہو) شائستگی سے گرے ہوئے الفاظ آپ کے کلام میں کبھی کسی جگہ نہیں پائے جاتے"

جب بھی آپ کی زبان وحی ترجمان گویا ہوتی تو اس سے حکمت کے جواہر نکلتے اور جب آپ کلام فرماتے تو تائید الٰہی اور توفیق ربانی سے وہ کلام ہر طرح کی خطا اور لغزش سے پاک ہوتا۔ کلام میں دل کشی، دلنشینی اور دل پذیری کا یہ عالم تھا کہ اس کی مٹھاس نے دشمنوں کے دل موہ لئے تھے۔ جس طرح آپ کی ہیبت دلوں پر لرزہ طاری کر دی تھی اسی طرح

آپ کی محبت، شفقت اور کلام کی اثر آفرینی سے دل آپ کے والہ و شیدا و شیفتہ بن جاتے تھے۔ تاریخ اسلام میں اس کی مثالیں موجود ہیں،،

(اعجاز القرآن از علامہ رافعی۔ ترجمہ)

(بسا اوقات ایسا ہوتا کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی ایک ایسی جماعت بارگاہِ رسالت مآب میں باریاب ہوتی جن کا بیشتر وقت آپ کی حضوری اور خدمت میں بسر ہوتا تھا اور آپؐ کے کلام وحی ترجمان سے فردوس گوش کا لطف اٹھاتے رہتے۔ اس اثنا میں کوئی وفد حاضر خدمت ہوتا اور آپ اس وفد کے لوگوں سے اسی قبیلہ کی زبان اور ان ہی کے لب و لہجہ (روزمرّہ) میں گفتگو فرماتے تو حاضرین میں سے بعض اصحاب کسی مناسب موقع سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تعجب کے ساتھ عرض کرتے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں موقع پر فلاں وفد کے ارکان یا رئیس وفد سے آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے، یہ کلمات اس سے قبل ہم نے کبھی نہیں سنے اور عرب کے کسی سابق کلام میں یہ پائے جاتے ہیں تو آپ بطور تحدیث نعمت کے فرماتے انا افصح العرب ایک بار حضرت ابو تمیمہ الہجی رضی اللہ عنہ، حاضر خدمت ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو نصائح فرمائیں ان میں ایک کلمہ یہ بھی تھا "ایاكَ والمخيلة" انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مخیلہ کیا ہے؟ ہم قوم عرب سے ہیں لیکن ہم یہ لفظ نہیں سمجھ سکے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مخیلہ، ازار کا زمین پر گھسٹنا ہے۔ یعنی ازار کا اس قدر نیچا ہونا کہ چلنے میں وہ گھسٹتا جائے، اس کے بعد یہ لفظ مخیلہ تکبر کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو متعدد ارشادات میں استعمال فرمایا ہے؛)

حضرت ابو جرمی جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں انھوں نے اپنے قبول اسلام کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند نصائح کو بیان کیا ہے۔ اس حدیث میں یہ لفظ حضور علیہ السلام نے اس طرح استعمال فرمایا ہے:

وارفع ازارك واسبال الازار اور ازار (تہبند) کو اونچا رکھو، ازار

فانہا من المخیلۃ وان اللہ لایحب المخیلہ (زنا تمام) کو نیچا لٹکانے سے خود کو بچا اس لئے کہ یہ تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا ہے؛

(اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے مشکوٰۃ میں بھی ہے)

اسی طرح اور بہت سے الفاظ و محاورات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائے ہیں جن سے عربوں کے کان نا آشنا تھے۔ ایسے کلمات اور جملوں کا استعمال "بیان" کی ان خوبیوں میں سے ہے جن کی بلاغت میں نظیر نہیں مل سکتی؛

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایکبار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے مات حتف انفہ کا جملہ ارشاد فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے "مات حتف انفہ" کا ایسا جملہ سنا جو اس سے پہلے کسی عرب کی زبان سے میں نے نہیں سنا تھا۔ جب میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے معنی دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ بستر پر پڑے پڑے مرجانے والے شخص کے لئے استعمال کیا گیا ہے یعنی وہ اپنی ناک کی موت مرگیا۔ جس طرح اردو زبان میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجانا مستعمل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ ایک مسلمان کو شہید کی موت پسند کرنا چاہیئے نہ کہ بستر پر پڑے پڑے ناک رگڑ رگڑ کر مرجائے؛

اسی طرح گھمسان کی جنگ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا الآن حمی الوطیس "تنور اب گرم ہوگیا" اس قسم کے اکثر جملے اور فقرے آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوتے اور وہ سب کے سب حدیث کی صورت میں دلوں میں محفوظ ہوتے چلے گئے اور پھر کچھ مدت کے بعد معرض کتابت میں آئے جو آج بھی بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں اس سے زبان کو جو وسعت و فسحت حاصل ہوئی اس کی تشریح کے لئے ایک دفتر درکار ہوگا۔ مختصر یہ کہ مرکبات یعنی جملوں اور فقروں کے باب میں کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتیاز خاص تھا۔ اور آپ کی فصاحت کا ایک اعجاز!

اگر قرآن حکیم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذخیرۂ الفاظ پر نظر ڈالی جائے تو

معلوم ہوگا کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لغات عرب کا میدان بایں وسعت اس قدر بھر گیا تھا کہ اس میں کسی اضافہ کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اور آپ کا عہد مسعود لغات کے ارتقا کی آخری حد تھی۔ عربوں کی لغت دانی اور الفاظ کی تراش وخراش یعنی اشتقاقی صنّاعیاں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسین و دلکش لغات اور جامعیت سے بھرپور کلمات کے سامنے بالکل ماند پڑ گئی تھیں اور اس میدان میں بھی ان کے لئے ہمہ دانی یا برتری کا موقعہ باقی نہ رہا اور کسی مشرک میں یہ حوصلہ نہ تھا کہ وہ اس میدان میں مقابلہ میں آنے کی کوشش کرتا۔ اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غور وفکر یا ذہنی کاوشوں سے دوچار ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی کہ یہ سب کچھ توفیقی یعنی الہامی تھا؛

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تکلّم!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام معجز نظام میں باوصف اختصار جامعیت، حسن تفہیم اس قدر ہوتا تھا کہ آپ کو اپنے کلام کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی مگر تالیف قلب کے لئے آپ اکثر بات کو تین بار دہرا دیا کرتے تھے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

انہ اذا کان تکلم	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تکلم
بکلمۃ اعادھا ثلثا	فرماتے (کوئی بات ارشاد فرماتے) تو
(صحیح بخاری)	اس کو تین بار دہراتے؛

ایسا محض ان لوگوں کے سامنے ہوتا جو بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر ہیبت نبوّت سے لرزہ براندام ہوجاتے اور ہوش وحواس ان کا ساتھ چھوڑنے لگتے چنانچہ ایسا کبھی کبھی ہوتا۔ آپؐ ہمیشہ تکرار سخن نہیں فرماتے تھے اور یہ بھی محض اس لئے تھا کہ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ٥ کی ہر پہلو سے تکمیل ہوجائے اور سامع کا ذہن اس تشریعی حکم کی وضاحت کے ہر پہلو سے آشنا ہوجائے؛

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے کلام فصاحت التیام کے بارے میں مروی ہے (جب بعض لوگوں نے آپ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

تکلم کے بارے میں استفسار کیا):-

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی طرح بے توقف تیزی سے اور جلد جلد کلام نہیں فرماتے تھے بلکہ جب آپ کلام فرماتے تو وہ اتنا واضح ہوتا اور اس کے الفاظ اس طرح الگ الگ ہوتے اور اس میں اس قدر ٹھہراؤ ہوتا کہ جو شخص آپ کے پاس بیٹھا ہوتا وہ اُسے پوری طرح اپنے حافظہ میں محفوظ کرلیتا"

حضرت ام معبدؓ نے آپ کے کلام وحی ترجمان کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے:-

"آپ شیریں زبان تھے، جدا جدا کلمات بولنے والے تھے جو نہ ضرورت سے زیادہ ہوتے اور نہ کم اور نہ شائستگی کے خلاف، ان میں ذرہ برابر بھی کوئی ایسی بات نہیں ہوتی تھی، بس یوں سمجھ لو کہ آپ کی گفتگو ایسی ہوتی تھی جیسے موتی ایک لڑی میں پرو دیئے گئے ہیں، آپ بلند آواز تھے لیکن آپ کی آواز میں جاذبیت اور دلکشی تعریف سے بالاتر تھی"! (علامہ راغب طباخ)

اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اس پاکیزہ اور وحی الٰہی سے مؤید زبان اطہر سے جو کلمات بطور احکام صادر ہوتے وہ نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کا بیش بہا خزانہ، معاشرتی اور تمدنی زندگی کے بہترین اصولوں کا ایک بے مثال مجموعہ بندگی اور عبودیت کا ایک کامل قانون ہوتا۔ حیاتِ انسانی کا ایک ایسا دستور العمل اور آئین جس نے دنیا کے دوسرے دساتیر کو اپنے سامنے حقیر و بے مایہ بنا دیا تھا۔ جو قصص الانبیا کا ایک جامع ذخیرہ، مللِ قدیمہ کی زہرہ گداز داستان، حیات انسانی کو کمال پر پہونچانے والا ایک بے نظیر و بے عدیل دستور تھا اور الحمدللہ کہ آج بھی اس میں یہ تمام لازوال خوبیاں موجود ہیں۔ یہی ہے وہ مقامِ حدیث، اور اس کی فصاحت و بلاغت، جو میرے اس کلام کا "درۃ التاج" ہے!

یہی پاکیزہ اور معجز نما کلام احادیث شریفہ کے مجموعوں یعنی صحاح، مسانید، معاجیم اور جوامع کے عنوانات سے معنون قرنوں سے اُمتِ مسلمہ کی دینی میراث میں سفینہ بہ سفینہ

منتقل ہوتا چلا آرہا ہے اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کے ہاتھوں اس طرح منتقل ہوا کہ ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ کو صیرفیان روزگار نے اس طرح پرکھا اور سنگ محک پر کسا کہ غل وغش کی آمیزش جہاں بھی پائی اس متاع عزیز کی نگہداشت کرنے والوں کو بتایا کہ اس "کھوٹ" سے ہوشیار!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام معجز بیان سے لاکھوں صفحات معمور ہیں۔ اس سے اسلامی معاشرہ اور تہذیب کی جس طرح تعمیر ہوئی اور ایک فقید المثال عصر نو وجود میں آیا اس کو چند صفحات میں کس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات تو ہے نہیں اور پھر جس طرح ان ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کا قدرت نے اہتمام و انصرام فرمایا جو لاکھوں سے بھی متجاوز ہیں، وہ کسی انسان کے بس کی بات نہ تھی بجز تائید الٰہی اور مشیت ایزدی کے۔ یہ اہتمام و انصرام اس خالق یکتا و بے ہمتا نے فرمایا؛ جس نے آپ کو تمام کمالات بشری اور ملکی کا مجموعہ بنایا تھا اور نوع انسانی کی تربیت اور ہدایت و رہنمائی کا ایک اہم فریضہ آپ کو تفویض فرمایا تھا، اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ کا تاج بے مثالی آپ کے سر اقدس پر سجایا تھا اور اپنے کلام قدیم کی طرح کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قلب انسانی کی گہرائیوں میں اس طرح اتار دیا کہ ان دو کلاموں کی طرح کوئی اور تیسرا کلام اس طرح نہ دلوں میں اور نہ صحیفوں میں محفوظ رہ سکا؛ انسانی تہذیب و تمدن آج ارتقا کی جن منزلوں پر بظاہر باریاب ہے اس سے وہ سرور قلبی اور روحانی تسکین مفقود و معدوم ہے جس کو حاصل ارتقا کہا جا سکے۔ قلوب انسانی کی تسکین کی حقیقی منزل اور ارتقائے تمدن کی آخری حد تو وہی بارگاہ اور صاحب بارگاہ کے آئین ہیں۔ جس کی عظمت کے اظہار کے لئے محبت سے معمور ایک دل سے یہ آواز نکلی تھی ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

مقام حدیث کے سلسلہ میں ابھی بہت کچھ کہنا باقی ہے لیکن کتاب کی تنگئ امانی

کے پیش نظر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ نہ مجھے یہاں تاریخ تدوین حدیث بیان کرنی ہے اور نہ روایت و درایت حدیث پر کچھ لکھنا تھا اور نہ اقسام حدیث و مطاعن راوی کو اپنا موضوعِ سخن بنانا تھا کہ "مشکوٰۃ شریف" کے شارح حضرت محدث اعظم شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی نوراللہ مرقدہٗ نے اقسام حدیث پر شرح وبسط کے ساتھ "اشعۃ اللمعات" کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ تاریخ تدوینِ حدیث پر مبسوط کتابیں موجود ہیں اور تفحص و تحقیق کے ساتھ اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے اور آئندہ بھی لکھا جائے گا۔ مجھے تو صرف یہ عرض کرنا تھا کہ احکام قرآنی کی روشنی میں "مقام حدیث" کیا ہے۔ پس اپنے ناقص و ناکارہ فہم سے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور تائیدِ الٰہی اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نامتناہی سے یہ چند صفحات آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔

ہر چند کہ اس ذرّہ بے مقدار کے قلم کج مج بیان میں یہ طاقت کہاں تھی کہ اس موضوع پر کچھ لکھتا کتنا چھوٹا منہ اور کتنی بڑی بات! مجھ جیسا جاہل نادان اور بے شعور مقام نبوّت سے ناآشنا، آپ کے غلاموں کے مرتبہ سے بھی ناواقف، ایسے ناکارہ و نادان سے یہ انصرام کس طرح ہو سکتا تھا کہ وہ اس سلسلہ میں لب کشائی کرے لیکن قربان جائیے آقا کی بندہ نوازی کے اور غلاموں کے حال پر بے پناہ رافت و مکرمت کے کہ میرے قلم کو اس راہ پر چلایا اور میرے قدموں کو وہ توانائی بخشی کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا، ہر چند کہ برائے نام ہی سہی، جنھوں نے اس منزل کو طے کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سب کچھ ان ہی کا تو کرم ہے!

مری طلب بھی تو تیرے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

(جگر مرحوم)

جوامع الکلم

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی خوبیاں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معرض تحریر میں لانا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ فرما کر انا افصح العرب یہ بتا دیا کہ عرب و عجم میں آپ جیسا کوئی فصیح اللسان اور بلیغ البیان نہیں ہے، قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت پر جس طرح قلم اٹھایا گیا ہے اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت، آپ کے خطبات کی بلاغت اور آپ کے معاہدات اور مکتوبات کی جامعیت پر بھی اکثر ارباب علم وفن نے داد تحقیق دی ہے لیکن اختصار کو پیش نظر رکھا ہے!

میں نے ان بزرگوں اور اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے اس موضوع کو اپنایا ہے اور آپ کے مختلف فرمودات، احادیث مبارکہ، آپ کے جوامع الکلم، آپ کے مکتوبات، خطبات اور معاہدات کو جداگانہ عنوانات کے تحت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، آپ کے ارشادات اور فرمودات میں بلاغت کی سب سے اہم خوبی جوامع الکلم کو سب سے اوّل پیش کر رہا ہوں یعنی الفاظ کم سے کم اور معانی زیادہ سے زیادہ!

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی جس کے راوی خادم خاص حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو جوامع الکلم کا شاہکار ہے، حدیث شریف:-

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الایمان بضع و سبعون شعبۃ فافضلھا لا الٰہ الا اللہ وادنھا اماطۃ الاذی عن	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں ان میں سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے کمتر ان میں یہ ہے کہ راستے سے

الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان؛ (متفق علیہ۔ رواہ بخاری ومسلم)
اذیت رساں چیز کا ہٹا دینا۔ اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے؛

بظاہر تو یہ ایک قول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جس میں کلمۂ طیّبہ کی فضیلت ایمان کی فروع اور ایک اخلاقی درس نظر آتا ہے لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں معانی و مفاہیم کی ایک وسیع دنیا موجود ہے۔ قطع نظر اس کے مصدرِ تشریع ہونے اور اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کی جامعیت پر غور فرمائیے۔ علامہ حجر عسقلانیؒ نے "بضع وسبعون" شعبہ کی جو توضیح کی ہے وہ بڑی ایمان افروز اور حقائق پر مبنی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکورہ بالا میں جن ستر سے کچھ زیادہ شعبوں کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے یہ تمام کے تمام ہمارے دل، ہماری زبان اور ہمارے بدن کے اعمال سے متفرع ہوتے ہیں، جن کی میں یہاں وضاحت کروں گا۔ سب سے پہلے اعمالِ قلب کو لیجئے اس لئے کہ اعتقادات اور نیّت کا تعلق اسی سے ہے۔ قلب کے اعمال کے تحت یہ چوبیس اعتقادات و اعمال آتے ہیں؛

اعتقادات و اعمال قلب

۱۔ ایمان باللہ؛۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی وحدانیت پر ایمان لانا اور اس پر ایمان لانا کہ کوئی اس کی مثل نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی قدیم نہیں ہے اور ہم سب اس کے بندے ہیں؛ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے؛۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ

(سورۃ البقرہ آیت ۲۸۵)

حدیث شریف میں وارد ہے؛۔

۱۔ امرت ان اقاتل النّاس حتیٰ یقولوا، لا الٰہ الّا اللّٰہ۔ (متفق علیہ)

۲۔ من مات وھو یعلم ان لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنّۃ،

۲۔ اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانا؛۔

قرآن:۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۵)

حدیث:۔ الایمان ان تومن باللّٰہ، وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ (متفق علیہ)

۳۔ قرآن اور قرآن سے قبل نازل ہونے والی کتب پر ایمان لانا (جس طرح وہ نازل ہوئیں)

قرآن:۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ الخ سورۃ النساء آیت ۱۳۶

کتب سماوی پر ایمان:۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۝ (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۵)

۴۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ سے قبل مبعوث ہونے والے تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ئے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ (سورۃ النساء آیت ۱۷۰)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ الخ (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۵)

۵۔ اس پر ایمان کہ تقدیر خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے:۔

۱۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ (سورۃ النساء آیت ۷۸)

۲۔ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

حدیث ۳۔ کل شیءٍ بقدرٍ حتی العجز والکیس یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے (مشکوٰۃ)

۶۔ قیامت پر ایمان لانا (الایمان بالیوم الآخر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ (سورۃ النساء ۱۳۶)

الحدیث (حدیث الایمان) الایمان ان تؤمن باللّٰہ وملائکتہ ورسلہ

وبالبعث من بعد الموت وبالقدر کلہ (حدیث ابن عمرؓ)

۷۔ بعث بعد الموت!

قرآن:۔ قُلِ اللّٰہُ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یَجْمَعُکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَارَیْبَ فِیْہِ۔الخ

الحدیث:۔ الایمان ان تؤمن باللہ وملائکتہٖ ورسلہٖ و بالبعث من بعد الموت وبالقدر کلہ (صحیح بخاری)

۸۔ ایمان بالحشر:۔

القرآن:۔ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

الحدیث:۔ یقوم الناس لرب العالمین حتی یغیب احدھم فی رشحہ الی انصاف اذنیہ (صحیح مسلم رواہ عبداللہ بن عمرؓ)

۹۔ اس بات پر ایمان لانا کہ مومن کا گھر اور ماویٰ جنت ہے اور کافروں کا آخرت میں گھر اور ان کا ماویٰ جہنم ہے!

قرآن مجید:(۱) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ آیت ۸۲)

(۲) بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ (سورۃ بقرہ آیت ۸۱)

الحدیث:۔ ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی ان کان من اھل الجنۃ فمن اھل الجنۃ وان کان من اھل النار فمن اھل النار یقال ھذا مقعدک حتی یبعثک اللہ تعالیٰ الیہ یوم القیامۃ

۱۰۔ حب اللہ: یعنی الایمان بوجوب محبۃ اللہ عزوجل (اللہ تعالیٰ کی محبت کے وجوب پر ایمان لانا:

قرآن:۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۝ (سورۃ البقرہ آیت ۱۶۵)

۱۱۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا (الایمان بوجوب محبۃ النبیؐ)

قرآن مجید۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج

۱۲۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا دل میں راسخ ہونا اور آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا:

قرآن مجید۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ

(۲) لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط

(سورۃ الفرقان۔ آیت ۶۳)

قرآن مجید۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

۱۳۔ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا:

قرآن مجید۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۝

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ الخ (سورۃ النساء آیت ۵۹)

۱۴۔ اخلاص پر یقین واثق رکھنا یعنی ترک ریا اور ترک نفاق اور خالصاً اللہ کیلئے عمل

قرآن مجید۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ

(سورۃ البینۃ آیت ۵)

۱۵۔ توبہ کرنا:

القرآن۔ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ النور۔ آیت ۳۱)

۲۔ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ

۱۶۔ خشیتِ الٰہی:

قرآن مجید۔ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ

(سورۃ المومنون آیت ۵۷)

۲۔ مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ ۝
(سورۃ قٓ آیت ۳۳)

۱۷۔ امید و رجاء:
قرآن مجید۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ
۲۔ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۷)
۱۸۔ شکر الٰہی بجالانا: قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ:
وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (سورۃ الضحیٰ آیت ۱۱)
۱۹۔ ایفائے عہد:
قرآن مجید: وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا الخ (سورۃ البقرہ آیت ۱۷۷)
۲۔ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَ اِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ۝ (البقرہ آیت ۴۰)
۲۰۔ صبر بالقضاء:
وَاصْبِرْ عَلٰی مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (سورۃ لقمان آیت ۱۷)
۲۱۔ رضا بالقضاء:
وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (سورۃ البقرہ آیت ۲۰۷)
۲۲۔ توکل:
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ
وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ (سورۃ التوبہ آیت ۱۲۹)
فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ۝
(سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹)

۲۳۔ ایثار:
وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ
(سورۃ الحشر آیت ۹)

۲۴۔ رحم و رحمدلی:

وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ (سورۃ البلد آیت ۱۷)

۲۵۔ تواضع: اس میں بہت سے فضائل اور ترک رذائل داخل ہیں جب انسان میں یہ صفت پیدا ہوتی ہے تو عجب تکبر اور سرکشی کے رذائل خود بخود اس سے دور ہو جاتے ہیں، عجز و حلم اسی صفت کی انواع ہیں۔ انسان سے جب اس صفت کا صدور ہوتا ہے تو اس میں بہت سے فضائل اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں، یہ لفظ اردو زبان میں وضع سے لیا گیا ہے جس کے معنی "جھک کے ملنے" کے ہیں: قرآن پاک میں اس کے مترادف المعنی الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

۲۶۔ صدق:

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ (سورۃ آل عمران آیت ۱۷)

۲۔ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (سورۃ المائدہ آیت ۱۱۹)

۲۷۔ خضوع و خشوع:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝

(سورۃ المومنون۔ آیت ۲،۱)

۲۔ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ الخ

(سورۃ الحدید آیت ۱۶)

ان تمام امور متذکرہ بالا کا تعلق قلب سے ہے جب تک دل ان فضائل کی طرف مائل اور رذائل مذکورہ سے گریز پر آمادہ نہیں ہوتا ان کا صدور انسان سے نہیں ہوتا اسی لئے ان کو اعمال قلب کہا گیا ہے:

اب ان اعمال پر غور کیجئے جن کو اعمال لسان کہا گیا ہے، اعمالِ لسان کے تحت یہ آٹھ عمل آتے ہیں:

۱۔ زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرنا:

یہ اعمالِ قلب کے تحت گزر چکا ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب و اقرار باللسان ہی کامل ایمان ہے۔ اس سلسلہ میں بہت طویل بحثیں موجود ہیں میں یہاں ان کو پیش نہیں کروں گا کہ یہ بحث میرا موضوع نہیں ہے۔

۲۔ تلاوتِ قرآن:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (سورۃ المزمل۔ آیت ۲۰)

۲۔ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ (سورۃ النمل آیت ۹۱)

۳۔ تحصیلِ علم:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ الخ (سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۸)

۲۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (سورۃ النساء۔ آیت ۱۱۳)

۳۔ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (سورۃ المجادلہ۔ آیت ۱۱)

۴۔ تعلیم و تدریس و نشرِ علم:

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ الخ (سورۃ آل عمران آیت ۱۸۷)

۲۔ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ الخ (سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲)

۵۔ ذکرِ الٰہی (توبہ و استغفار)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (سورۃ الاحزاب آیت ۴۱)

۶۔ دعا:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ الخ (سورۃ البقرہ۔ آیت ۱۸۶)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (سورۃ فصلت آیت ۳۳)

۷۔ سچ بولنا :

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰیۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ۝ (سورۃ لیل آیت ۶)

۲۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌۙ ۝ (سورۃ الذاریات آیت ۵)

۸۔ لغو اور مہمل گفتگو سے اجتناب :

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَۙ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَۙ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ ۝ (سورۃ المومنون آیت ۱-۳)

۲۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا (سورۃ الفرقان آیت ۷۲)

یہ اعمال قلب و اعمال لسان تھے، اب اعمال بدن کو لیجئے، آپ اعمال بدنی کو ان ۳۸ فروع پر مشتمل پائینگے ان میں کچھ اعمال انفرادی یعنی شخصی) نوعیت کے ہیں اور کچھ عائلی اور منزلی امور سے متعلق ہیں۔ انفرادی یا شخصی اعمال بدنی یہ ہیں :

۱۔ طہارت جسمانی (حکمی اور حسی) یعنی ظاہری اور باطنی نجاست سے پاکی)

اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ط (سورۃ المائدہ آیت ۶)

۲۔ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَھَّرُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ ۝ (سورۃ التوبہ آیت ۱۰۸)

۲۔ فرض، سنن اور نفلی نمازیں :

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝

۲۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ۝

۳۔ حج اور عمرہ ادا کرنا :

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ط (سورۃ آل عمران آیت ۹۷)

۲۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ ط (سورۃ البقرہ آیت ۱۹۶)

۴۔ زکوٰۃ اور مفروضہ صدقات :

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۝ (سورۃ البقرہ آیت ۴۳)

۲۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط (سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۷۶)

۵۔ فرض اور نفلی روزوں کا رکھنا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥ (سورۃ البقرہ۔ آیت ۱۸۳)

۲۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ٥ (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵)

۶۔ غلام کو آزاد کرنا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ٥ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ٥ فَكُّ رَقَبَةٍ ٥ (سورۃ البلد۔ آیت ۱۱-۱۲-۱۳)

۷۔ مسکین اور غریب کو کھانا کھلانا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ٥ (سورۃ الدہر آیت ۸)

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ٥ (سورۃ الدہر آیت ۹)

۸۔ اعتکاف:

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ط الخ (سورۃ الحج۔ آیت ۲۵)

۹۔ مہمانداری اور آداب مہمانداری بجالانا:

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ٥ (سورۃ الحجر۔ آیت ۵۱)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ٥ (سورۃ الذاریات۔ آیت ۲۴)

۱۰۔ اپنے دین کے تحفظ کے لئے دار الشرک سے ہجرت کرنا:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ط (النساء۔ ۱۰۰)

۱۱۔ لیلۃ القدر کے پانے کے لئے شب بیداری کرنا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ٥ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ٥ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ٥ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ٥

(سورۃ القدر۔ آیت ۱-۲-۳)

۱۲۔ نذر معین پوری کرنا:۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ الخ (سورۃ البقرہ آیت ۲۷۰)

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ○ (سورۃ الدہر آیت ۷)

۱۳۔ مفروضہ کفاروں کا ادا کرنا:

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (سورۃ المائدہ۔ آیت ۴۵)

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ (سورۃ المائدہ۔ آیت ۸۹)

۱۴۔ بہترین ایمان کے ثبوت کے لئے کوشش بجالانا:

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا ○ الخ

(سورۃ المدثر آیت ۳۱)

مذکورہ بالا اعمال بدنی ایسے ہیں جن کا تعلق انفرادی اور ذاتی ہے۔ ایک شخص مومن و متقی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور رضا کے حصول کے لئے ان اعمال بدنی کو بجالاتا ہے اور اجر عظیم کا مستحق قرار پاتا ہے' اعمال بدنی ہی میں کچھ ایسے اعمال ہیں جن کا دائرہ اثر ذات اور فرد سے وسیع ہو کر معاشرہ کے دوسرے نفوس تک پہنچتا ہے ان میں بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق خاندانی زندگی یا تدبیر منزل اور عائلی زندگی سے ہے' ایسے اعمال بدنی یہ ہیں:۔

۱۔ نکاح کے ذریعہ اپنی عفت کا تحفظ کرنا:۔

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ الخ (سورۃ النساء۔ آیت ۲۵)

۲۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً الخ (سورۃ النساء۔ آیت ۳)

۲۔ والدین کے ساتھ سلوک کرنا:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا الخ (سورۃ العنکبوت۔ آیت ۸)

۳۔ اہل وعیال کے حقوق ادا کرنا

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ الخ

۲۔ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ الخ (سورۃ البقرۃ۔ آیت ۲۳۳)

۴۔ بزرگوں کی اطاعت اور چھوٹوں پر شفقت:

الحدیث لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا الخ

۵۔ صلہ رحمی:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ الخ (البقرۃ۔ آیت ۸۳)

۲۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ الخ (سورۃ النسآء۔ آیت ۳۶)

۶۔ اولاد کی پرورش کے ساتھ ساتھ ان کی دینی اور مذہبی تربیت کرنا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا الخ (سورۃ التحریم۔ آیت ۶)

۷۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک:

فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (سورۃ النحل۔ آیت ۷۱)

حدیث:۔ کفٰی بِرجلٍ اثماً ان یحبس عمّن یملك قوتہ۔

۸۔ سچی شہادت دینا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ (سورۃ المعارج۔ آیت ۳۳)

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا (سورۃ البقرۃ۔ ۲۸۲)

ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ الخ (؍؍)

مندرجہ بالا افعال بدنی ایسے تھے جن کا دائرہ اثر و نفوذ خاندان او رمنزل سے تھا مندرجہ ذیل افعال بدنی وہ ہیں جن کا دائرہ اثر و نفوذ اجتماعی خصوصاً مدنی زندگی سے ہے یہ افعال بیس ہیں :۔

۱۔ جماعت سے منسلک رہنا :

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا الخ (سورۃ آل عمرآن ۱۰۳)

حدیث شریف : من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ، مات میتۃ جاھلیۃ (صحیح مسلم)

۲۔ عدل کے ساتھ حکمرانی کرنا :

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ (سورۃ المائدہ۔ آیت ۸)

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ (سورۃ النسآ۔ آیت ۵۸)

۳۔ اولوالامر کی اطاعت کرنا :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج (سورۃ النسآ۔ آیت ۵۹)

حدیث شریف : من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی (بخاری مسلم)

۴۔ باہمی اختلافات اور رنجشوں کو دور کرنا :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ الخ (سورۃ الحجرات۔ آیت ۱۰)

حدیث : لاتحاسدوا ولاتباغضوا ولاتقاطعوا ولاتدابروا وکونوا عباداللہ اخوانا ہ

۵۔ حدود (اسلامی تعزیرات کے قوانین) کا اجرا :

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۃ التوبہ۔ آیت ۱۱۲)

۶۔ جہاد (باغیوں اور سرکشوں سے قتال اس میں داخل ہے) :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ (سورۃ الانفال۔ آیت ۷۴)

۷۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورۃ المائدہ۔ آیت ۲)

۸۔ پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

۹۔ ادائے امانت (بروقت قرض کی ادائیگی بھی اس میں شامل ہے):

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا

(سورۃ النساء آیت ۵۸)

۱۰۔ جائز موقعوں پر خرچ کرنا:

يٰبَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (سورۃ الاعراف۔ آیت ۳۱)

۱۱۔ حسنِ معاملہ: تدبیر منزل، سیاست مدن اور اجتماعی زندگی کے بہت سے امور اس حسنِ معاملت کے تحت آتے ہیں، ان سب کی تفصیل قرآن حکیم میں موجود ہے، یہاں صرف ایک آیت قرآنی پیش کر رہا ہوں جس میں حسن معاملت کے کلیہ کو بیان کیا گیا ہے اور تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ الخ (سورۃ الاحزاب آیت ۲۱)

۱۲۔ کسبِ حلال: روزی کمانے کے بہت سے طریقے ہیں اور دنیا میں بے اندازہ ذرائع معاش ہیں جن کی تصریحات قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ میں موجود ہیں اور ان کے حلال و حرام ہونے کی وضاحت موجود ہے۔ یہاں ایک آیت بطور کلیہ پیش کی جاتی ہے:

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا الخ (سورۃ المائدہ۔ آیت ۸۸)

۱۳۔ بیجا خرچ اور ضرورت سے زیادہ خرچ سے بچنا:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت ۲۶)

۱۴۔ چھینکنے والے کی چھینک پر یرحمک اللہ (تشمیت) کہنا:

حدیث شریف:۔ إذا عطس احدکم فحمد اللہ فشمتوہ ۝

۱۵۔ سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا:

وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ط

(سورۃ النساء۔ آیت ۸۶)

۱۶۔ لوگوں کی ایذا رسانی سے خود کو محفوظ رکھنا:

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۝

۱۷۔ بخل سے بچنا:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ ط سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط

(سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۸۰)

وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۝ (الیل۔ ۸)

۱۸۔ لہو و لعب سے احتراز کرنا:

قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ط الخ (سورۃ الجمعہ۔ آیت ۱۱)

۱۹۔ نہ رشوت لینا نہ رشوت دینا:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (سورۃ البقرۃ۔ آیت ۱۸۸)

حدیث شریف:۔ الراشی والمرتشی کلاھما فی النار۔

۲۰۔ پورا پورا تولنا:

وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۝ (سورۃ الشعراء۔ آیت ۱۸۲)

۲۔ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝ (سورۃ الرحمن۔ آیت ۹)

۲۱۔ راستے سے ایذا رساں چیز کا ہٹا دینا:

ایمان کا سب سے آخری درجہ یہ ہے کہ موذی (ایذا رساں) چیز کو راستہ سے ہٹا دیا جائے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی اس سلسلہ میں آپ کے مطالعہ سے گزر چکا ہے

قرآن حکیم: ایذا رسانی سے ممانعت:۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ○

غور فرمائیے ایک حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت، فرقان حمید اور آپ کے کلام کے سوا دنیا کا کوئی کلام ایسا نہیں کہ اس جامعیت کا حامل ہو اور فصاحت و بلاغت کے اس منتہائے کمال پر ہو!

اس جوامع الکلم حدیث والا کے تحت میں اُن موضوعات پر جو اس ارشاد گرامی میں موجود ہیں صرف نصوص قرآن پیش کردی ہیں تاکہ قاری کو یہ اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ اس حدیث مبارکہ میں دنیا و آخرت اور اخلاقیات کے کتنے مباحث موجود ہیں اور کس قدر وسعت معانی سے یہ ارشاد گرامی معمور ہے اور کتنے احکام الٰہی ہیں جو اس کی تشریح میں معرض بیان میں آئینگے، میں نے نصوص کے تحت معانی پیش نہیں کئے ہیں صرف سورۃ اور آیت کا حوالہ دے دیا ہے تاکہ اس حوالے سے بآسانی معانی کی طرف مراجعت کی جا سکے دوسرے یہ کہ عنوانات کے تحت تمام احادیث مبارکہ کو پیش نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ مباحث تو خود ایک حدیث گرامی کی وضاحت کر رہے ہیں، ان تمام عنوانات اور موضوعات پر احادیث مبارکہ کا ایک وسیع اور گراں بہا سرمایہ موجود ہے، ان موضوعات کے تحت صحاح ستہ، مشکوٰۃ شریف اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے مستند مجموعے موجود ہیں اور بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف اور مشکوٰۃ شریف کے متعدد اُردو تراجم مع تبویب و متون گرانمایہ کے موجود ہیں، سعادت اگر ذوقِ مطالعہ کا جذبہ بیدار کرے تو یہ تراجم قاری کے شوق کو پورا کر سکتے ہیں:

میں یہاں ایک اور حدیث مبارکہ پیش کر رہا ہوں جو صرف چند الفاظ پر مشتمل ہے لیکن معاشرے یعنی تدبیر منزل اور تہذیب تمدن کا ایک ایسا جامع اصول ہے جو انفرادی حیثیت سے معاشرہ پر بڑا اثر انداز ہے۔ اول الذکر حدیث گرامی کی طرح جس کی توضیح و تشریح بقید عنوانات ملاحظہ کر چکے ہیں میں اس حدیث کے معانی کو عنوانات کے تحت بیان نہیں کروں گا بلکہ صرف اس کی

وسعت معانی کی وضاحت کروں گا اور وہ حدیث گرامی ہے !

اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ !

یہ جزو مذکورۂ بالا اس حدیث مفصل کا ایک جزو ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :- یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِلَی امْرَاَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ ! (بخاری و مسلم)

اس حدیث گرامی کی شانِ ارشاد یہ ہے کہ ایک شخص نے ہجرت کی اور مدینہ منورہ میں آتے ہی ایک عورت سے نکاح کرلیا۔ اس عورت کا نام "ام قیس" لیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہجرت سے قبل اس خاتون "ام قیس" سے یہ معاہدہ ہوگیا ہو کہ ہجرت کرتے ہیں، پہلے تم ہجرت کرو پھر ہم مدینہ پہنچ کر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جائیں گے اور چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور چونکہ یہ دونوں کی نیت تھی لہٰذا دونوں میں سے کسی کی ہجرت "خالصاً لوجہ اللہ" نہیں ہوئی جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا " فھجرتہٗ الیٰ ما ھاجر الیہ" چونکہ اس مہاجرہ خاتون کے ارادہ اور عہد کا لوگوں کو علم نہیں ہوا بلکہ ان صاحب کے بارے میں جو ہجرت کرکے مدینہ گئے اور آتے ہی نکاح کرلیا یہ مشہور ہوگیا کہ یہ "مہاجر اُمِّ قیس" ہیں۔ یعنی انھوں نے ام قیس سے نکاح کے لئے ہجرت کی ہے۔ پس علی الاعلان یہ واضح کردیا گیا کہ ایسی ہجرت دین کی خاطر ہجرت نہیں ہے بلکہ یہ تو دنیا کے لئے کی گئی ہے پس اس کے فی سبیل اللہ ہجرت کا اجر ان کو نہیں ملے گا!

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہ مقصد نہیں کہ دنیا کے کاموں کی انسان نیت ہی نہ کرے۔ اسلام نے اس قسم کی بیجا قیود مسلمانوں پر عائد نہیں کی ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ دنیا کے کام کو سرانجام دینے کی نیت ہو اور اس کو عنوان دیا جائے دین کا، یہ "دورُخا پن" ہے۔ اور اس حدیث مبارکہ میں اسی امر کی ممانعت کیگئی ہے کہ دنیا کا کام کرے تو اس کو "دین" کا عنوان نہ دے اور دین کا کام ہو تو خالصاً لوجہ اللہ اور اتباع

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو اس میں دنیاوی مقصد کی لوث نہ ہو چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۵
تمام (مسلمانوں) کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ خالص اللہ کی عبادت کریں؛

ایک اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَہُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۵ (سورۃ النسآء آیت ۱۴۶)

اس ارشاد کا حقیقی مفہوم یہی ہے اور مسلمانوں کے لیے سبق آموز ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ ان کے صدق نیت پر ہی ثواب اور اجر عطا فرما دیتا ہے، وہ دلوں کے بھیدوں سے باخبر ہے اس کو انسانوں کی نیتوں کا علم ہے؛

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۵ (سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۱۹)

بندے نے اگر ایسے کام کی نیت کی ہے جس کے لئے اجر معین ہے لیکن بوجوہ وہ اس کو نہ کر سکا تو وہ عنداللہ ماجور ہے لیکن حصول اجر کی خاطر نیت کی اور قدرت رکھتے ہوئے اس کو انجام نہیں دیا تو یہ نیت صادق نہیں ہے اور اس کا اجر بھی نہیں ہے۔

تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ جب اس آیت کا نزول ہوا اور مکہ مکرمہ میں ان مسلمانوں تک یہ صدائے حق پہنچی جو بعض مالی اور بدنی مجبوریوں کے باعث ہجرت نہیں کر سکے

قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُہَاجِرُوْا فِیْہَا ط (سورۃ النسآء۔ آیت ۹۷)
کیا اللہ کا ملک فراخ نہیں تھا کہ تم (یہاں سے) ہجرت کرتے؛

تو ایک ضعیف اور بیمار مسلمان نے اس طرح مکہ سے ہجرت کی کہ ان کے بیٹے ان کو چارپائی پر ڈال کر مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف لے چلے لیکن حدود حرم سے ابھی نکلنے نہ پائے تھے کہ پیغام اجل آ پہنچا! چونکہ ان کی نیت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہجرت کرنا تھی یعنی خالصاً لوجہ اللہ! چنانچہ ان کے لئے اجر کی بشارت دی گئی، باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُہَاجِرًا
اور جو اپنے گھر سے نکلا، اللہ اور رسول کی

اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ	طرف ہجرت کرتا ہوا اور پھر اس کو موت
الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی	نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ
اللّٰہِ ط (سورۃ النسآء - آیت ۱۰۰)	ہو گیا ؛

غور کیجئے کہ نیت میں چونکہ اخلاص تھا مگر ان کی ہجرت مکمل نہیں ہونے پائی لیکن اللہ نے اجر کا وعدہ فرمالیا۔ اس حدیث مبارکہ کی توضیح اور تشریح میں شارحین حدیث نے بڑی وضاحت کی ہے اور اس سلسلے میں کثیر مباحث پیش کئے ہیں۔ مجھے یہ بتانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں فصاحت و بلاغت کی جو خوبیاں پیدا کی تھیں ان میں ایک اہم وصف آپ کا "جوامع الکلم" بھی تھا۔ مذکورۃ الصدر دو احادیث پر میں نے بہت ہی مختصر انداز میں روشنی ڈالی ہے ورنہ شارحین عظام نے اس سلسلے میں کلام کی ان تمام وسعتوں کا احاطہ کیا ہے جو چند الفاظ میں پنہاں ہیں!

اب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث مبارکہ میں سے چند احادیث کو پیش کر رہا ہوں جو فصاحت اور بلاغت کے اُن اوصاف سے متصف ہیں جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا خاصہ ہے۔ میں نے یہاں صرف ان احادیث مبارکہ کا انتخاب کیا ہے جو بہت ہی مختصر ہیں اور صرف چند الفاظ ہیں۔ تمدنی، معاشرتی، منزلی زندگی کی خوبیوں اور اس کے کامیاب نتائج کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں ان میں دنیاوی زندگی کے پاکیزہ مقاصد بھی پنہاں ہیں، معاشرے کی درستی بھی اور مسلمانوں کے بلند و اعلیٰ کردار کی تکمیل کا ایک جامع دستور العمل بھی! دین کی صلاح و فلاح بھی اس میں مضمر ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی، خوشنودی اور اجر بے حساب کی نوید بھی! جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں کہ حسنِ تالیف، نظم الفاظ، سلاست بیان، اثر آفرینی جو کلام کے جوہر خاص ہیں ان تمام احادیث گرامی میں موجود ہیں جو صحاح، مسانید اور جوامع کے ناموں سے مرتب و مدوّن ہیں بھلا کتاب کے یہ چند صفحات اس دنیائے فصاحت و بلاغت کا کس طرح احاطہ کر سکتے ہیں! آپ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کا مطالعہ کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان میں فصاحت و بلاغت بتمام و کمال موجود ہے

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم
کے
چند ارشادات

فصاحت آگیں بطور جوامع الکلم

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات گرامی جو ہماری منزلی، معاشرتی اور
تمدنی زندگی کی کامیابی اور کامرانی کا دستورالعمل ہیں اور حیاتِ آخرت، احکام دین، فضائل
اخلاق کا بہترین اور بیش بہا سرمایہ ہیں، صرف چند صفحات پر مشتمل نہیں ہے بلکہ ہزاروں
صفحات پر محتوی ہیں جیسا کہ اس سے قبل عرض کرچکا ہوں، ان میں طویل احادیث بھی ہیں،
اور مختصر بھی! لیکن ہر دو نوع کی احادیث یا ارشادات گرامی حکمت و دانائی کا خزانہ ہیں جن کی
تشریح و توضیح ہر دور میں علمائے کرام اور محققین و محدثین عظام (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین)
کرتے رہے ہیں اور ہر قرن اور ہر دور میں ان توضیحات و تشریحات پر اضافہ کیا جاتا رہا ہے،
حدیث شریف کی مؤلفہ و مدونہ کتب میں "صحاح ستہ"، کو بڑی قبولیت حاصل رہی
ہے جس کا باعث یہ ہے کہ ان کتب میں جو احادیث جمع کی گئی ہیں ان پر اصطلاحی لفظ "صحیح"
کا اطلاق ہوتا ہے یعنی یہ کتب ستہ احادیث صحیحہ کا مجموعہ ہیں، ان کتب ستہ میں خاص طور
پر "بخاری شریف"، بہت قبولیت اور اہمیت کی حامل ہے جس کا سبب یہ ہے کہ صاحب بخاری
نے بہت سعی و تحقیق اور نہایت تنقیح و تدقیق کے بعد صحیح احادیث کو اپنی کتاب میں جمع کیا ہے
بخاری شریف کے بعد مسلم شریف کو صحت و درایت میں قابل اعتنا سمجھا گیا ہے ان دونوں
کتب کو "صحیحین" کہا جاتا ہے، ان کے بعد صحاح ستہ کی باقی چار کتابیں ہیں ؛
میں یہاں موضوع تدوین حدیث یا تحقیق و جرح و تعدیل کو پیش نہیں کروں گا
بلکہ عرض یہ کرنا ہے کہ احادیث گرامی کے ان مہتم بالشان مجموعوں سے میں نے چند احادیث
پیش کردی ہیں اور ان کی جامعیت اور وسعتِ معنی کے اظہار کے لئے صرف دو احادیث کو

موضوع بنایا ہے اور ان کی شرح اپنے فہم ناقص کے اعتبار سے ان توضیحات کی روشنی میں کردی ہے جو علمائے متقدمین نے اپنی یادگار چھوڑی ہیں؛

علمائے کرام نے احادیث گرامی کی توضیح و تشریح میں جو فقیہانہ اور ادیبانہ کوششیں کی ہیں ان کی کیا تعریف کی جائے، احادیث شریفہ کے یہ فقہی نکات و مباحث لاکھوں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ حدیث شریف کا مشہور زمانہ مجموعہ "بخاری" ہے۔ اس مجموعے کی عربی، ترکی اور فارسی میں متعدد شروح موجود ہیں۔ اردو زبان ترقی کر کے جب مسائل علمیہ کے بیان کے قابل ہوئی تو اس میں بھی یہ شرحیں لکھی گئیں، یہاں ان شروح بخاری کے تفصیلی ذکر سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ یہ کیفیت صرف ایک "جامع صحیح" کی ہے، صحاح ستہ، کی باقی کتب کے علاوہ مسانید و معاجیم کا ایک عظیم ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے اور پھر ان کی شرحیں، ان کے حواشی اور تعلیقات، دنیا ان علمائے کرام کی کاوشوں پر حیران ہے؛ آپ اگر علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی "جمع الجوامع" اور پھر اس کی بابواب فقیہانہ ترتیب موسوم بہ "کنز العمال" مرتبہ حضرت علامہ علی متقی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ فرمائیں تو آپ ان حضرات کی کاوشوں پر حیران رہ جائیں گے۔ یہ تو صرف دو کتابوں کا ذکر کیا اس قبیل کی صدہا کتب حدیث شریف کے موضوع پر موجود ہیں اس شغف خاص کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم اور احادیث شریفہ ہی ہمارے احکام دین و معاملات دنیوی کا سرمایہ ہیں اور فقہ اہلسنت کے منابع اور مصادر احادیث گرامی ہیں جو کلیات قرآن حکیم کی جامع توضیحات ہیں؛

میں بغیر کسی انتخابی کوشش اور جستجو کے کچھ ارشادات گرامی یہاں پیش کر رہا ہوں جو علم و حکمت اور دانش کا خزانہ ہیں اور صرف چند الفاظ پر مشتمل ہیں، ان ارشادات گرامی کو "صاحب قرآن کی فصاحت و بلاغت" کے سلسلہ میں بطور شواہد پیش کیا ہے یعنی یہ چند مختصر ترین احادیث شریفہ حکمت و موعظت، فلاح و صلاح کا دستور العمل ہونے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا بھی آئینہ ہیں اور جوامع الکلم کی صفت سے متصف ہیں! ورنہ آپ کے جمیع ارشادات گرامی، آپ کے مکتوبات، آپ

کے خطبات اور معاہدوں کے گرانقدر متون سب کے سب اس صفت سے مالا مال ہیں کہ فصاحت و بلاغت آپ کے ہر گونہ کلام کا خاصّہ تھی اس صورت میں آپ کا کلام کسی نوعیت کا ہوتا اس کا اس وصف سے متصف ہونا یقینی تھا!

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا انا اُفصح العرب" فرمانا ہر چند کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے رفع استعجاب کے لئے تھا اور ایک حقیقت کا اظہار تو پھر یہ وصف کسی نوع سخن کے ساتھ کس طرح مخصوص ہوسکتا تھا، یہی سبب ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت آپ کے ہر نوع سخن میں بدرجہ کمال موجود ہے جس طرح قرآن حکیم کے کلیات کی توضیح میں آپ کا بیان فصاحت و بلاغت سے مملو تھا اسی طرح خطبات میں فصاحت و بلاغت کی عطر بیزیاں تھیں، مختلف النوع مکتوبات جب آپ املا کراتے تب بھی یہ وصف حیرت آفریں بلندیوں پر ہوتا تھا، معاہدوں کے گرامی قدر متون کی بھی یہی کیفیت تھی، نہ فکر کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ تامّل کی، فصاحت آگیں اور بلاغت التیام کلمات، تدبّر کے تمام پہلوؤں سے آراستہ زبانِ صدق ترجمان سے جاری ہوجاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فصاحت و بلاغت بھی منجملہ خصائص نبوت کے عطا فرمائی تھی اس لئے کسی آن اور کسی نوع آپ کے بیان سے اس کا انفکاک متصوّر ہو ہی نہیں سکتا!

اب میں کچھ ایسے ارشادات گرامی پیش کر رہا ہوں جو کلمات یا الفاظ کے اعتبار سے بہت ہی مختصر ہیں لیکن اُن کی معنوی حیثیت اتنی ہی بلند ہے، ایک مسلمان کی زندگی کی کامرانی اور فلاح کا وہ لائحہ عمل ہیں اور اُخروی زندگی کی کامیابی کا ساز و سامان ہیں!

۱۔ اَلنَّاس کُلُّھُمْ سَواءٌ کَاَسنانِ الْمُشْطِ!

سب لوگ باہم کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں!

کس قدر پیاری اور اثر آفریں تشبیہ اور تمثیل ہے جس میں بنی نوع انسان کی برابری اور باہم ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کنگھی کے جب تمام دندانے درست ہوتے ہیں اسی وقت وہ کام دیتی ہے اور اُلجھے ہوئے بالوں کو سلجھا سکتی ہے اسی طرح جماعت کے تمام افراد ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں اور ان

کے باہمی تعاون ہی سے معاشرے کی الجھنیں درست ہوتی ہیں اور دشوار کام حل ہوتے ہیں، پھر حقوق کے نقطۂ نظر سے دیکھئے تو سب بندگانِ خدا کے حقوق مساوی ہیں، معاشرہ میں عزت، راحت اور امن و امان سے زندہ رہنے کا حق سب کو حاصل ہے! ذمیوں کے حقوق اللہ تعالیٰ نے جو مقرر کر دیئے ہیں، ان میں بھی یہی حکمت موجود ہے کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح سے زندگی آرام اور چین سے بسر کر سکیں، اسی طرح حقوق کی ادائیگی میں بھی یہ تسویہ قائم ہے جس طرح حقوق کی ادائیگی ایک غریب کے ذمہ ہے اسی طرح صاحب ثروت پر فرض و واجب ہیں؛ کلکم راعٍ وکلکم مسئولٍ، اس پر شاہد ہے، حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں ہر ایک جوابدہ ہے ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند ۔۔۔ کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار ۔۔۔ دگر عضوہا را نماند قرار

تاریخ انسانی میں مساوات کا اتنا عظیم اور وسیع درس ان چند الفاظ میں سمٹ کر آ گیا ہے جو آپ اپنی نظیر ہے!

۲۔ لَا خَیرَ فِی صُحبَۃِ مَن لَا یرِی لکَ مثل ما تری لہٗ

ایسے شخص کی صحبت میں کوئی خوبی اور بھلائی نہیں ہے جو تمھارے لئے بھی وہ نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے یا اس انداز میں نہ سوچے جس انداز میں اپنی بہتری اور بھلائی کے لئے سوچتا ہے!

کتنا عظیم درس ہے اس حدیث مبارکہ میں کہ ایسے شخص کی دوستی اور ہم نشینی سے کیا فائدہ جو اسی طرح تمھارا خیر خواہ نہ ہو جس طرح وہ اپنا خیر خواہ ہے، معاشرے میں محاسن پیدا کرنے کے لئے یہ درس بہت ہی سبق آموز ہے، خیر خواہی کی تعلیم بڑے ہی دلنشین اور اثر آفریں انداز میں دی گئی ہے، خود غرضی اور خود مطلبی سے مثبت انداز میں روکا گیا ہے! اس سے پہلے لوگوں میں بہی خواہی کا یہ جذبہ مفقود تھا۔ جب لوگ اسلام کی دولت سے سرفراز اور اس کی تعلیمات سے بہرہ ور ہوئے تو ان کو دوسرے مسلمانوں کی خیر خواہی اور بہی خواہی کا بھی درس دیا گیا وہی درس ان چند الفاظ میں بکمال ایجاز و

اختصار دیا گیا ہے؛

۳- اَلْمَرْءُ کَثِیْرٌ بِاَخِیْہِ ! (ایک انسان، ایک فرد اپنے بھائی کے سبب سے ایک کثیر جماعت کی ہیئت اختیار کر لیتا ہے !

غور کیجئے کہ تین الفاظ ہیں لیکن معانی و مفاہیم کی وسعتیں یہ تین الفاظ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں؛ یہ الفاظ معاشرہ کی صلاح اور فلاح کے کس قدر سرمایہ دار ہیں اور کسقدر معاشرتی خوبیاں ہیں ان تین الفاظ میں، ظاہری اعتبار سے "حسن تالیف" کا کمال موجود ہے اور معنی کے اعتبار سے اصلاحِ معاشرہ کے علمبردار ہیں، اتحاد و اتفاق کا سبق اس میں پنہاں ہے؛ انسان کا نفس اس کو چیرہ دستیوں پر ابھارتا ہے۔ زر، زمین اور زن، معاشرہ میں فتنہ و فساد کی جڑ ہیں۔ موقع ملتے ہی طاقتور کمزور کو دبا لیتا ہے لیکن یہ چیرہ دستی اس وقت سست پڑ جاتی ہے جب چیرہ دست یہ دیکھتا ہے کہ میں جس پر ہاتھ ڈال رہا ہوں وہ کوئی کمزور شخص نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھائی، دوست، خیر طلب اور معاونین موجود ہیں، اگر میں نے اس شخص سے ٹکر لی یا اس شخص سے الجھا جو مجھ کو بظاہر بے یار و مددگار نظر آرہا ہے لیکن بباطن یہ تو ایک پوری جمیعت ہے اس کو چھیڑنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنا ہے؛ غور کیجئے کہ اس طرح معاشرہ اور تمدن کی کتنی برائیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود تھا کہ معاشرہ کو برائیوں سے پاک و صاف کریں اور جبر و استبداد کے سوتوں کو بند فرما دیں؛

۴- الیدُ العُلیا خیرٌ مِن الیدِ السفلی وابدأ بمن تعول !

اوپر والا یعنی دینے والا ہاتھ، نیچے والے یعنی لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور تم سب سے پہلے اس کو دو جس کی تم پر ذمہ داری (کفالت) ہے؛

اس جامع کلم حدیث مبارکہ کے دو اجزا ہیں، پہلا جزو ہے الید العلیا خیر من الید سفلی؛ اور دوسرا جزو ہے ابدأ بمن تعول؛

ہر جزء میں اصلاح کے بہت سے پہلو پنہاں ہیں۔ سوال اور مانگ کر پیٹ بھرنے

سے روکا گیا ہے، دریوزہ گری انسان میں دون ہمتی، بے عزتی، ذلتِ نفس کی خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ اِنسان کو بے عمل، سُست اور کاہل بنا دیتی ہے، انسان سوال کرتے کرتے اسقدر بے شرم ہو جاتا ہے کہ خودداریٔ نفس کا آئینہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں، کسب و حرفت کی سرگرمیوں میں ایسے افراد سے ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے بھکاری اس قوم کے لئے جس کا وہ فرد ہے، ندامت اور شرمندگی کا سبب بن جاتا ہے۔ متمدن دنیا میں ایسی قوم کو سربلندی حاصل نہیں ہوتی جس میں گداؤں اور بھکاریوں کی کثرت ہوتی ہے۔ اسلام نے بیت المال کا نظام اسی مقصد سے قائم کیا تھا، زکوٰۃ اور صدقات جن لوگوں پر خرچ کئے جائیں ان میں خاص طور پر "سائلین" کو شامل کیا گیا ہے تاکہ ان ذرائع سے حقیقی معنوں میں ان کے افلاس کو دور کیا جاسکے اور معاشرہ کے یہ نادار افراد اپنا پیٹ بھر سکیں؛

سیرۃ طیبہ میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "سوال" کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ ایسے افراد کو آپ "کسب" کی ترغیب فرماتے ہیں۔ اس حدیث مبارکہ کے جز اوّل میں یہی وسیع مفہوم پنہاں ہے؛

اب حدیث مبارکہ کا جز ثانی دیکھئے! اس میں نہایت ہی جامع پیرائے میں ایک صاحب تدبیر "منزل" کو افرادِ منزل کی ضروریات کی کفالت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، جس فرد پر اصحاب منزل یا ارکان منزل کا نان نفقہ واجب ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ دوسروں کو دینے سے پہلے ان لوگوں کی ضروریات کو پورا کرے جن کی ضروریات زندگی کا وہ ذمہ دار ہے، اس کے بعد اُقربا ہیں، "اقربا" کی مدد کی جائے تاکہ "صلہ رحمی" کے مقتضیات اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔ پھر غریب و نادار افراد ہیں جو سوال نہیں کر سکتے، جن کی خودداری سوال کرنے سے ان کے آڑے آتی ہے، اس کے بعد یہ سائلین ہیں کہ ان کو دیا جائے؛ اس طرح ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری ہونے سے معاشرے میں صلاح و فلاح پیدا ہوگی جیسا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشرتی عدل نے "معاشرہ" کو کتنا پاکیزہ، ایک بے مثال اور قابل تقلید معاشرہ بنا دیا تھا؛

۵- رَاسُ العَقلِ بعدَ الایمان باللہِ مدارۃ النّاس!

اس حدیث مبارک میں غور کیجئے سب سے بڑی عقل کی بات یعنی کمال دانشمندی "ایمان باللہ" کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلطف اور مدارا کو سرمایہ عقل فرمایا ہے۔

اس میں جو اجتماعی اور معاشرتی مصالح ہیں ان کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ اس تلطف و مدارا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں آپ ہر جگہ اور ہر موقع پر جلوہ گر پائینگے آپ کی اس دلدہی اور تلطف نے آپ کے بڑے بڑے دشمنوں کو آپ کا گرویدہ بنادیا! فتح مکہ کی عظیم الشان اور بے مثال کامرانی کے بعد قریش کے ساتھ آپ کا حسن سلوک یعنی تمام خطاکاروں کو بخش دینا اسی تلطف و مدارا کی ایک شان تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا جوق در جوق اسلام کے دامن میں پناہ لینے کے لئے حاضر ہونے لگے! حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو اسی تلطف اور مدارا کے نتیجے میں بخش دیا۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے حالت کفر میں شان رسالت میں بڑی گستاخیاں کی تھیں لیکن جب بارگاہ رحمت و رافت میں حاضر ہوئے تو بارگاہ نبوت سے انعام حاصل کر کے اقران و امثال پر سربلندی حاصل کی۔ (یہ انعام بصورت عطائے ردائے مبارک تھا)

اس تلطف و مدارا کی ایک عام تعلیم اس جامع الکلم حدیث میں عامۃ المسلمین کو دیگئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ وہ دشمنوں کی ایذا سے مامون و مصوّن ہوجائیں اور ان کے مؤیدین و محبین کا دائرہ وسیع تر ہوجائے!

۶- لیس الشدید بالصرعۃ واِنّما الشدید الّذی یملکُ لنفسہٗ عندَ الغَضَبِ ٥

وہ آدمی جو اپنے زور اور قوت سے دوسروں کو پچھاڑ دے وہ قوی نہیں ہے۔ حقیقت میں قوی وہ ہے جو غضب کے وقت نفس پر قابو پالے (اس کا مالک ہو)!

دوسرے لوگوں پر فتح و ظفر دو طرح سے ہوتی ہے، ایک قول اور دوسرا فعل، فعل کے ذریعہ دوسروں پر غلبہ پانا ظلم و تعدی ہے ایسے افعال کا مرتکب اللہ کے نزدیک اور مخلوق کے

نزدیک مذموم ہے، معاشرے میں خرابیاں، فتنہ و فساد اسی قوت اور طاقت کے بل پر پیدا کیا جاتا ہے، زبردستوں کے ہاتھوں زیردستوں کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کیلئے کسی توضیح کی ضرورت نہیں، ایک صالح اور پاکیزہ معاشرے میں ایسا شخص یعنی ظالم، ایک بدنما داغ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تو جو کچھ اس کو سزا ملے گی وہ ملے گی، وہ معاشرے میں بھی سزا بھگتتا ہے لوگ اس سے نفرین کرتے ہیں اس کے سائے سے بچتے ہیں، جس مجلس میں وہ شریک ہوتا ہے اس مجلس سے اُٹھ جانا ہی نیک اور صالح لوگ بہتر سمجھتے ہیں، حقیقت میں ایسا شخص قوی نہیں ہے بلکہ ظالم ہے درحقیقت قوی اور زورمند وہ ہے جو اپنے نفس کو ان خواہشات سے روکے جو مخالف شرع ہیں، اسی پر اس کو ثواب ملے گا؛

ظفر آدمی اس کو نہ کہئے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

(بہادر شاہ ظفر مرحوم)

اس مفہوم کی تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے:۔

اَعدا عدوك نفسك التی بَین جنبیك؛

تیرے دشمنوں میں سب سے شدید تیرا دشمن تو تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے؛

یعنی اظہار قوت، جوش، غضب اور تعدی پر نفس ہی ابھارتا ہے۔ پس انسان کے لئے اس سے شدید اور کوئی دشمن نہیں ہے؛

۷۔ المجَالسِ بالاَمانتہ — مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں!

یہ ارشاد گرامی بظاہر دو لفظوں پر مشتمل ہے لیکن ان کی بلاغت اور جامعیت غور طلب ہے۔ ان دو لفظوں میں آداب معاشرت کے بہت سے اوصاف اور خوبیاں پوشیدہ ہیں، رازداری، حفظ عہد اور حفظ دوستی کے اوصاف پر یہ الفاظ مبنی ہیں، اختلافات کی خلیج کو اس کے ذریعہ پاٹا جا سکتا ہے۔ اگر مجلس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان کو بطور امانت انسان محفوظ رکھے اور زبان سے کبھی ادا نہ کرے تو اس صورت میں دوستی اور

خلوص کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، انسان رازداری کی پسندیدہ صفت سے متصف ہوتا ہے اور اگر ان کو فاش کر دے تو فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جاتا ہے، نفاق و شقاق کی خرابیاں معاشرے میں پیدا ہوتی ہیں، نمامی یا چغلخوری سے معاشرہ میں جو مفاسد اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں وہ سب پر ظاہر ہیں، البتہ اگر اس کو یقین ہے کہ اس کے ظاہر کر دینے سے دو بھائیوں میں دوستی اور تعلقات استوار ہونگے یا احیاء دوستی ہوگا تو کوئی حرج نہیں اور اگر افشائے راز سے کسی ایک کو یا دوسرے افراد کو ضرر پہنچے تو وہ حرام ہے۔

۸۔ مَا هَلَكَ امْرُؤٌ عَرَفَ قَدْرَهُ ؛

وہ شخص کبھی ہلاک نہیں ہوگا جو خود شناس ہے (اپنی حیثیت کو پہچانتا ہے)

اللہ اللہ! کس قدر بلیغانہ اور حکیمانہ ارشاد ہے؛ اپنی حیثیت سے بڑھ کر بات کرنا اپنی حیثیت سے بڑھ کر کام کرنا اور دوسرے معاشرتی امور میں ایسے اقدام سے انسان کو جن تکالیف کا سامنا ہوتا ہے وہ کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے، اپنی حیثیت سے بڑھ کر اپنی دانائی کا اظہار کرنے سے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی نادانی سے آگاہ ہوجاتے ہیں اپنی حیثیت سے بڑھ کر محض نام و نمود کے لئے خرچ کرتا ہے نتیجہ تباہی و بربادی کی شکل میں سامنے آتا ہے، اپنی قوت کے اندازے سے نکل کر سطوت و قوت سے ٹکراتا ہے، پاش پاش ہو جاتا ہے اور جو خود شناسی سے اپنی حیثیت کو پہچانتا ہے، اپنی قوت اپنی مالی اور علمی حیثیت کو پیش نظر رکھتا ہے وہ ان تلخ نتائج سے جو ہلاکت پر بھی منجر و منتج ہوا کرتے ہیں محفوظ و مصئون رہتا ہے، اگر کسی معاشرے کے لوگ خود شناس بن جائیں اپنی حیثیت کو ہر مرحلہ پر پیش نظر رکھیں تو بہت سی خرابیوں کا سدباب ہو سکتا ہے

۹۔ اِيَّاكُمْ وَالْمُشَارَّةَ فَاِنَّهَا تُمِيتُ الْغُرَّةَ وَتُحْيِي الْعُرَّةَ ؛

آپس کی خصومت اور دشمنی سے گریز کرو کیونکہ اس سے خوبیاں فنا ہو جاتی ہیں اور عیوب زندہ ہو جاتے ہیں؛

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ میں بھی جو زور بیان اور غرہ و عرہ میں جو صوتی ہم آہنگی ہے اس کی دلکشی اور دل نشینی ظاہر ہے

اس حدیث میں بھی معاشرہ کی اصلاح کا عظیم مقصد پیش نظر ہے۔ اتحادِ بین المسلمین پر خصوصی توجہ مبذول کی گئی ہے، مخاصمت اور دشمنی معاشرہ کا ایک ناسور ہے، جس معاشرہ میں یہ خصومت اور باہمی دشمنی پیدا ہو جاتی ہے اس کا سدھار اور اس کی اصلاح بہت سی کوششوں کے باوجود بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی، عربوں کی فطرت میں خصومت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قرآن حکیم میں بھی اس کی پرزور مذمت کی گئی ہے:۔

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ (البقرہ آیت ۲۰۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فطرت میں اپنی رحمت و رافت سے ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا ورنہ ان کی پچھلی نفاق و شقاق کی حالت کے بارے میں قرآن حکیم ناطق ہے:

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ

۱۰۔ المستشار موتمن: جس سے مشورہ کیا جائے وہ امانت دار ہے:

اِن دو لفظوں میں علم و حکمت کا خزانہ پنہاں ہے یعنی جس شخص نے تم پر اپنا راز ظاہر کیا اور کسی امر میں تم سے مشورہ کیا تو گویا اس نے تم کو امانت دار سمجھا اور بمنزلہ اپنی ذات کے تصور کیا پس اس مستشار پر یعنی تم پر لازم ہے کہ اس معاملہ میں جو تمہاری رائے صائب ہو اس کے سامنے پیش کر دو، اس وقت تمہاری حیثیت بھی اس شخص کی طرح ہے جس پر کوئی شخص بھروسا کر کے اپنا مال بطور امانت سپرد کر دیتا ہے اور اس کے نفس کو اطمینان ہوتا ہے کہ میں نے اپنا مال ایک امین کے سپرد کیا ہے اس طرح اپنا راز کہنے والے نے تم کو امین سمجھا۔ صائب الرائے جانا، اسی لئے تم سے اس نے رائے طلب کی ہے، اب تم کو لازم ہے کہ اس کی اس امانت میں خیانت نہ کرو!

اب میں مزید ان احادیث کریمہ کو جو "جوامع الکلم" کے وصف بےمثال سے متصف ہیں توضیح و تشریح کے ساتھ پیش نہیں کروں گا بلکہ ان 'جوامع الکلم' احادیث کے صرف متون پیش کروں گا، ان کی توضیح و تشریح سیرت مبارکہ کی کتب میں حسب محل و موقع اور شروح احادیث میں موجود ہیں، میں نے مذکورہ بالا دس احادیث اس لئے پیش کی ہیں کہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کلام کی ایک خصوصیت نمایاں ہو سکے اگرچہ اس خصوصیت کا احاطہ کرنا ناممکن ہے صرف اس وصف خاص کے اظہار کے لئے ان کو یہاں پیش کیا گیا ہے :-

۱۱۔ لا تجلسو علیٰ ظھر الطریق فان ابیتم فغضّوا الابصار وردّوا السلام واھدوا الضّال واعینوا الضعف ؛	راستوں میں مت بیٹھو، اگر وہاں بیٹھنا بھی ہے تو پھر اپنی نگاہیں جھکا کر بیٹھو، راہ بھولے لوگوں کو راستہ بتاؤ اور کمزور کی مدد کرو ؛
۱۲۔ رَحم اللہ عبداً قال خیراً فغنم اوسکت فسلم ؛	اس شخص (بندے) پر اللہ کی رحمت ہوئی جو اچھائی کی بات کہکر غنیمت رہا یا خاموش رہ کر سلامت رہا ؛
۱۳۔ من قلّ اللہ مالہ وکثرت عیالہ وحسنت صلاتہ ولم یغتب المسلمین جاءَ یوم القیامۃ وھو حِصی کہاتین ؛	جس شخص کے پاس مال کم ہو، اولاد زیادہ ہو بایں ہمہ وہ نماز بہترین طریقے پر پڑھتا ہے اور دوسرے مسلمانوں کی غیبت نہیں کرتا تو وہ شخص قیامت کے دن میرے ساتھ ایسے ہوگا جیسے یہ دو انگلیاں پاس پاس ہیں
۱۴۔ اعجز النّاس من عجز فی الدّعاءِ وابخل النّاس من بخل فی السلام ؛	سب سے زیادہ نکما وہ شخص ہے جو دعا مانگنے میں عاجز (خدا سے جس نے دعا نہ مانگی) اور سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جس نے سلام کرنے میں بخل کیا۔
۱۵۔ اغزوا تغنموا وصوموا تصحّوا وسافروا تستغنوا ؛	لوگو! خدا کی راہ میں جہاد کرو (اجر کے علاوہ) مال غنیمت ملیگا اور روزہ رکھو، تندرستی حاصل ہوگی اور سفر کرو تو دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ گے !
۱۶۔ لیس منّا من لم یوقّر الکبیر	ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو بڑوں

یرحم الصغیر و یامر بالمعروف وینہ عن المنکر؛	کی عزت نہ کرے، چھوٹوں پر شفقت نہ کرے، اچھے کاموں کا حکم نہ دے اور برے کاموں سے نہ روکے؛
۱۷۔ لوتکا شفتم لما تدافنتم؛	اگر تم ایک دوسرے کے بھیدوں سے آگاہ ہو جاتے تو تم ایک دوسرے کی تدفین میں بھی شریک نہ ہوا کرتے؛
۱۸۔ ذوالوجھین لا یکون عند اللہ وجیھاً؛	دو رخا (ظاہر کچھ باطن کچھ) اللہ کے حضور معزز نہیں ہو سکتا؛
۱۹۔ کلّ معروفٍ صدقۃٌ	ہر نیکی (ایک) صدقہ ہے؛
۲۰۔ الایمان عقد بالقلبِ قولٌ باللسان وعملٌ بالارکان	دل سے پختہ عقیدہ، زبان سے اقرار اور اعضا سے عمل پیرا ہونے کا نام ایمان ہے
۲۱۔ السّعید من وعظ بغیرہٖ والشقیّ من وعظ بہٖ غیرہ	نیک بخت وہ ہے جو اپنے غیر سے نصیحت حاصل کرے اور بدبخت وہ جس کو اس کے عمل بد کی بنا پر) دوسرا نصیحت کرے؛
۲۲۔ لَا یستقیم قلبہٗ حتیّٰ یستقم لِسانہٗ ولا یدخل الجنّۃ رجلٌ لاَّ یامن جارہٗ بوائقہٗ؛	کسی شخص کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل درست نہ ہو اور دل اس وقت تک ٹھیک نہ ہوگا۔ جب تک زبان درست نہ ہو اور جنت میں کوئی ایسا شخص نہیں جائیگا جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں؛
۲۳۔ اکمل المومنین ایماناً احسنھم اَخلاقاً	وہی مومن ایمان میں کامل ترین ہے جو اپنے اخلاق میں سب سے بہتر ہے؛
۲۴۔ الایمان قیّدَ الفتح	ایمان نے فتح کو مقید کر لیا ہے (فتح ایمان سے حاصل ہوتی ہے)

۲۵- اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ	ندامت بھی ایک طرح کی توبہ ہے
۲۶- مَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَالْھٰی ؛	جو کم ہو مگر کافی ہو اس کثیر سے بہتر ہے جو غافل بنا دے ؛
۲۷- اَلْخَیْرُ فِی السَّیْفِ وَالْخَیْرُ مَعَ السَّیْفِ وَالْخَیْرُ بِالسَّیْفِ ؛	بھلائی اور خیر تلوار کے ساتھ (رہتی) ہے اور بھلائی تلوار سے حاصل ہوتی ہے اور تلوار بھی بھلائی سے ؛
۲۸- لیس منا من حلق او صلق او شقّ ؛	جو مصیبت (کے اظہار کیلئے) بال منڈوائے واویلا کرے یا کپڑے پھاڑے وہ ہم میں نہیں ہے
۲۹- راس العقل بعد الایمان باللہ مُدَارَاۃُ النَّاس ؛	اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد لوگوں کے ساتھ مدارات سے پیش آنا کمالِ دانش ہے
۳۰- لَن یَّھلک امرؤ بعد مشورۃٍ ؛	مشورہ کرنے سے کبھی انسان ہلاک نہیں ہوتا (معرضِ ہلاکت میں نہیں پڑتا) ؛
۳۱- لَو ان لابن آدم وادیین من ذھب لسال الیھا ثالثاً	انسان کے پاس اگر سونے کی دو وادیاں بھی ہوں تو وہ چاہے گا کہ تیسری اور مل جائے (حریص کبھی قانع نہیں ہوتا) ؛
۳۲- اعوذ باللہ من دعاءٍ لا یسمع و من قلبٍ لا یخشع و من علمٍ لا ینفع ؛	میں اس دعا سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو قبول نہیں ہوتی اور اس دل سے جس میں اللہ کا خوف نہ ہو اور اس علم سے جو دوسروں کو نفع نہ پہنچائے ؛
۳۳- لیس من اخلاق المومن الملق الّا فی طلب العلم ؛	خوشامد مومن کے اخلاق سے نہیں ہے سوائے طلب علم کے لئے ؛
۳۴- لا یلدغ المومن من جحرٍ مرّتان ؛	مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جا سکتا (ایک ہی ٹھوکر سے سنبھل جاتا ہے) ؛

۳۵۔ ارحموا عزیزاً ذلّ، ارحموا عالماً بین الجہال	جو صاحب عزت انسان ذلیل ہو جائے اس پر رحم کرو اور جو عالم جاہلوں میں پھنس جائے اس پر بھی رحم کرو؛
۳۶۔ الظلم ظلمات القیامۃ	ظلم قیامت کی تاریکیوں میں سے ہے
۳۷۔ انّا امرنا معشر الانبیاء بان تکلم الناس علی مقادیر عقولھم۔	ہم نبیوں کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے بقدر ان کی فہم و دانش سے گفتگو کریں؛
۳۸۔ وھل یکبُّ النّاس علیٰ بنا خرھم نار جہنم الّا حصائد السنتھم۔	کیا انسانوں کو ناک کے بل جہنم میں گرا دینے والا عمل زبانوں کے عمل کے سوا کچھ اور بھی ہے (زبان ہی انسان کو دوزخی بناتی ہے)
۳۹۔ الایمان عقدٌ بالقلبِ قولٌ باللسان وعملٌ بالارکان	دل سے پختہ عقیدے، زبان سے اقرار اور ارکان دین پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے
۴۰۔ اِن مِنَ البیان سحراً	بعض بیان، جادو اثر ہوتے ہیں؛
۴۱۔ اُمّتی کالمطر لایدری اَوّلہٗ خیرٌ اَمْ اٰخرہٗ	میری امت تو بارش کی طرح ہے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے آغاز میں بہتری ہے یا آخر میں
۴۲۔ خیر الکاسب العامل اذا نصح؛	بہترین کمائی کرنے والا وہ ہے جو نیک نیتی سے عمل کرے؛
۴۳۔ تعلّموا اللغۃ قوم تامنوا شرّھم؛	کسی قوم کی زبان سیکھ لو تو اس کے شر سے محفوظ رہو گے؛
۴۴۔ جنّۃ الرجل دارہٗ	انسان کی جنت اس کا گھر ہے؛
۴۵۔ انتظار الفرج عبادۃٌ؛	کشادگی کا انتظار بھی عبادت ہے؛
۴۶۔ انکم لن تسعوا النّاس باموالکم فسعواھم باخلاقِکم؛	لوگوں کو تم اپنی دولت سے اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتے ان کو اپنے اخلاق سے گرویدہ کرو؛

۴۷۔ ترك الشرّ صدقة	شر کا ترک کر دینا بھی صدقہ ہے؛
۴۸۔ الخیر کثیرٌ وقلیلٌ فاعلہٗ؛	بھلائی تو بہت ہے مگر بھلائی کرنے والے بہت کم ہیں؛
۴۹۔ شعبتان من شعب النفاق البذأ والبیان والشعبتان مِن شعب الایمان الحیٰ والعی؛	بیہودہ گوئی اور لفاظی نفاق کے دو شعبے ہیں اور حیا اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں؛
۵۰۔ المُسلم من سلم المسلمون من لسانہٖ وَیدہٖ	مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ (سلامت) رہیں؛
۵۱۔ لا یؤمن احدکم حتّٰی اکون احبَّ الیہ من وّالدہٖ وولدہٖ والنّاسِ اَجْمَعین ہ	کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو؛
۵۲۔ اَحبّوا اللہ لمَا یَغذوکم مِن نعمہٖ واحِبّونی لِحُبِّ اللہِ واحِبّوا اھلِ بیتی لِحُبّی ہ	اللہ سے محبت کرو کیونکہ وہ تم کو نعمتوں سے نوازتا ہے اور مجھ سے اللہ کی محبّت کے باعث محبّت کرو اور میرے اہل بیت سے میری وجہ سے محبّت کرو؛

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

کے

جوامع الکلم

بطور ضرب الامثال

ضرب الامثال کا استعمال قرآن حکیم میں مختلف صورتوں میں ہوا ہے، یا تو مخصوص علامت یا خبر کے لئے، ان علامات میں اظہار سزا، قصاص، تنکیل، امتثال امر اور تخویف شامل ہیں. ضرب المثل سے کسی شے یا چند اشیا کی محاکات (تصویر کشی) مقصود ہوتی ہے یا کسی خاص نکتہ کی وضاحت کی جاتی ہے، مثل بطور تشبیہہ، استعارہ یا مجاز رسل ہوتی ہے، ان سے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی مراد ہوتے ہیں، اور اس کا مقصود تاثیر پیدا کرنا اور معنی کا دل پر مرتسم کرنا ہوتا ہے، ضرب المثل میں الفاظ قلیل کے ساتھ وسیع مفہوم در پردہ پنہاں ہوتا ہے ضرب المثل میں مضرب مثل وہ چیز ہوتی ہے جو معنی کی توضیح کر سکے. خود یہ عموماً کسی شے کی صفت ہوتی ہے، کبھی کبھی اس سے کسی واقعہ یا قصے کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے، ضرب المثل میں زیادہ تر تشبیہہ کا علاقہ ہوتا ہے، کنایہ بھی اسی کے تحت آتا ہے!

ہر ایک زبان میں ضرب الامثال کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے، اردو اور فارسی زبانوں میں بھی ضرب الامثال بکثرت ہیں اور عربی زبان میں تو اس کا سرمایہ بہت عظیم ہے، عرب جاہلیت کے اشعار میں ان ضرب الامثال کو چند مخصوص موارد میں استعمال کیا گیا ہے اور یہ وصف بھی قرآن حکیم کی خصوصیات میں سے ہے اور اس کی بلاغت اور فصاحت کی شیون میں سے ایک شان ہے، ضرب الامثال کے استعمال میں کوئی پابندی نہیں ہے بجز اس کے کہ "لَا تضربوا لِلّٰہِ الامثال" اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں سے کسی صفت کو بطور ضرب المثل، استعمال کرنا سخت منع ہے کہ اس سے شرک کا پہلو پیدا ہوتا ہے!

قرآن حکیم میں ضرب المثل کے لئے خود توضیح فرمادی گئی ہے کہ ضرب الامثال سے مقصود کیا ہے ارشاد ہوتا ہے :-

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝

یہ ارشاد باری تعالیٰ تو ضرب المثل بیان فرمانے کا عنوان ہے اب ایک ضرب المثل مطالعہ کیجئے

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ العنکبوت آیت ۴۱)

قرآن حکیم میں یہ تمام ضرب الامثال لفظ "مثل" یا حسب محل بصیغہ جمع اور ضمائر متصل کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں جیسے مثل، مثلاً، مثلہا، مثلہم، مثلہن، امثالکم، امثالہم۔ ان مثالوں میں جو حکیمانہ اسرار ہیں ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے !

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی

بطور ضرب المثل

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب کے کلام کو فصاحت و بلاغت کی جن خوبیوں سے متصف و سربلند فرمایا تھا، سابقہ اوراق میں ان کا کچھ ذکر کرچکا ہوں اور "حدیث بیان قرآن ہے" کے تحت بقدر فہم و شعور اس کی کچھ وضاحت کی ہے ! کسی کلام کی بلندی، اس کی جامعیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ زبانوں پر اس طرح رواں ہوجائے کہ اس کو بطور ضرب الامثال استعمال کیا جانے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی جو عنوان احادیث سے معنون ہیں چونکہ بیانِ قرآن ہے اس لئے حکمت و موعظت کا ایک بحر بیکراں ہیں، ہر ایک حدیث رفعت و جزالتِ الفاظ سے قطع نظر معنی کے اعتبار سے بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح اور اس کی معاش و معاد کی کامیابی و کامرانی کے لئے ایک دستور العمل ہے ! جس طرح قرآن حکیم میں ضرب الامثال لفظی اور معنوی حیثیت سے انسانی صلاح و فلاح

کی غرض و غایت لئے ہوئے مختلف عنوانات کے ساتھ معرض بیان میں آئی ہیں، اسی طرح سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات گرامی جن میں اخلاقی تعلیم کا کوئی پہلو ہے یا انسانی معاشرت کی اصلاح اس کا مدار و مبنیٰ ہے بہ توفیق الٰہی ضرب الامثال کی حیثیت رکھتے تھیں!

قرآن حکیم تو کلام الٰہی ہے، ازلی اور ابدی ہے، کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام خالقِ ارض و سما (جل جلالہ) تو نہیں ہے لیکن ہے اسی آفتاب کی روشنی اور اسی کا پرتو وہ بھی اپنے بےمثال صفات سے آراستہ ہے اس لئے کہ وہ بھی وحی الٰہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ "وحی غیر متلو" ہے پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو جو سربلندیاں اور خوبیاں عطا ہوئیں ان ہی میں سے ایک کمال خوبی یہ ہے کہ آپ کے ارشادات اور آپؐ کے مختصر فرمودات کو ضرب الامثال کی حیثیت حاصل ہوگئی!

یاد رکھئے کہ ضرب المثل وہی کلام بنتا ہے کہ اس جیسا کلام کوئی دوسرا پیش نہ کرسکے اور اول الذکر کلام اپنی خوبیوں میں منفرد ہو اگر اس جیسا کلام کوئی دوسرا پیش کرسکے گا تو اول الذکر کلام جو بطور ضرب المثل، قوم کی زبان، اس کے روزمرہ اور اسلوب بیان میں جگہ پاچکا تھا اپنے منصب سے معزول ہوجائے گا اور دوسرا کلام اس کی جگہ حاصل کرلے گا، حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارک کے ضبط و تدوین پر صدیاں گزر گئیں اور ان تمام قرون میں آپ کے ارشادات کے وہ مختصر جملے جو انسانی اخلاق کی صلاح و فلاح یا معاشرے کی اصلاح کے علمبردار تھے بطور ضرب المثل استعمال ہوتے چلے آرہے ہیں اور کوئی انسانی کلام زبان و روزمرہ سے (معاذ اللہ) ان کو خارج یا معطل نہیں کرسکا۔ یہی خوبی کلام کی سب سے بڑی خوبی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا تو عنوان تھا "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" پھر کس کا یارا تھا اور کس کی مجال ہے کہ اس کلام کی ہمسری کرسکے!

ضرب الامثال کے اس مختصر سے تعارف یا ان چند تمہیدی سطور کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اقدس سے وہ چند چھوٹے چھوٹے پاکیزہ اور معنی آفریں جملے پیش کررہا ہوں جو ضرب الامثال کی صورت میں عربی ادب اور عربی زبان کی جان ہیں اور ہمارا ایمان ہیں،

۱- إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَىٰ۔
۲- مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔
۳- إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَىٰ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ أَجْسَامِكُمْ وَلَا إِلَىٰ صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ۔
۴- اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ ؛
۵- لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَىٰ ثَالِثًا
۶- إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَىٰ
۷- مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ۔
۸- إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ ۔
۹- لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ ۔
۱۰- اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ ۔
۱۱- دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَىٰ مَا لَا يَرِيبُكَ ۔
۱۲- اَلصِّدْقُ طُمَأْنِينَةٌ وَالْكِذْبُ رِيبَةٌ ۔
۱۳- تَعَرَّفْ إِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ ۔
۱۴- قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ۔
۱۵- نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ ۔
۱۶- اَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَىٰ أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ ۔
۱۷- خَيْرُ النَّاسِ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ۔
۱۸- كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ ۔
۱۹- إِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ۔
۲۰- مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ۔
۲۱- مَنْ دَلَّ عَلَى الْخَيْرِ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ ۔
۲۲- اَلدِّينُ نَصِيحَةٌ ۔
۲۳- لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

۲۴۔ اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ،
۲۵۔ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضاً،
۲۶۔ مَنْ لَاّ يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ،
۲۷۔ مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
۲۸۔ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ
۲۹۔ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوماً،
۳۰۔ اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا،
۳۱۔ اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ،
۳۲۔ اَلسَّاعِیْ عَلَى الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ -
۳۳۔ اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْراً، فَاِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ،
۳۴۔ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَاناً اَحْسَنُهُمْ خُلُقاً،
۳۵۔ اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ،
۳۶۔ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ۔ ،
۳۷۔ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى،
۳۸۔ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِیْ جَارَهُ،
۳۹۔ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ
۴۰۔ اُنْظُرُوا اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ،
۴۱۔ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ،
۴۲۔ كُنْ فِی الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ
۴۳۔ اِزْهَدْ فِی الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ،
۴۴۔ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ،
۴۵۔ طُوْبٰى لِمَنْ هُدٰى لِلْاِسْلَامِ وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافاً،

۴۶۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمٰتٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ،

۴۷۔ اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ کُنْتَ ،

۴۸۔ اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ

اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ ،

۴۹۔ اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ ،

۵۰۔ کُلُّ اَرْضٍ بِسَمَاتِہَا۔

فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیاں آپ کے کلام مبارک کی کسی ایک نوع اور شعبہ سے مختص اور مخصوص نہیں تھیں بلکہ جس طرح آپ کے خطبات، محاضرات، صحابہ کرام رضی سے گفتگو، وفود سے خطاب، ان کو ہدایات اور نصائح جن کو اصطلاحاً حدیث شریف سے تعبیر کیا جاتا ہے، ہر ایک نوع کلام میں یہ خوبیاں اور کمال زباندانی اور اس کی خصوصیات مبنی بر بیان و معانی و بدیع موجود ہیں اسی طرح آپ کے کلام میں "امثال" بھی ان خصوصیات سے متصف ہیں ؛

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جس طرح قرآن حکیم میں مثل مثلاً مثلهن مثلکم کے الفاظ کے ساتھ ضرب الامثال بیان کی گئی ہیں اور ہر ایک مثل میں کسی تشبیہ کو بطور مثل بیان کیا گیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات جو میں نے پیش کئے ہیں اس قبیل کی مثالیں نہیں ہیں بلکہ یہ ارشادات مبنی بر حکم ہیں اور ان کو عربی زبان میں عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے محل اور مورد پر استعمال کیا جاتا تھا جہاں اُن کے معنی کا صحیح اطلاق موجود ہو، مثلاً ایک مسلمان کسی فریبی کے فریب میں یکبار تو گرفتار ہو گیا اور نقصان اٹھایا لیکن جب دوبارہ اس کو پہلے کی طرح فریب دینے کی کوشش کی گئی تو بیساختہ اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ حُجْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ ! (مومن ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا) ایسے موارد اور ایسے مواقع پر مندرجہ بالا ارشاد گرامی کا استعمال کرنا ہی اس کا ضرب المثل ہونا ہے یعنی ایسا کلام یا جملہ کسی مخصوص معنی اور موقع کے لئے وضع کیا گیا ہو اور اپنی

خوبی اور کلام کی دوسری صفتوں کے باعث اہل زبان ایسے موارد و مواقع پر اس کو استعمال کرنے لگے ہوں اور پھر وہ اس طرح زبان میں رچ بس جائے کہ جب اس قسم کا موقع آئے تو اس مخصوص جملے کو استعمال کیا جائے، ظاہر ہے کہ ایسا کلام کن خوبیوں کا حامل ہوگا جس کو کسی لفظ کے تغیر کے بغیر اہل زبان قرنوں سے استعمال کر رہے ہیں اور مرور زمانہ سے تغیر اس میں راہ نہ پاسکا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی سے یہ چند کلمات حکمت آگیں پیش کئے ہیں عربی زبان میں عصر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کو ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، ان کے یہاں پیش کرنے مقصد یہی تھا کہ آپ پر کلام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ادبی محاسن کچھ اور واضح ہو جائیں! ان کی گراں مائیگی عربی ادب میں ان کا مقام اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ان کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ کسی اور کلام کو یہ جگہ نہیں مل سکی؛ آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان ارشادات کو اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے جس طرح اب سے صدیوں پہلے؛

"مثل" یا امثال کی وضاحت مزید کے لئے میں یہاں صاحب "جمہرۃ الامثال" ابو الھلال عسکری کا قول نقل کرتا ہوں جس سے میرے قول کی مزید توضیح اور تائید ہوگی وہ لکھتے ہیں:-

کل حکمۃٍ سائرۃٍ تسمّی	مبنی بر حکمت ایسا تمام کلام جو زبانوں
مثلاً وقد یاتی القائل	پر جاری و ساری ہو قائل اس کو
بما یحسن من الکلام انّ	پسندیدہ کلام سے اس لئے (منتخب کر کے)
یمثل بہ الّا انّہ لا ینفق	لایا ہو کہ اس سے مثال دی جائے پس
ان یسیر فلا یکون مثلاً	اس کو مثال سے موسوم کیا جائے گا
	اور اگر وہ کلام (زبانوں پر) جاری و
	ساری نہیں ہوا تو وہ "مثل" نہیں
(جمہرۃ الامثال)	کہلائے گا یا وہ "مثل" نہیں ہے۔

"الامثال فی القرآن الکریم" کے مقدمہ نگار علامہ سعید محمد عز الخطیب، مندرجہ بالا تعریف کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:۔

إنّ الکلمة اذا شاعت و انتشرت وکثر دورانها علی الالسنة تکون مثلاً، امّا اذا کانت الکلمة صائبة وصادرة عن تجربة ولم تدر علی الالسنة فتسمی حکمة "	جب کوئی کلمہ لوگوں میں شائع ہوجائے اور پھیل جائے اور زبانوں پر کثرت سے اس کا دوران ہو (بار بار اس کو ادا کیا جائے) تو وہ "مثل" ہے اور اگر وہ کلمہ ہو تو صائب اور اس کا صدور بر بنائے حکمت ہوا ہو لیکن وہ زبانوں پر نہیں چڑھا، بار بار ادا نہیں ہوا تو وہ مثل نہیں ہے بلکہ "ایک کلمۂ حکمت" ہے!

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام بلاغت آگیں سے جو امثال میں نے پیش کی ہیں وہ اپنی کثرت استعمال کے باعث ہی "دائرۂ امثال" میں آتی ہیں، میں نے عنوان میں "ضرب المثل" کی جو ترکیب استعمال کی ہے وہ اردو زبان کے روزمرہ کے اعتبار سے کی ہے، ان کلمات قدسیہ میں ممثل موجود نہیں ہے اور نہ تشبیہہ و مجاز مرسل کا علاقہ وہاں موجود ہے بلکہ جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں اور ادبیات عربی کے فاضل حضرات نے "مثال" کی جو تعریفیں پیش کی ہیں ان کے اعتبار سے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات بلاغت آگیں اور فصاحت التیام اس قدر کثرت سے استعمال ہوئے ہیں کہ ان کا عنوان "امثال" قرار پایا ہے اور آج تک ان کا یہی عنوان ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کردوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو چند ارشادات میں نے پیش کئے ہیں بطور "امثال" ان کا حصر ان ہی تک نہیں ہے بلکہ ان کا شمار ہزاروں سے بھی متجاوز ہے اور کتب احادیث میں منضبط اور مدوّن ہیں۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوباتِ گرامی کے متون

چونکہ میں آئندہ صفحات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اہم نامہ ہائے گرامی کے متون مع ترجمہ پیش کر رہا ہوں اس لئے میں ان مکتوب گرامی کے تحفظ کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں' یہ ہماری خوش بختی ہے کہ احادیث و خطبات کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مکتوباتِ گرامی کے متون جو امرائے معاصر اور سلاطین ہمعصر کے نام تحریر کئے گئے آج ہی محفوظ و موجود ہیں' اور ان کے تحفظ کا اہتمام صرف مسلمانوں ہی کی طرف سے نہیں ہوا بلکہ دیگر اقوام کے دانشوروں نے ان مذہبی رقیمہ کی حیثیت سے نہ سہی' ادبی شہ پاروں کی طرح محفوظ رکھا۔

صلیبی جنگوں اور اسلامی مملکتوں کے انقلاب نے ان مکتوبات گرامی میں سے اکثر مکتوبات کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکال کر غیروں کے ہاتھوں میں پہنچا دیا اور پھر یہ ان کے قومی عجائب خانوں میں محفوظ ہو گئے' ان مکتوبات گرامی کے علاوہ متعدد فرمان' معاہدات' احکام اور وثیقہ جات ہیں۔ جن کے متون مرور زمانہ کے باوصف' غیر مسلموں کے کتب خانوں میں " نوادرات" کی صورت میں محفوظ ہیں' اس وقت میرے سامنے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تا خلافت راشدہ کے سیاسی وثیقہ جات کا مجموعہ ہے جس کے مرتب و مؤلف مشہور زمانہ محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ہیں ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلہ میں بڑی تحقیق کی ہے' لیکن ان وثیقہ جات کا اصل متن میری دسترس میں نہیں ہے بلکہ اس کا اردو ترجمہ ہے۔ جناب مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کر کے حقیقت میں ایک شاندار ادبی خدمت انجام دی۔

اور ان کی کاوش کا نتیجہ ہے، مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے موضوع 'کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے تحت اس اردو ترجمہ سے استفادہ نہیں کرسکوں گا کہ وثیقہ جات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اردو ترجمہ پیش کرکے ان کی فصاحت و بلاغت پر کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے اور زبان و بیان کے اسالیب کی وضاحت کس طرح ہوسکتی ہے۔

دوسری صدی ہجری اور قرن ہائے مابعد کے محدثین کرامؒ اور مورخین ملت اسلامیہ نے البتہ حضور اکرمؐ کے فرامین، مراسلات والا کو متند راویوں کی روایت سے ضبط کرکے ہم تک پہنچانے کا سامان فراہم کیا تھا مگر افسوس کہ صرف اسی موضوع پر قرن دوم اور قرن ہائے مابعد کے وہ علمی ذخیرے بھی معدوم ہوگئے۔ طبقات کی بعض کتب میں ان مراسلات کو بعض مؤلفین طبقات نے ضرور شامل کیا ہے لیکن ان سے زیادہ معتبر و متند کتب حدیث کے وہ متون ہیں جو ثقہ راویوں کی روایت سے درایت کی معیار پر پرکھ لینے کے بعد ہمارے لئے چھوڑے گئے ہیں۔ میں یہاں چند ایسے ہی فرامین والا اور مراسلات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متون، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت و بلاغت کے سلسلہ میں پیش کروں گا جن کو ارباب سیر نے بکمال احتیاط ایک دوسرے سے نقل کرتے ہوئے ہم تک پہنچایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین والا کو پیش کرنے سے قبل یہ چند سطور پیش کرنا ضروری تھیں تاکہ قارئین اس سلسلہ کے مالہ و ماعلیہ سے کسی حد تک آگاہ ہوجائیں یہ واضح رہے کہ مکتوبات کا یہ سلسلہ ۶ھ ہجری سے شروع ہوا ہے۔

سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم
کے مکتوباتِ گرامی
اور ان کی فصاحت وبلاغت

ایک فصیح و بلیغ انسان کے لئے اس کی زبان وبیان کی یہ خوبیاں اس کے نطق کا ایک ملکہ بن جاتی ہیں اور وہ بیان کی ہر نوع کے تحت جو کچھ کہتا ہے اس میں یہ خوبیاں خود بخود نمایاں ہو جاتی ہیں اس کے لئے کسی فکر کی ضرورت نہیں ہوتی اگر اس سلسلہ میں غور و فکر سے کام لیکر کلام کو ان خوبیوں سے مزین کیا جائے تو وہ آورد ہوتی ہے آمد نہیں رہتی اور اس پر تصنع کا رنگ غالب آجاتا ہے۔ قرآن حکیم کی تفاسیر ہی پر نظر ڈالئے تو آپ کو زبان وفکر کی اس تنوع کا اندازہ ہو جائے گا۔ امام فخرالدین رازی (م ۶۰۶ھ) رحمتہ اللہ علیہ متکلمین میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں، علم الکلام پر ان کو بڑی دسترس تھی بلکہ اس میدان کے شہسوار تھے ان کی تفسیر موسوم بہ مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر کبیر (تیس جلدوں میں مصر سے حال ہی میں طبع ہو گئی ہے) وہ جہاں جہاں الٰہیات کے مباحث پر قلم اٹھاتے ہیں وہاں وہ متکلمین فلاسفہ کی طرح عقلی استدلال سے کام لیتے ہیں۔ اسی طرح علوم ریاضی، علوم طبیعی اور علم ہیئت کے مسائل کو زیر بحث لاتے ہیں کہ ان علوم پر ان کو بڑی قدرت اور مہارت حاصل تھی، اسی طرح ان کے پیشرو علامہ زمخشری (حنفی معتزلی) ہیں، ان کا تعلق پانچویں صدی ہجری سے ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں ادب و بلاغت کے جوہر دکھائے ہیں۔ اگرچہ اس میں معتزلی نظریات کی بھی کمی نہیں لیکن ان کے یہاں تفسیر کا خاص جوہر ادب و بلاغت ہے۔ اگرچہ انھوں نے اپنی تفسیر میں قرآن حکیم کے فصاحت و بلاغت کے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے لیکن زبان پر بلاغت کا رنگ غالب ہے اس وجہ سے اس کی طرف عصر حاضر میں کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ مدارس دینیہ میں شاذ ہی کہیں اس کا درس

ہوتا ہو، چونکہ علامہ زمخشری بلاغت کے مسلم الثبوت ماہر تھے اس لئے ان کی تفسیر پر یہ رنگ چھا گیا۔ اس قبیل کی بہت سی مثالیں صرف نگارش تفاسیر کے تحت پیش کی جا سکتی ہیں دوسرے فنون کا تو ذکر ہی کیا! مدعا یہ ہے کہ زبان کی جو خصوصیات ہوتی ہیں اور ملکہ راسخہ بنجاتی ہیں ان کا اظہار ہر موقع پر ہوتا ہے لیکن فکر کو اس راہ میں سعی اور تکلف سے ضرور کام لینا ہوتا ہے؛

نثر النبی ادب

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت توفیقی تھی اور یہ مسلمہ ہے کہ آپ کے علوم و فنون اکتسابی نہیں تھے بلکہ عطیہ الٰہی تھے جس کی نوید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دی گئی تھی؛ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط

پس سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کسی عنوان نہ غور و فکر کی ضرورت تھی اور نہ کسی سعی کی احتیاج؛ لسانِ نبوت سے جو کلام بھی صادر ہوتا وہ ان وہبی اور توفیقی خصوصیات سے متصف ہوتا چنانچہ ۶ھ ہجری میں جب اسلامی ریاست کی تشکیل کامل نہیں ہوئی تھی۔ آپؐ نے تبلیغ رسالت اور دعوت اسلام کے سلسلہ میں قریب کی مملکتوں اور اکناف و اطراف مدینہ کے اُمرائے قبائل اور سردارانِ واقیال کو بے خوف و خطر دعوت اسلام پر مبنی مکتوبات ارسال فرمائے، ان مکتوبات کے متون غور و فکر کے بعد معرض تحریر میں نہیں لائے گئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بداہتہً ان کو اِملا کرایا۔ یہاں چند مکتوبات گرامی پیش کئے جا رہے ہیں جو زبان و بیان، اندازِ تخاطب، بشارت و انذار کی جامعیت کے ساتھ ساتھ چند جملوں پر مشتمل ہیں۔ لیکن معناً تبلیغ کے دلکش اور دل پذیر انداز کے حامل ہیں اور کمال فصاحت و بلاغت کے آئینہ دار ہیں؛

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات اور رسائل گرامی کی خصوصیات کے سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ عرض کروں گا کہ "مکتوبات و رسائل کا اسلوب اور اندازِ تخاطب انسانی شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں، مکتوبات میں خواہ وہ ارتجالاً لکھے گئے ہوں یا غور و فکر کے بعد شخصیت کی خصوصیات اس میں ضرور جھلکتی ہیں؛ جس طرح سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز خطاب مخاطب کی شخصیت اور اس کی ذہنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ہوتا تھا اسی طرح آپ کے مکتوبات گرامی

میں بھی اندازِ تخاطب اور متن مکتوب، مکتوب الیہ کی شخصیت اس کی استعداد اور ذہنی افتاد کے مطابق پایا جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ "متن" شانِ بلاغت سے گر جاتا اس لئے کہ "مقتضائے حال" بلاغت کی رُوح ہے؛

آپؐ کے مکتوباتِ گرامی کا بھی آپؐ کے خطبات کی طرح ایک اسلوب خاص تھا اور ان کا ایک منفرد مقام تھا، طرزِ خطاب میں سطوتِ پیغمبری جلوہ گر تھی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ رحمت و رافت کی بھی ضیا باریاں تھیں، سلامتی کی نوید کے ساتھ ساتھ اعراض و روگردانی کی پاداش اور دارین کی زبوں حالی کی تہدید بھی تھی مگر بہت ہی دھیمے انداز میں! مختصر الفاظ لیکن ان میں مفہوم کے اعتبار سے ایسی تمام وسعتیں جو جوامع الکلم کا خاصہ ہے؛

ہر ایک مکتوب گرامی میں انذار و تبشیر کا لطیف امتزاج! یہی مکتوبات گرامی کا وہ اسلوب تھا جس میں جلال و جمال نبوت کی وہ عکاسی تھی جس کی نظیر مکتوبات کی دنیا میں نہیں مل سکتی؛

یہ مکتوبات گرامی اس زمانے میں املا کرائے گئے جب کہ دعوت اسلام خود اندرونی سازشوں سے ہمکنار تھی۔ یہودی اور نصرانی سازشیں، منافقین کی چیرہ دستیاں اور ان کی دسیسہ کاریاں اپنے عروج پر تھیں، قریبی ممالک کے باجبروت بادشاہ اور جزیرہ نمائے عرب کے بعض سردارانِ قبائل کو یہ مکتوبات ارسال کئے گئے جو تمام تر دعوت حق پر مبنی تھے۔ اور —— يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ کے فرض کی تعمیل کا ایک موثر انداز!

اِن مکتوبات گرامی کی لفظی اور معنوی خوبیوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اگر آپ محض اس سیاسی تدبیر پر غور کریں جو اِن مکتوبات کے متون میں رچا بسا ہے تو اس کی حکمت، ہمہ گیری اور دُور رس نتائج بھی بڑے جاذبِ توجہ ہیں۔ اور آپ اپنا جواب ہیں، میں یہاں ان مکتوبات کے سیاسی پہلوؤں کو نمایاں نہیں کروں گا کہ مجھے اصل موضوع پر ہی کچھ لکھنا ہے۔ یعنی مکتوبات گرامی کی فصاحت و بلاغت؛

ان مکتوبات گرامی کے متون کے تنوع پر نظر ڈالئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان مکتوبات کو املا کرانے والی ہستی ایک ایسی ہستی ہے جو مختلف طبائع اور مختلف ماحول میں پرورش پانے والے باسطوت رجال کی نبض شناس ہے اور اپنے ہی قول صادق کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم کی تفسیر ان کے ذریعہ کر رہی ہے۔ مکتوبات گرامی کا یہ تنوع اسی خصوصیت کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی مکتوب الیہم شخصیتوں میں باسطوت تاجدار بھی ہیں جیسے عظیم الروم (ہرقل)، کسریٰ (شاہ فارس) جن کی شان و شکوہ کے آوازے آپ تک پہنچ چکے ہیں، ان میں بعض باعظمت سرداران قبائل بھی ہیں جن کو اپنے قبائل پر پورا سیاسی اقتدار حاصل ہے، بعض جھوٹے مدعیان نبوت بھی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو ان کی سیاسی قوت اور حیثیت، ان کے اقتدار اور ان کی دنیاوی وجاہت سے بے نیاز ہو کر مکتوبات تحریر کرائے۔ ان مکتوبات کے متن میں نبوت کا ایک جلال ہے جو ہر لفظ سے نمایاں ہے اسی کے ساتھ رحمت اللعالمینی کا جمال بھی جلوہ گر ہے۔ کہیں تخویف و انذار کا انداز ہے اور کہیں رحمت و رافت کی ضیا باریاں ہیں، دوسروں کی شاہانہ عظمت، سرداری کا شکوہ اور ان کی ہیبت کے طنطنے آپ کی حق گوئی کی راہ میں کہیں بھی حائل نہیں ہوئے، آپ کے ان مکتوبات میں اعجاز قرآن کا پرتو ہے اور کیوں نہ ہو کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، آپ کے کلام بلاغت التیام اور فصاحت نظام کا جوہر ہے!

آپ کے مکتوبات گرامی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے جو بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں تقلید کا عنصر ناپید ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اس شعبہ میں بھی احتیاج نہیں تھی اور نہ کبھی ہوئی۔ تاریخ ایسے مکتوبات کی کسی دوسری جگہ نشاندھی نہیں کر سکتی۔ عصر جاہلیت سے تا عصر نبوت، تاریخ کے اوراق الٹ ڈالئے، نگارش مکتوبات کا یہ سلسلہ موجود ہی نہیں تھا۔ یہ امر بھی خصائص نبوت میں سے ہے کہ آپ کے مکتوبات و رسائل کی نگارش و ترسیل سے پہلے عرب میں اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ آپ نے اس فن کی بنیاد ڈالی اور خود ہی اس کو کمال کی حدوں تک پہنچا دیا کہ اس وقت سے لیکر تا ایندم نگارش مکتوبات میں یہ اسلوب کسی کو میسر نہیں آسکا اور یہ ہوتا بھی کس طرح! کہ یہ فرض تبلیغ

رسالت تو آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے مختص تھا اور جس طرح رسالت کا منصب آپ کی ذاتِ گرامی پر ختم ہو گیا، اسی طرح مکتوبات میں یہ طنطنہ، یہ ہیبت اور اثر آفرینی کے یہ خصائص بھی آپ کی ذاتِ گرامی پر ختم ہو گئے؛

اب میں چند مکتوبات گرامی پیش کر رہا ہوں، ان کے متونِ سامی کے ساتھ ساتھ ان کا اردو ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے۔ زبان کی حلاوت و چاشنی اور اس کی فصاحت و بلاغت تو ایسے نکات ہیں جن سے وہی حضرات حظ اٹھا سکتے ہیں جن کی بصیرتِ فنِ نگارش کے ان کمالات یعنی فصاحت و بلاغت و ایجاز سے بہرہ ور ہو۔ مکتوبات کا ترجمہ اس لئے پیش کیا جا رہا ہے کہ جلال و جمال کی ضیا باریوں سے اگر الفاظ کے ذریعہ حظ اٹھانے کی جن میں صلاحیت نہیں ہے وہ کم از کم معانی کی وسعتیں اور ان کی اثر آفرینی سے مکتوبات کے کمالِ زبان و بیان کا کچھ اندازہ کر سکیں۔ الفاظ کی نزاکت، ان کا اجلال، حسنِ تالیف و نظمِ ترتیب اگر سمجھ میں نہ آئے تو کچھ مضائقہ نہیں کم از کم دعوت تبلیغ سے آگاہی ضرور ہو جائے گی؛

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوباتِ گرامی

دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں

۱۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ گرامی، قیصرِ روم ہرقل عظیم کے نام

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
"من محمد عبد الله ورسوله	یہ خط محمد اللہ کے بندے اور اس کے
الی هرقل عظیم الرّوم، سلامٌ	رسول کی طرف سے ہرقل عظیم الروم (بادشاہ
علیٰ مَنِ اتّبع الهُدیٰ، اما بعد	روم) کی جانب ہے۔ اس پر سلام ہو جو
فانی ادعوك بدعایة الاسلام	ہدایت کی اتباع کرے، اما بعد میں تجھ کو
اَسلِم تسلم یؤتك الله اجرك	دعوت دیتا ہوں اس کلمہ کی طرف جو اسلام
مرتین فان تولیت فعلیك	کی طرف بلانے والا ہے، تو اسلام قبول

اثم الاریسیین "یا اھل الکتاب	کرے (تمام آفات سے) سلامت رہے گا
تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا	اور اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائیگا
وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا	اگر تو اسلام سے روگردانی کریگا تو تمام
نشرک بہ شیئا ولا یتخذ	رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ تجھ پر ہوگا
بعضنا بعضا اربابا من	اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ
دون اللہ فان تولوا فقولوا	جو ہمارے اور تمھارے درمیان مسلم ہے یہ کہ
اشھدوا بانا مسلمون۔"	سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور

اللہ کے سوا ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں، پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو کہہ دیجئے کہ تم گواہ رہو ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔"

یہ فرمان ذیشان دحیہ کلبیؓ کے ذریعہ محرم ۷ھ ہجری میں ارسال کیا گیا (بخاری)

مندرجہ بالا مکتوب میں جو فصاحت و بلاغت ہے یعنی کلمات کا ایجاز اور ان کا نظم "اَسْلِمْ تَسْلَمْ" کی معنی آفرینی اور ان دو لفظوں میں معانی کی وسعتوں کا پنہاں ہونا ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سب سے اول "محمد عبداللہ" فرما کر عیسائیت کے بنیادی باطل عقیدے "عیسیٰ ابن اللہ" کی تردید فرما دی! "اَسْلِمْ تَسْلَمْ" میں علم معانی اور بیان کی خوبیاں، اللہ اللہ دو لفظ ہیں لیکن ایک بسیط مطلب، مقصد اور بہت سے معانی ان میں پوشیدہ ہیں اور پھر "مقتضائے حال" کا اہتمام ہے جو کمالِ بلاغت ہے "سلام" علیٰ من اتبع الھدیٰ کی بلاغت ملاحظہ کیجئے کہ ہرقل اسلام نہیں لایا تو اس پر سلام کیسا! سلام تو اس پر ہے جو ہدایت کی پیروی کرے تم پر سلام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ تم ہدایت کی اتباع کرو۔ یوتک اللہ اجرک مرتین ہ اللہ تجھ کو دونا اجر دے گا، ایک اجر تو سابق نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور دوسرا حضرت محمد مصطفےٰ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا، اسی طرح اس لطیف و مقدس جملے میں "فان تولیت فانما علیک اثم الاریسیین" جو خبر دے رہا ہے اس ارشاد ربانی کی "و لیحملن اثقالھم و اثقالا مع اثقالھم" (اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی" سورۃ العنکبوت آیت ۱۲)

اور آپ کے اس ارشاد گرامی کا مدلول ہے جو عین بلاغت ہے :

مکتوب گرامی وسامی بنام خسرو پرویز (کسریٰ)

(شاہ ایران کے نام)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمّد رّسول اللّٰہ إلیٰ	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسریٰ
کسریٰ عظیم فارس !	شاہ فارس کی جانب !
سلامٌ علیٰ من اتّبع الھدیٰ و	سلام ہے اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور
اٰمن باللّٰہ ورسولہ وَ شھد	اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے
ان لآ إلٰہ إلّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک	کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا
لہٗ وانّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ	کوئی شریک نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے
ادعوك بدعایۃ اللّٰہ عزّوجلّ	بندے اور اس کے رسول ہیں میں تجھ کو اللہ کے
فانّی انا رسول اللّٰہ الی النّاس کافّۃً	حکم کے مطابق دعوت دیتا ہوں کہ "میں اللہ کا رسول
لانذر من کان حیًا ویحقّ	ہوں تمام لوگوں کی طرف تاکہ اس شخص کو ڈراؤں
القول علی الکافرین . اسلم	جس کا دل زندہ ہے اور کافروں پر اللہ کی حجت
تسلم فان ابیت فعلیك	پوری ہو" اسلام لا، سلامت رہیگا اور اگر تو نے
اثم المجوس ۔ (تاریخ طبری ۔ زرقانی)	اس سے روگردانی کی تو تمام آتش پرستوں کا گناہ
	تجھ پر ہوگا ۔

کسریٰ آتش پرست تھا، اسی بنا پر گرامی نامہ کے آغاز میں "محمد رسول اللہ" فرمایا جب کہ ہرقل عظیم الروم کے نامہ میں "محمد عبداللہ" فرمایا گیا تھا، دونوں کلمات طیبات کا فرق اپنے اندر کتنی بلاغت رکھتا ہے۔ اسلام کی عظیم دعوت چند مختصر جملوں میں دی گئی ہے جو مقتضائے حال کا تقاضا ہے اور کمال انشاء "لانذر من کان حیًا ویحق القول علی الکافرین" فرما کر ارشاد خداوندی سے استدلال کیا ہے سبحان اللہ! "من کان حیًا" سے دل کے اندھوں

اور مُردہ دلوں کی طرف بلیغ اشارہ ہے۔ چونکہ "یحق القول علی الکافرین" فرمایا گیا ہے اس لئے ہرقل کی طرح اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ نہیں فرمایا کہ اس مجوسی کا دامن تو بالکل اجر سے خالی تھا۔ پھر اس مکتوب گرامی کی معنی آفرینی اور اس کی وسعت، نظم الفاظ اور ان کی جزالت سبحان اللہ!

قلم میں یہ تاب و تواں کہاں کہ اس کی خوبیوں کی وضاحت کر سکے یہ چند جملے جو تحریر کئے یہ بھی آپ ہی کا کرم ہے کہ قلم کو یہ حوصلہ عطا فرمایا۔ اس جملے پر توجہ فرمائیے "فانی انا رسول اللہ الی الناس کافۃ" بلیغ اشارہ ہے اس ارشاد ربّانی کی طرف قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا اور یہی آیۃ کریمہ اس عظیم جملہ کی مدلول ہے، یہ گرامی نامہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کے ذریعہ ارسال کیا گیا۔

زرقانی، تاریخ طبری،

نجاشی شاہِ حبشہ کے نام حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ اِلٰی نجاشی مَلِكِ الحبشۃ، سَلِمٌ اَنْتَ اَمَّا بعد فانی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ اِلَّا ھو، الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن واشھد انّ عیسٰی ابن مریم روح اللہ وکلمتہ القاھا الٰی مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ فحملت بعیسٰی فخلقہ اللہ من روحہ ونفخہ کما خلق آدم بیدہ ونفخہ وانّی ادعوك اِلَی اللہ وحدہٗ لاشریک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ، اللہ کے رسول کی جانب سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف، سلامت باشید! اما بعد میں حمد و ثنا کرتا ہوں اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہی حقیقی بادشاہ ہے، تمام عیوب سے پاک ہے، امن دینے والا ہے اور سب کا نگہبان ہے میں گواہی دیتا ہوں عیسیٰؑ، مریم کے بیٹے، اللہ کی خاص روح اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے پاک محصنہ بتول مریم میں ڈالا جس سے وہ حاملہ ہوئیں پس اللہ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی روح اور نفخ سے پیدا فرمایا جس طرح حضرت آدم کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا تھا اور میں تم کو

والمولاة علیٰ طاعته وان تتبعنی وتومن بالذی جاءنی فانی رسول اللہ وانی ادعوک وجنودک الی اللہ تعالیٰ فقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصحی والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ؛	اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی محبت کی جانب ! اور اپنے اتباع کی طرف، اور اس بات کی طرف جو اللہ کی جانب سے میرے پاس آیا ہے (قرآن) اس پر ایمان لاؤ، بیشک میں اللہ کا رسول ہوں ؛ میں تم کو اور تمہارے لشکروں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اللہ کا پیغام میں پہنچا چکا اور نصیحت کر چکا پس میری نصیحت کو قبول کرو اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے ؛
(تاریخ طبری۔ زرقانی، زاد المعاد)	

بعض نسخوں میں "والموالاۃ ...... بالذی جاءنی کے الفاظ نہیں ہیں ؛

یہ گرامی نامہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ارسال کیا گیا تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ وہی نجاشی ہے جس کے جنازے کی نماز غائبانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی تھی۔ یہ گرامی نامہ بھی ۶ھ میں ارسال کیا گیا ؛

اس گرامی نامہ میں جزالت الفاظ، کلمات کا ایجاز اپنے کمال پر ہے" المریم البتول لطیبۃ الحصینۃ"، میں جو نظم الفاظ اور ان کا در و بست اور اسلوب بیان ہے، وہ حد درجہ دلکش ہے پھر یہ کہ نامہ گرامی ایک عیسوی کو لکھا گیا ہے۔ اس لئے مقتضائے حال کے اعتبار سے ان الفاظ کی بلاغت کیا کہنا ؛

"بلغت ونصحت فاقبلوا نصحی" میں جو وسعت معانی ہے وہ ظاہر ہے اور الفاظ کی سلاست و جزالت آپ اپنی جگہ ہے ؛

حضور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی بنام مقوقس، عظیم القبط (شاہ مصر و اسکندریہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمد عبد اللہ ورسولہ الیٰ	محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی

المقوقس عظیم القبط، سلام علیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی امّا بعد فانّی ادعوك بدعایة الاسلام، اسلم تسلم یؤتك اللہ اجرك مرتین فان تولیت فانّما علیك اثم القبط، "یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ" ۝

(زرقانی)

جانب سے مقوقس عظیم قبط کے نام. اس پر سلام ہو جو ہدایت کا اتباع کرے. میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا اگر تو نے اس دعوت سے اعراض کیا تو تمام قبط کے حق نہ قبول کرنے کا گناہ تجھ پر ہوگا۔" اے اہلِ کتاب ایسی سیدھی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّم ہے جو یہ ہے کہ ماسوائے حق تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو سوائے خدا کے رب نہ بنالے"۔ پس اگر وہ اس سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ "گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ کے فرمانبردار ہیں"۔

یہ گرامی نامہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی معرفت شاہ مصر و اسکندریہ کو ۶ھ ہجری میں ارسال کیا گیا؛ اس گرامی نامہ کا اسلوب بیان اور اس کے الفاظ اس گرامی نامہ سے مماثل ہیں جو "عظیم الروم" کو ارسال کیا گیا تھا، شکوہ الفاظ اور جزالت کلام میں یہ مکتوبِ گرامی بھی فصاحت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلامِ ذیشان کی یہ ایک اہم خصوصیت تھی کہ آپ کا کلام مختصر مگر جامع ہوتا تھا۔

عمّان کے بادشاہ کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی

عمّان کے بادشاہ جیفر اور اس کے بھائی عبد کو یہ گرامی نامہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پہنچایا تھا؛

مکتوب سامی کا متن یہ ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمدٌ عبد اللہ الی
جیفر و عبد ابنیّ الجلندی
سلام من اتبع الھدیٰ،
اما بعد فانی ادعوکما بدعایۃ
الاسلام اسلما تسلما فانّی رسول
اللہ الی النّاس کافۃً لانذر
من کان حیًّا و یحقّ القول
علی الکافرینٗ و انکما ان
اقررتُما بالاسلام ولّیتکمَا
وان ابیتُما ان تقرّر بالاسلام
فانَّ ملککما زائلٌ عنکما و
خیلی تحلُّ تساحتکما وتظھر
نبتوتی علی مُلکِما ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبد اللہ کی طرف
سے (یہ خط) جیفر و عبد پسران جلندی کے نام؛
اس پر سلام ہو جو راہ راست کی اتباع
کرے، بعد ازاں میں تم دونوں کو اسلام کے
کلمہ کی طرف بلاتا ہوں! تم دونوں اسلام
قبول کر لو، دونوں سلامت رہو گے! بیشک
میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں
تاکہ میں ان کو خدا کی مخالفت (نافرمانی)
سے ڈراؤں اور خدا کی حجت کافروں پر تمام
ہو جائے۔ اگر تم دونوں نے اسلام قبول کر لیا
تو میں تم دونوں کو والی برقرار رکھوں گا (تمہارے
ملک پر) اور اگر تم نے (قبول) اسلام سے انکار
کیا تو تمہارا ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائیگا، میرے
سوار (فوج) تمہارے ملک میں داخل ہوں گے
اور میری نبوت تمہارے ملک میں ظاہر ہو کر رہیگی؛

مندرجہ بالا مکتوب گرامی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے بادشاہ جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام ارسال فرمایا تھا۔ اس مکتوب گرامی کا اسلوب بیان بھی ان نامہ ہائے گرامی کی طرح ہے جو ملوک و امرائے عصر کے نام لکھے گئے تھے؛

تبلیغ اسلام کی شان صحیفۂ گرامی سے عیاں ہے، اعلاء کلمۃ الحق میں نہ اُن کی عظمت، شکوہ دنیوی اور مادی طاقت سے مرعوبیت ہے اور نہ کسی قسم کی لچک، آپؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور ان پر واضح کر دیا کہ بصورت انکار تم کو کن حالات سے گزرنا ہوگا؛ الفاظ سے سطوت نبوّت خود بخود ظاہر ہو رہی ہے، زبان و بیان کا وہی انداز ہے

جو دیگر سلاطین ہرقل و کسریٰ وغیرہ کے نام ارسال کئے جانے والے مکتوبات کا ہے؛

(ان دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کرلیا اور رحمت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دامن بھر لئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وعدہ فرمایا تھا اسے پورا فرمایا)

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ ملوکِ حِمیَر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ! من محمد رسول اللہ الی الحارث بن عبد کلال والی نعیم بن عبد کلال والی النعمان قیل ذی رُعَین ومعافر دھمدان؛ اما بعد فانی احمد اللہ الیکم الذی لا الٰہ الا ھو، اما بعد فانہ قد وقع بنا رسولکم مقفدنا من ارض الروم فلقینا بالمدینۃ فبلّغ ما ارسلتم بہٖ، وخبّر ما قبلکم، وانبأنا باسلامکم و قتلکم المشرکین، وان اللہ قد ھداکم بھدایتہٖ ان اصلحتم اللہ ورسولہٗ، واقمتم الصلاۃ، وآتیتم الزکاۃ، و اعطیتم من المغانم خمس اللہ وسھم نبیّہٖ وصفیّہٖ (۷)، وما کتب علی المؤمنین من الصدّقۃ؛ اما بعد، فان محمداً النبی ارسل الی زرعۃ ذی یزن اذا اتتکم رُسُلی فاوصیکم بھم خیرا، معاذ بن جبل وعبد اللہ بن زید ومالک بن عبادۃ وعقبۃ بن نمر ومالک بن مرۃ واصحابھم، وان اجمعوا ما عندکم من الصدقۃ والجزیۃ من مخالیفکم وابلغوھا رسلی وان امیرھم معاذ بن جبل فلا ینقلبنّ الا راضیا، اما بعد فان محمدا یشھد ان لّا الٰہ الا اللہ وانہ عبدہٗ ورسولہ ثم ان مالک بن مرۃ الرّھاوی قد حدّثنی انک اسلمتَ

من اوّل حمیر، وقتلت المشرکین، فأبشر بخیرٍ وامرك بحمیر خیرا، ولا تخونوا ولا تخاذلوا، فان رسول اللہ ھو مولیٰ غنیکم وفقیرکم، وان الصدقۃ لا تحل لمحمد ولا لاھل بیتہ، انما ھی زکاۃ یتزکّی بھا علی فقراء المسلمین وابن السبیل، وان مالکا قد بلّغ الخبر. وحفظ الغیب، وامرکم بہ خیرا والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

یہ مکتوب گرامی حارث بن عبدکلال اور نعیم بن عبدکلال امرائے حمیر اور نعمان ذی معافر کے نام بحیثیت مجموعی لکھا گیا ہے؛ ان کی جانب سے ایک وفد حاضر خدمت ہوا تھا، اور ارکان وفد نے اِن امراء کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع بارگاہِ رسالت میں پہنچائی تھی۔ جس پر حضورؐ نے اظہار مسرت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا؛

وابنانا باسلامکم وان اللہ قد ھداکم بھدایتہ وان اصلحتم واطعتم اللہ ورسولہ

اِس اظہار خوشنودی کے بعد آپؐ نے ان کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاکید فرمائی اور صدقات کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا اور زکوٰۃ او صدقات کی وصولی کے لئے جن حضرات کو مامور فرمایا تھا ان کا ذکر فرمایا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اس جماعت کا امیر مقرر کیا گیا تھا؛

سرکار دو عالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فابشر بخیرٍ وامرك بحمیر خیرا کی نوید سے شاد کام فرمایا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا؛ "ولا تخونوا ولا تخاذلوا فانّ رسول اللہ ھو مولیٰ غنیکم وفقیرکم" سلاست بیان وجزالت الفاظ میں یہ مکتوب گرامی آپ اپنی نظیر ہے، اسلام کی بنیادی تعلیمات کو نہایت دلنشین انداز میں بیان فرمادیا ہے ان کو یہ بھی بتادیا کہ "وان الصدقۃ لا تحل لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا لاھل بیتہ" زکوٰۃ کے مصارف سے بھی ان کو آگاہ کردیا؛ چند الفاظ میں ان مہتم بالشان امور کو آپؐ نے ان کے ذہن نشین کردیا؛

یہ نامہ گرامی وہ ہے جو آپ نے بنی ہمدان کو رقم فرمایا تھا، قارئین اس کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہوں، اس مکتوب گرامی میں فصاحت و بلاغت، جزالتِ الفاظ اور ان کا نظم اپنے کمال پر ہے اور کمال یہ ہے کہ یہ گرامی نامہ ان ہی کی زبان، ان ہی کی لغت اور ان ہی کے روزمرّہ میں ہے ؛ میں اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام قبائل عرب کی زبانوں اور ان کے روزمرّہ میں گفتگو کرنے کی مہارت تامہ عطا فرمائی تھی اور یہ وصف صرف آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے مختص تھا؛

ان لکم فراعها و وهاطها و عزازها	تمہارے لئے نشیب و فراز اور سنگریزوں والی زمین ہے
تاکلون علافها و ترعون عفاءَ	بس تم اس کی پیداوار کھاؤ اور اس میں (اپنے جانور)
هالنا من دفئهم وصرامهم	بے روک ٹوک چراؤ، ہمارے لئے ان کے مویشیوں
وسلّموا بالمیثاق والامانة	اور غلّہ کے خرمنوں سے وہی حصّہ ہے جو وہ عہد کے
ولهم من الصدقة الثّلب	مطابق) اور امانت سے ادا کرینگے، ان کیلئے صدقے
والنّاب والفصیل والفارض لداجن	کا مال، بوڑھے اونٹ، اونٹنیاں، شتر بچے، عمر رسیدہ اور
والکبش الحوری دعلیهم	گھر پر کھڑے رہنے والے اونٹ جن کی کھال سے نطع
فیها الصّالخ والقارح !	بنایا جاتا ہے) اور ان پر وہ بکری اور وہ گائے ہے جو
(اقتباس از نامہ گرامی)	چھ سال کی ہو اور وہ اونٹ جو پانچویں سال میں ہو۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گرامی نامہ سے میں نے چند متبرک سطور پیش کی ہیں جو آپ نے بنی فہد کو ان ہی کے روزمرہ اور ان کے لغات میں تحریر فرمایا تھا۔ قریش کا روزمرہ اور زبان یہ نہیں تھی" اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امرائے حضرموت (اقیال) اور شاہان یمن کو بھی جو مکتوبات ارسال کئے یا اُن کی باریابی کے موقع پر ان سے گفتگو فرمائی وہ اُنہی کی زبان اور اُن ہی کے روزمرہ میں فرمائی، آپ ان سے گفتگو میں ان ہی کا اسلوب بیان اور ان ہی کے مخصوص لغات استعمال فرماتے تھے باوجودیکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نہ اُن قبائل میں کبھی تشریف لے گئے اور نہ اُن علاقوں اور قبائل کی زبان سیکھی یہ سب کچھ توفیقی اور توقیفی تھا۔

ان الفاظ کی صوتی خوش آہنگی پر نظر ڈالئے جو تکلف اور تصنع سے بالکل عاری ہے۔

سبحان اللہ! "فراعھا و وھاطھا و عزازھا۔ علانھا، عفاءھا اور و فیئھم و صرامھم میں جو بلاغت اور علم معانی و بیان و بدیع کے جو لوازم ہیں ان پر فصاحت زبان و بیان وجد کرتی ہے! والثلب الناب والفصیل والفارض الداجن الصالغ والقارح جیسے الفاظ جن میں کثیر و بسیط معانی پنہاں ہیں، ان میں جو ایجاز ہے وہ ظاہر ہے، زبان پر کامل قدرت، الفاظ کا حسن انتخاب اپنے کمال پر ہے، کون سی زبان لائی جائے جو ان خوبیوں کی تعریف کر سکے!

"وائل بن حجر" کو جو گرامی نامہ ارسال کیا گیا تھا اس میں یہی ارقام فرمایا گیا تھا:۔

وَفِی التِّیعَۃِ شَاۃٌ لَامُقوَرَۃَ الالیاط و لاصناک وَانطُوا الثَّبجَۃَ وفی السُّیوب الخمس و مَن زنی مم بکرٍ فاصقعوہ مائۃ وَانطُوا الثَّبجَۃَ عاماً و من زنی مم ثیبٍ فضرِجُوہ بالاضایم ولا توصیم فی الدین وَلَا عَمَۃَ فی فرائض اللہ وکُلّ مُسکِرٍ حَرامٌ و وائل بن حجرٍ یترفّلُ علی الاقیال

یعنی:۔ اور چالیس بکریوں میں سے ایک بکری ہے جو نہ بہت دبلی ہو اور نہ بہت موٹی ہو اور نہ ادنیٰ نہ اعلیٰ اور زمین کی پیداوار سے پانچواں حصہ ہے اور جو کوئی کنواروں میں سے زنا کا مرتکب ہو تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دو اور شادی شدہ زانی کو پتھروں سے رجم کرو کیونکہ دین میں ڈھیل نہیں ہے اور اللہ کے فرائض میں اخفاء نہیں ہے، ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور وائل بن حجر تمام امراء (اقیال) پر سرداری کرے"۔ (الشفا)

اس مکتوب گرامی کا اسلوب، اس کے لغات اور تراکیب بھی وہی ہیں جو اس قبیلہ میں رائج تھا اور اسی قبیلہ کا انداز بیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا، علامہ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:۔ "اکثر استعمالھم ھذہ الالفاظ استعملھا معھم

"لیعبین للناس مانزل الیھم" و لیحدث للناس بما یعلمون ٥

یعنی: "آپ ان لوگوں سے گفتگو اور معاملہ کے وقت وہی الفاظ استعمال فرماتے جو وہ لوگ استعمال کرتے تھے، قرآن حکیم کی آیات کا مفہوم اور اسکی وضاحت

بھی اِن ہی کی زبان میں فرماتے جس میں وہ لوگ کلام کرتے تھے اور پسند کرتے تھے۔"

جناب عطیہ السّعدی والی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اُن سے فرمایا:

فَاِنَّ الیَدُ العلیَا ھی المُنطیۃُ وَالیَد سُفلیٰ ھی المُنطاۃُ۔

یعنی: "بے شک اونچا ہاتھ تو دینے والا ہے اور لینے والا ہاتھ تو نیچا ہے"۔

مختلف قبائل کے یہ لوگ اعتراف کیا کرتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم سے کلام فرماتے ہیں تو ہماری ہی زبان میں فرماتے ہیں چنانچہ المنطیہ اور المناۃ قریش کے لغات نہیں تھے بلکہ قبیلہ سعد سے مختص تھے:

علامہ قاضی عیاضؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت پر مختصراً گفتگو کرنے کے بعد اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

واَمّا کلامہ المعتادِ وفصاحتہ المعلومۃ:

جوامع کلمہ وحکمہ الماثورۃ فقد الف النّاس فیھا الدّواوین وجمعت فی الفاظھا ومعانیھا الکتب ومنھا مالا یوازی فصاحۃ ولایبازی بلاغتہ

یعنی، "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام معتاد، آپ کی فصاحت معلومہ، آپ کے جوامع الکلم اور احکام ماثورہ کے سلسلے میں بہت سے لوگوں نے متعدد کتب لکھی ہیں اور دفتر کے دفتر پُر کر دیئے ہیں جن میں اُن الفاظ (اور انکے معانی) کو جمع کیا گیا ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو فصاحت ان الفاظ کی برابری نہیں کر سکتی اور نہ بلاغت کو تاب مقاومت ہو گی"۔

علامہ قاضی عیاض کے محولہ بالا قول کی مزید صراحت و وضاحت کے لئے میں یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات گرامی پیش کر چکا ہوں، جو اپنی سلاست بیان، حسن نظم الفاظ، فصاحت کلمات اور ایجاز کے نادر نمونے ہیں۔ ان حکمت آفریں کلمات اور جملوں میں معانی کا ایک سمندر موجزن ہے۔ آپ کے یہ کلمات طیبات کم سے کم الفاظ اور زیادہ سے زیادہ معانی کے حامل ہیں، ان کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ دوسرے فصیح و بلیغ انسان کے کلام میں اس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔

آپ کی بارگاہِ فلک رفعت میں ہر وقت کے حاضر باش اصحابؓ جو خود بھی زبان دان اور قریش کے فصیح و بلیغ اصحاب تھے، آپ کی اس فصاحت و بلاغت پر اکثر حیرت کا اظہار فرماتے، آپ نے ان کے تحیّر کو دُور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

"انا افصح العرب بید انی من قریش ونشات فی بنی سعد بن بکر"

یعنی: "میں عرب میں فصیح ترین شخص ہوں جبکہ میں قریش سے ہوں اور بنی سعد بن بکر میں میری نشوونما ہوئی ہے"۔

اسی طرح ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدمت گرامی میں عرض کیا کہ:

"یا رسول اللہؐ! میں عرب کے تمام قبائل میں گھوما پھرا ہوں اور ان قبائل کے فصحائے میں نے گفتگو کی ہے لیکن میں نے آپؐ سے زیادہ کسی کو فصیح نہیں پایا، یہ تعلیم آپؐ کو کس نے دی؟"

اس کے جواب میں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ادبنی ربی فاحسن تادیبی"

"میرے رب نے میری تعلیم ادب آموزی کی ہے اور خوب ہی ادب سکھایا ہے"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ سے بڑھ کر اس زمانے میں کوئی اور ماہر انساب نہیں تھا اور ممکن نہ تھا کہ کوئی فصیح و بلیغ شخص اس زمانے میں ہو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سے واقف نہ ہوں۔ اس وقت کا کوئی خطیب، کوئی شاعر اور لکھنے والا ایسا نہ تھا جو آپ کی نگاہوں سے چھپا ہو، پس حضرت صدیق اکبرؓ کا آپ کی فصاحت و بلاغت پر اظہار حیرت ہی اس امر کی دلیل ہے کہ "دنیائے عرب میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی فرد نہیں تھا۔

یہاں جو چند کلمات طیبات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی پیش کئے گئے ہیں۔ یہ آپ کے کلام کا کوئی منتخبہ نمونہ نہیں بلکہ یہ ایسے کلمات طیبات ہیں جو اپنی معانی آفرینی اور جامعیت کے اعتبار سے زبان زد خواص و عوام ہیں، زبانوں پر بے تکلف جاری و ساری ہیں، غور کیجئے کہ نہ ان کلمات طیبات میں ادائے مقصود میں کہیں (معاذ اللہ) کوتاہی

ہے، نہ ضرورت سے زیادہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ہر ایک ارشاد گرامی فصاحت و بلاغت اور جامعیت کا بہترین نمونہ ہے، تعقید سے خالی ہے، تکلف و تصنع کا کہیں نام و نشان نہیں ہے، اسلوب بیان میں متانت رچی بسی ہے اور معانی کی وسعتوں کا کیا کہنا! دریا بکوزہ کا مصداق ہے، وضوحِ دلالت میں الفاظ کی کمی کے باوصف کامل ہے اور معانی و بیان کی صفات سے آراستہ ہے!

یہ تو حقیقت کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ یہ موضوع حقیقت کی ترجمانی ہی چاہتا ہے ورنہ محبت و عقیدت تو ایک ایک لفظ پر سر خم کرتی ہے، ایمان تر و تازہ ہوتا ہے، روح ایقان وجد میں آتی ہے اور کیوں نہ ہو!

یتیمے کہ ناکردہ ابجد درست!
کتبِ خانۂ چند ملت بشست (سعدیؒ)

کس کی زبان کا یارا ہے کہ اس کلام کی تعریف کرسکے، جس کی خوبیوں کی خالق اکبر اس طرح قسم یاد فرمائے:

وَقِيلِهِ يَٰرَبِّ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ۝ "مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم! کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے"۔ (الزخرف آیت ۸۸)

عقیدت و محبت نے لرزتے ہاتھوں، ترساں انگلیوں اور سر بتفکر قلم سے ان چند کلمات طیبات کو زیب قرطاس بنانے کی جرأت کی ہے تاکہ دنیا کے ادیب اپنی فصاحت و بلاغت کے معیار پر اس زر کامل کو اگر چاہیں تو کس لگا کر دیکھ لیں اگر ان میں اتنی جرأت ہو لیکن ادب شرط ہے کہ بارگاہ بڑی عالی وقار ہے:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا (عزت بخاری)

علم معانی و بیان تو یہاں خود سر فگندہ و سرنگوں ہیں کہ ان علوم کا وجود تو خود حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود گرامی کا صدقہ ہے ان علوم کا مبنیٰ اور ان کی اساس تو خود قرآن حکیم اور اس کا بیان یعنی حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ علم فصاحت و

بلاغت کو وجود تو خود حضورؐ کے کلام معرفت التیام نے بخشا ہے صرف و نحو، معانی، بیان اور بدیع کے اصول و قواعد تو خود قرآن و حدیث سے اخذ کیے گئے ہیں کہ حدیث رسول بھی تو اعجاز رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیؕ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی، اسی کلام کے لئے تو فرمایا گیا ہے، میں اس جسارت پر آمادہ نہ ہوتا لیکن دل نے کہا کہ اسلاف کرام نے بھی شمائل نبوی اور ارشادات مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قلم اٹھایا ہے اور اپنی آبرو بڑھائی ہے اور اپنے کلام و بیان کو اس کے فیض سے سرمدی بنایا ہے تو میں بھی ان ہی بزرگوں کا نام لیوا ہوں، مانا کہ وہ آفتاب تھے، میں ذرہ ہوں، وہ سمندر تھے، میں قطرہ ہوں، وہ گلستان تھے، میں خار بند گلستان ہوں، لیکن یہ خار بند گلستان بھی کبھی کبھی پھولوں کا منہ چوم لیتا ہے۔

آپ نے حضور والا مرتبت کے یہ چند گرامی نامے ملاحظہ کئے یہ خصوصیت ہر والا نامہ میں موجود ہے۔ اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا یہ ایجاز بھی.. ایک اعجاز تھا؛

خطبات میں چونکہ مکتوبات کے مقابلہ میں بسط سخن کا خاص محل ہوتا ہے اس لئے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع اور محل کے خاص اَدا شناس تھے لہٰذا حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم نے گرامی قدر مکتوبات میں اس ایجاز کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ مکتوبات اور خطبات کا یہ مابہ الامتیاز آپ کو خطبات والا کے مطالعہ کے بعد صاف نظر آئے گا۔ اس وصفِ خاص کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ میں چند خطبات گرامی بھی پیش کر دوں؛

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطباتِ گرامی اور ان کی فصاحت و بلاغت

اس عنوان کے تحت مجھے سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کے چند گرامی خطبات پیش کرنا ہیں اور ان کی فصاحت و بلاغت کو معرض بیان میں لانا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا یہ بھی ایک عظیم مورد اور شاندار پہلو ہے۔ خطبہ کسی فرد یا افراد یا جماعت سے خطاب کا نام ہے جس میں حسب محل و موقع ضروری امور صاحب خطاب یا خطیب کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ بعض قارئین شاید یہ خیال کریں کہ خطبہ تو ہر نماز جمعہ سے قبل اور عیدین کی نمازوں میں بعد میں پڑھا جاتا ہے۔ پھر اس تصریح کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے یہاں اس امر کی صراحت مقصود ہے کہ خطبہ جو نماز جمعہ سے قبل یا عیدین میں بعد نماز پڑھا جاتا ہے وہ فی زماننا اپنے حقیقی معنی میں خطبہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک اصطلاحی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے یعنی سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہمارے علمائے متاخرین نے حمد و ثنا، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، مناقب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور چند احکام دین پر مشتمل احکام الٰہی اور ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتب و مدوّن کر دیا ہے چونکہ اس کا پڑھنا اور سننا واجبات سے ہے اس لئے عربی زبان میں اس حمد و نعت، منقبت اور چند احکام کی مستدل آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو مدتوں پہلے مدوّن و مرتب ہوئے تھے ان ہی کو خطیب ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور ہم ان کی سماعت سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ چونکہ خطیب کا یہ خطبہ حاضرین مسجد سے خطاب ہوتا ہے اس لئے اصطلاحاً اس کو بھی خطبہ کہا جاتا ہے۔

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں خطبات اس مفہوم تک محدود نہیں تھے بلکہ

حمد و ستائش الٰہی کے بعد سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم احوالِ حاضرہ پر تبصرہ فرماتے، ضروریاتِ دین سے آگاہی بخشتے وحی الٰہی کے ذریعہ جو احکامِ دین، اوامر و نواہی نازل ہوتے ان سے مطلع فرماتے، تبلیغِ رسالت اور دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں ضروری احکام صادر فرماتے، مالی تعاون کی انصار و مہاجرین کو ترغیب دیتے اور اس کے اجر بے حساب کی نوید سے شادکام فرماتے، انصرامِ ملکی کے بارے میں ارشاد ہوتا، عاملین کے تقرر کا اظہار ہوتا؛

آج بھی حج کے موقع پر میدانِ عرفات کی مسجد میں جو خطبہ دیا جاتا ہے اس میں بھی حمد و ثنا، نعت و منقبت کے بعد عالمِ اسلام کو درپیش مسائل اور اسلامی دنیا کو پیش آمدہ مشکلات، بین الملّی اخوت و اتحاد اور مسائل کے حل کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، یہ خطبے ہمارے مدونہ اور مؤلفہ خطبات سے سوائے حمد و ثنا و نعت و منقبت کے بالکل جداگانہ چیز ہیں اگرچہ اسلوب و نظم بیان میں قدرے مماثلت پائی جاتی ہے؛

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس خطبات کے متضمنہ امور اور بھی کچھ ہوتے تھے میں نے ان میں سے چند کو مختصراً بیان کر دیا ہے اور یہ ضروری نہیں تھا کہ یہ خطبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جمعہ سے قبل ہی ارشاد فرمایا کرتے تھے بلکہ حسبِ موقع جب اور جہاں بھی آپ ضرورت محسوس فرماتے اصحابِ کرامؓ سے خطاب فرماتے، یہ خطبات بمقتضائے حال بسیط و طویل بھی ہوتے تھے اور مختصر بھی! عموماً سرکارِ رسالت مآب خطبہ میں اختصار کو پسند فرماتے تھے؛

خطابت تمام انبیائے کرام کا شعار رہی ہے۔ سرکشوں اور نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے احکام کی اطاعت کے لئے اس مقدس جماعت کا ہر محترم فرد اپنی قوم سے بار بار خطاب فرماتا تھا، میں یہاں اس کی وضاحت نہیں کروں گا کہ اس صورت میں قصص الانبیاء کا ایک باب وا ہو جائے گا؛

اسلام سے قبل عہدِ جاہلیت میں عربوں کی تمام تر ادبی پونجی ان کی شاعری اور ان کی خطابت تھی جس طرح ہر قبیلہ کا ایک شاعر ہوتا تھا اسی طرح ان کا ایک خطیب بھی ہوتا شاعر

جس طرح قوم کو رزم پر ابھارتا اور جوشِ ملی کو موجزن کرتا اسی طرح خطیب اُن کی مفاخرت کا سرمایہ ہوتا جو اپنی طلاقت لسانی سے اپنے قبیلہ کی برتری دوسرے قبیلے پر ثابت کرتا اور یہی اس کا معیارِ کمال ہوتا، کذب اور دروغ سے بھرپور اس خطابت پر نہ کسی کو اعتراض ہوتا تھا اور نہ کوئی اس طرف اشارہ کرتا حضریت کی خصوصیات تو ان قبائل میں ناپید تھیں، بدویت معاشرت اور تمدن سے بالکل آزاد تھی اس لئے خطابت میں نہ اصلاح معاشرہ پر مبنی نکات ہوتے تھے اور نہ اخلاقی درس، حضریت میں بھی خطابت کا زور تھا لیکن وہاں بھی اصلاح حال کی طرف توجہ نہیں دی جاتی تھی بس مفاخرت ہی ان خطبوں کا تمام تر سرمایہ ہوتا تھا، اِس طرح عہد جاہلیت میں خطابت کو محض فخر و مباہات کے اظہار کا ذریعہ اور واسطہ بنایا گیا تھا، اس دور کے نسّابین بھی یہی خدمت انجام دیتے تھے اور اس طرح اُن کے دروغ بے فروغ کی عمارت بلند سے بلند تر ہوتی چلی جارہی تھی!

جس طرح قرآن حکیم نے اپنی آیات اور بیان کی فصاحت و بلاغت کے اعجاز سے اُن کی شعر گوئی کے کمالات اور فصیحانہ بیان کی بلند و بالا عمارت کو مسمار کر کے زمیں بوس کردیا تھا اور انھوں نے معارضہ قرآن پر بہت زور لگایا لیکن مجبور ہو کر رہ گئے اور آخرکار یہی کہا کہ یہ کلام ایک جادو ہے، اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۝ اور سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ کے سوا اور کچھ کہتے بن نہ پڑی۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد بعثت جو خطبات ارشاد فرمائے ان کی فصاحت و بلاغت، حکیمانہ نکات و موعظت، اصلاح معاشرہ اور تمدن پر مبنی کلمات نے اُن کی خطابت کے طمطراق کو بھی ختم کردیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو "افصح العرب" تھے دعوتِ اسلام کو عام کرنے اور مشرکین عرب کو الوہیت، اس کی توحید اور رسالت کا قائل کرنے کے لئے اپنے توفیقی جوہر خطابت کو استعمال فرمایا اور قرآنی احکامات اور آیات ربانی کے استدلال سے ان خطبات میں کام لیا نہ صرف مکی زندگی میں بلکہ مدنی زندگی میں بھی آپ نے اپنے خطبات سے اصلاح معاشرہ اور تبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیا، ہجرت کے بعد اسلامی ریاست کی تشکیل، اسلامی تنظیم اور ایک فلاحی ریاست کی تعمیر کے لئے آپ کو اپنے خطیبانہ کمال سے کام لینا پڑا۔

نادار مسلمانوں کی فلاح، محاربات و مہمات و غزوات کی درست کاری اور تیاری کے لئے بھی آپ نے خطابت کا استعمال فرمایا؛

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خطبات والا نے اس سلسلہ میں بھی ایک طرز خاص کی بنیاد ڈالی اور خطابت کے موضوع کو وسیع سے وسیع تر فرما دیا۔ چنانچہ خطبات موعظت کے علاوہ، خطبات جہاد، خطبات فتوحات، خطبات تعزیت، خطبات پذیرائی وفود، خطبات خلافت و ولایت، خطبات نکاح، اسلام کا ادبی عطیہ ہیں، ان خطبات کی اکثر انواع تو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں موجود تھیں اور کچھ آپؐ کے بعد دور خلافت میں ظہور میں آئیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت سے عربی زبان کی خطابت کو جو فروغ، دلنشینی اور اثر آفرینی کی خصوصیات میسر آئیں ان سے عصر جاہلیت میں وہ یکسر محروم تھی، عصر جاہلیت کے صدہا خطیبوں اور ہزاروں خطبوں کا سرمایہ حضور علیہ السلام کے چند خطبات کے سامنے ہیچ و پوچ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اثر آفریں اور دلنشین خطابت سے، عربی خطابت کو اس بلندی اور کمال پر پہنچا دیا جو آپؐ کے زمانے تک محروم تھی اور عرب کے تمام خطباء اپنی مشترکہ مساعی سے بھی اس کو وہاں تک نہ پہنچا سکے تھے؛

آپ کے چند گرانمایہ اور فصاحت آگیں خطبات جو میں اس موضوع کے تحت پیش کر رہا ہوں وہ اس کے شاہد عادل ہیں کہ خطبات کو یہ رعنائی بیان، اور حسن معانی، الفاظ کا حسب موقع انتخاب، سلاست اور بیان کی ندرت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان نے عطا فرمائی جو بطور توفیق الٰہی آپ کو عطا ہوا تھا، نہ اس میں تصنع کو دخل تھا اور نہ آورد کو! آپ کی خطابت کے یہ محاسن اور ان کی یہ خوبیاں آپ کے ان ارشادات گرامی کی طرح جن کو ہم احادیث سے معنون کرتے ہیں کسبی نہیں تھیں بلکہ وہبی اور عطیہ الٰہی تھیں!

محولہ بالا خصوصیات میں اگر خطبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں عہد جاہلیت کے تمام خطبات کا وزن کیا جائے تو وہ ایک پاسنگ سے زیادہ نہیں نکلیں گے

اگر ایسا نہ ہوتا تو (معاذ اللہ! معاذ اللہ!) کمال نبوت میں ایک نقص رہتا اور آپ کی نبانئی پر حرف آتا اور آپ کے علم وہبی کی کوتاہی پر اس کو محمول کیا جاتا جب کہ یہ بشارت دی جاچکی تھی وعلمك مالم تكن تعلم! چنانچہ آپ کے کمال خطابت کا بھی کمال فصاحت کی طرح سب کو اعتراف کرنا پڑا اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے:

انّ ذٰلك من ثمرة الحكمة و نتاج التوفيق

یہ کمال خطیبانہ (سب کچھ) ثمر حکمت اور توفیق الٰہی کا نتیجہ ہے!

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جو عہد رسالت کے مشہور شاعر اور خوش نصیب صحابی ہیں کس قدر عمدہ بات کہی جو سراپا صدق پر مبنی ہے!

لو لم تكن فيه اٰيات مُبيّنة كانت بداهته تنبئك بالخير

(اگر آپ کے پاس اعجاز قرآن کی واضح نشانیاں بھی نہ ہوتیں جب بھی آپ کی خطیبانہ ہدایت ہی تجھ کو حقیقت حال سے باخبر کر دیتی!)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات عام طور پر مختصر ہوتے تھے اور چند الفاظ ہی میں دریائے معانی موجزن ہوتا تھا البتہ بعض مواقع پر آپ نے طویل خطبات بھی ارشاد فرمائے ہیں چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز عصر کے بعد خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا:-

"سنو! دنیا بڑی تروتازہ اور شاداب ہے، خبردار رہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس میں (اہتمام و انصرام اور تنظیم حیات کے لئے) چھوڑنے والا ہے! ہوشیار رہنا اور دیکھنا کہ تم کیسے عمل کر رہے ہو، دنیا پرستی سے بچنا، عورتوں سے بھی بچتے رہنا اور خبردار! کسی کو حق بات کہنے میں، جب کہ وہ حق کو جان لے، لوگوں کا خوف مانع نہ ہو!

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ارشاد فرماتے اور خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ دھوپ ختم پر آگئی اور آفتاب کی وہ سرخی باقی رہ گئی جو کھجور کی شاخوں پر تھی، اس وقت دن ڈھلتا دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ:۔ "دنیا اب اتنی ہی باقی رہ گئی ہے جتنا کہ آج کے دن میں اب یہ وقت باقی رہ گیا ہے۔"

حضرت ابو خدریؓ فرماتے ہیں کہ "اس وقت دن دو گھڑی سے بھی کم باقی رہ گیا تھا" اسی طرح یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طویل خطبہ تھا۔ بعض اور مواقع پر بھی آپ نے طویل خطبے ارشاد فرمائے ہیں لیکن عموماً آپ کے خطبات مختصر ہوتے تھے، جمعہ کی نماز سے قبل دیئے جانے والے خطبہ کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نماز کو طویل کرو اور خطبہ کو مختصر"!

میں یہاں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خطبات پیش کروں گا اور ان کی فصاحت و بلاغت کی نشان دہی کروں گا، ایک خطبہ وہ ہے جو فتح مکہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے دروازے پر ارشاد فرمایا اور دوسرا خطبہ وہ ہے جو "خطبۂ حج الوداع" کے عنوان سے معنون ہے!

فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے جب در کعبہ پر تشریف فرما ہوئے تو یہ خطبہ ارشاد فرمایا:۔

لَا اِلٰہ الاّ اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ صدق وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہ، الا کل ماثرۃ اودم اومال یدعی فھو تحت قدمی ھاتین الا سدانۃ البیت وسقایۃ الحاج الا وقتل الخطاءِ شبہ العمد بالسّوطِ والعصا ففیھا الدّیت مغلّظۃ منھا اربعون خلیفۃ فی بطونھا اولادھا؛	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اپنے بندے کی مدد کی اور دشمن کی جماعتوں کو اس نے خود ہی شکست دی! آگاہ ہو جاؤ! تمام فضیلتیں (جانی ہوں یا مالی) جس کا دعویٰ کیا جا سکے وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں بجز ان دو کے یعنی بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانا؛ آگاہ ہو جاؤ! قتل خطا بھی جو کوڑے یا لاٹھی سے ہو وہ قتل عمد کی طرح ہے؛
یا معشر قریش! اِنَّ اللہ قد	اس کی دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ جن میں چالیس

اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیّہ و تعظّمھا بالاباءِ النّاس من اٰدم و اٰدم مِن ترابٍ ثم تلا ھذا الاٰیۃ "یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ" ثُمَّ قال یا معشر قریش ما ترون انی فاعل بکم (قالوا خیراً اخ کریم وابن اخ کریم) قال فانی اقول لکم کما قال یوسف لِاِخوتہٖ، لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطّلقاءُ۔

حاملہ اونٹنیاں ہیں؛ اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو باطل کر دیا ہے سب لوگ آدم سے پیدا ہوئے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں؛ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت (کے ملاپ) سے پیدا کیا اور پھر تم کو شاخوں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو اور حقیقت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی (خدا ترس) ہے اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے"؛ اے گروہ قریش تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا (لوگوں نے کہا بھلائی کا۔ آپؐ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں) آپؐ نے فرمایا، میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا "تم پر اب کوئی عتاب نہیں جاؤ آج تم سب آزاد ہو!"

اس فصیح وبلیغ خطبے میں جس کے الفاظ میں ایک روحِ انقلاب کروٹ لے رہی ہے اور مساواتِ انسانی کا اس میں ایک ایسا درس پنہاں ہے جو نخوت وجبروت کے بتوں پر ایک ضرب کاری ہے غور کیجئے کہ کس قدر متانت ہے اور کیسے دھیمے لہجے میں انسانیت کی تقدیس کا سبق دیا گیا ہے چند الفاظ ہیں جن میں معانی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ یہی خطابت کا کمال ہے۔ اس خطبہ نے ایک ایسی انقلابی روح کو بیدار کیا جو آج بھی زندہ وپائندہ ہے۔

"صدق وعدہٗ ونصرَ عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ" میں وعدہ، عبدہ اور وحدہ کا تلازم لفظی اور صوتی ہم آہنگی کس قدر لطیف ہے۔ معنی کے اعتبار سے

ان تین کلمات کی وسعتوں پر غور کیجئے اور ان میں جو تاریخی پس منظر ہے وہ تاریخ اسلام کے صدہا صفحات پر مشتمل ہے۔"نخوت الجاھلیۃ" فرما کر عصر جاہلیت کی اخلاقی تاریخ بیان فرمادی ہے، اور صرف دو لفظ ہیں؛

تعظمھا بالآباء کے ارشادات گرامی سے فخر و مباہات کے وصفِ اضافی کا سر کچل دیا ہے جس نے نوع انسانی کو عظیم اور کم تر کے خود ساختہ درجات میں تقسیم کردیا تھا "شعوب و قبائل" کی تقسیم کا حقیقی مفہوم اور اسلامی مقصد ان پر ظاہر فرمادیا۔"لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" کی نویدِ درگزر سے ہزاروں سرکشوں اور باطل پرستوں کے سرہائے غرور کو خداوند تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز فرمادیا، تاریخ شاہد ہے کہ اس عام معافی اور درگزر نے مکہ کی اجتماعی زندگی کا رُخ ایک صحیح سمت میں موڑ دیا۔

الفاظ کا تلازم، ان کی سلاست اور جزالت، معانی اور بیان کے متعدد نکات اس خطبہ میں موجود ہیں جو فصاحت زبان و بیان کے لوازم ہیں؛

خطبۂ حجۃ الوداع

۱۰ھ ہجری کا یہ حج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا اور حضورؐ نے جو خطبات یہاں دیئے وہ آخری خطبات تھے! میدانِ عرفات اور منیٰ کے مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبات ارشاد فرمائے وہ اجتماعی خطبات تھے۔ حج سے واپسی پر ہی غدیر خم کے مقام پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا وہ صحابۂ کرام کی مخصوص جماعت سے خطاب تھا یہ عرفات اور منیٰ جیسا اجتماعی خطبہ نہ تھا۔ مصدقہ روایات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ عرفات کے میدان میں آپؐ نے قصویٰ پر تشریف رکھتے ہوئے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا اجتماع تھا اور یہاں جو احکام دین آپ نے مسلمانوں کی اجتماعی، معاشرتی اور اسلامی مملکت کی فوز و فلاح کے لئے ارشاد فرمائے وہ آخری اور اجتماعی ارشادات تھے جس کا علم سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور آپ نے بلیغ اشاروں سے بھی عرفات اور منیٰ کے خطبات میں اس طرف فرمائے۔
اب میں حج الوداع کا خطبہ مع ترجمہ پیش کر رہا ہوں اور اس کے آخر میں اس کی فصاحت و

بلاغت کے سلسلہ میں کچھ عرض کروں گا۔

فلاحِ انسانیت کا ایک عالمگیر منشور

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع کے موقع پر ۹ ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں قصویٰ پر تشریف رکھتے ہوئے جو عظیم اور بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا ذیل میں پیش کیا جارہا ہے، دوسرا خطبہ ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا! میدان عرفات کا یہ خطبہ دراصل فلاحِ انسانیت کا ایک عالمگیر منشور ہے!

اس گرامی خطبہ کا آغاز آپ نے حمد و ستائش الٰہی سے اس طرح شروع فرمایا:

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونتوب الیہ
ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من
یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ،
واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، و
اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ، اوصیکم عباد اللہ
بتقوی اللہ واحثکم علی طاعتہ واستفتح بالذی ھو خیر!

یا ایھا الناس! اسمعوا قولی! فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا!

اے لوگو! میں جو کچھ کہوں اسے تم غور سے سنو! شاید آنے والے سال اور اس کے بعد پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نہ ہوسکے!

ایھا الناس! ان دماء کم و اموالکم علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا وفی شھرکم ھذا، فمن کانت عندہ امانتہ فلیؤدھا الی من ائتمنہ علیھا و ان ربا الجاھلیۃ موضوع

اے لوگو! تم پر ایک دوسرے کی جانیں اور اموال قیامت تک (جب کہ تم اللہ کے حضور میں حاضر ہو) حرام ہیں، جس طرح آج اور اس مہینے (ذوالحجہ) میں تم پر حرام ہیں جس کسی کے پاس دوسروں کی امانت موجود ہو اس کے مالک کو جس نے وہ امانت رکھی ہے لوٹا دو، آج سے ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے اصل مال تمہارا ہے

"فلكم رءوس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون" وان اول ربا ابدء به ربا عمي العباس بن عبد المطلب، وان دماء الجاهلية موضوعة واول دم ابدء به دم عامر بن ربيعة بن الحارث بن عبدالمطلب وان ماثر الجاهلية موضوعة غير السدانة والسقاية، والعمد قود وشبه العمد ما قتل بالعصا والحجر وفيه مائة بعير، فمن زاد فهو من اهل الجاهلية

ايها الناس! ان الشيطان قد يئس ان يعبد في ارضكم هذا، ولكنه رضي ان يطاع فيما سوى ذلك مما تحقرون من اعمالكم

ايها الناس: ان النسئ زيادة في الكفر يضل به الذين كفروا يحلونه عاما ويحرمونه عاما ليواطئه عدة ما حرم الله،

وان الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والارض

نہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو نہ تمہارے اوپر ظلم کیا جائے گا اور سب سے پہلا سود جس سے میں ختم سود کا آغاز کرتا ہوں، میرے چچا عباس ابن عبدالمطلب کا سود ہے، جاہلیت کے خون بھی ختم کئے جا رہے ہیں اور جس سے اس کا آغاز کیا جا رہا ہے وہ عامر بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون ہے، زمانہ جاہلیت کے تمام افتخار اور فضیلتیں بھی ختم کر دی گئی ہیں سوائے مناصب بیت اللہ اور حجاج کو پانی پلانے (کے مناصب) کی فضیلتیں، قتل عمد میں قصاص ہے اور لاٹھی یا پتھر کی ضرب سے جو قتل ہو وہ قتل عمد کے مشابہ ہے اس کی دیت میں سو اونٹ ہیں اور جو کوئی اس پر اضافہ کرے وہ اہل جاہلیت سے ہے۔

اے لوگو! شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں اس کی پرستش کی جائے وہ تمہارے معمولی اعمال میں اس کی اطاعت پر راضی ہو گیا ہے

اے لوگو! نسئ (مہینوں میں ردّ و بدل کرنا) کفر کے عمل میں اضافہ ہے اور اس سے کفار اور گمراہی میں پڑتے ہیں کہ وہ ایک سال اس کو حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام تاکہ اس طرح ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جو اللہ نے حرام کئے ہیں۔

یقیناً آج زمانہ پھر کر اسی ہیئت پر آ گیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کو پیدا کیا تھا

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا
عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ
حُرُمٌ، ثلاث متواليات و واحد فرد،
ذوالقعدة و ذو الحجة والمحرم ورجب
الذي بين جمادى وشعبان، الا هل بلغت
اللهم اشهد؛

ايها الناس: ان نسائكم عليكم
حقا ولكم عليهن حق ان لا يوطئن
فرشكم غيركم ولا يدخلن احد
تكرهونه بيوتكم الا باذنكم ولا
ياتين بفاحشة، فان فعلن فان
الله اذن لكم ان تعضلوهن وتهجرو
هن في المضاجع وتضربوهن ضربا
غير مبرح، فان انتهين واطعنكم
فعليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف،
وانما النساء عندكم عوان،
لا يملكن لانفسهن شيئا، اخذ
تموهن بامانة الله واستحللتم
فروجهن بكلمة الله فاتقوا
الله في النساء واستوصوا

اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں،
ان میں چار حرمت والے ہیں، تین پے درپے ہیں
یعنی ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک الگ ہے یعنی
رجب جو جمادی (الاخری) اور شعبان کے درمیان
ہے، آگاہ رہو میں نے بات پہنچا دی، اللہ تو گواہ ہے
لوگو سنو! تم کو عورتوں پر حقوق دیئے گئے ہیں،
اسی طرح تمھاری عورتوں کو تمھارے معاملہ میں بھی
حقوق دیئے گئے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ اپنی خوابگاہ
میں تمھارے سوا کسی اور کو نہ آنے دیں اور تمھاری
اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص کو گھر میں داخل کریں تم
جس کو ناپسند کرتے ہو۔ ان پر لازم ہے کہ بیحیائی
کا ارتکاب نہ کریں، اگر ان سے یہ قصور سرزد ہو جائے
تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم ان پر سختی
کرو، اور ان کو خوابگاہوں سے الگ کر دو اور ان
کو ایسی جسمانی سزا دے سکتے ہو جو بدن پر نشان
ڈالنے والی نہ ہو، اگر عورتیں ایسے کرتوت چھوڑ دیں
تو دستور کے مطابق تم ان کے کھانے کپڑے کا بھرپور
لحاظ رکھو، بیشک عورتیں تمھاری زیردست ہیں کسی
طرح وہ اپنے نفسوں کی مالک نہیں ہیں، تم نے
ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں
لیا ہے اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ ہی کے قانون
کے تحت اپنے تصرف میں لائے ہو، پس عورتوں کے
معاملے میں اللہ سے ڈرو؛

یهن خیراً؛

اور اچھے طریقے سے ان کی تربیت کرو! آگاہ

الا هل بلغت' اللهم اشهد!

رہو! کہ بات میں نے پہنچا دی! الٰہی تو گواہ رہنا؛

ایها الناس: انما المومنون اخوة ولا یحل لامری ومال اخیه الا عن طیب نفس منه الا هل بلغت' اللهم اشهد

اے لوگو! مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے! آگاہ رہو کہ بات میں نے پہنچا دی الٰہی تو بھی گواہ رہنا؛

فلا ترجعن بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض فانی قد ترکت فیکم ما ان اخذتم به لم تضلوا بعده 'کتاب الله' الا هل بلغت' اللهم اشهد

سنو! میرے بعد کہیں تم کافرانہ رنگ ڈھنگ اختیار نہ کر لینا اور ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگنا' آگاہ ہو کہ بات میں نے پہنچا دی اور اے اللہ تو گواہ رہنا!

ایها الناس: ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لادم وادم من تراب' اکرمکم عند الله اتقاکم لیس لعربی فضل علی عجمی الا بالتقویٰ؛

الا هل بلغت! اللهم اشهد

اے لوگو! تمہارا رب واحد ہے اور تم سب کے باپ بھی ایک (آدم) ہیں تم سب آدم سے پیدا ہوئے ہو اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے پیدا کیے گئے تھے، تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر سوائے پرہیزگاری کے اور کوئی برتری اور فضل نہیں ہے! آگاہ ہو کہ بات میں نے پہنچا دی! اے اللہ تو گواہ رہنا؛

فلیبلغ الشاهد منکم الغائب

اور جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ (تمام) باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں!

ایها الناس! ان الله قد قسم لکل وارث نصیبه من المیراث' ولا تجوز لوارث وصیة فی اکثر من الثلث' والولد للفراش وللعاهر الحجر' من ادعی

اے لوگو! اللہ نے میراث میں سے ہر وارث کے لئے (ثابت کردہ) حصہ مقرر کر دیا ہے اور مال سے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے، بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہے جس نے اپنے باپ کے بجائے دوسرے کو اپنا باپ قرار دیا یا

الی غیر ابیہ او تولی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل منہ صرف ولا عدل؛ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ!

جس غلام نے اپنے آقا کے سوا کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کیا تو ایسے شخص پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہے؛ قیامت کے دن کوئی بدلہ یا عوض قبول نہیں ہوگا۔ تم سب پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو اور رحمتیں نازل ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ کا وہ خطبہ جو ۹ ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں انسانی فلاح کیلئے حضور نے ارشاد فرمایا، آپ کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے اس خطبہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کے جس جس پہلو کو حکیمانہ انداز میں پیش کیا ہے اس کو بہت ہی مختصر پیش کرتے ہوئے میں اپنے اصل موضوع کے کچھ نکات پیش کروں گا یعنی اس خطبہ حج الوداع کی فصاحت و بلاغت کے نکات آپ کے سامنے بیان کروں گا۔

آپ اچھی طرح باخبر ہیں کہ معاشرے اور تمدن کا اصل اور مرکزی نقطہ "تدبیر منزل" ہے جس کے ارکان صاحب منزل، اس کی شریک حیات (زوجہ) اس کی اولاد اور اس کے معاونین امور خانہ داری یعنی ملازمین (غلام اور کنیزیں) ہیں لیکن ایک صالح معاشرہ کے لئے تدبیر منزل ہو یا تہذیب اخلاق، سیاست مدن ہو یا اجتماعی زندگی، اسلام نے ان سب کے لئے اقرار توحید کو لازمی قرار دیا ہے اس کے بغیر حیات انسانی کی کوئی تشکیل ہو یا اس کا کوئی انتظامی دائرہ ہو وہ ہیچ و پوچ ہے اس لئے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عظیم خطبہ اور لافانی منشور کو اسی نکتہ اقرار توحید سے شروع فرمایا اور ارشاد کیا:

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونتوب الیہ ونعوذ بہ ومن شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ: اوصیکم الخ

اس تمہید کے بعد جو اقرار الوہیت اور شہادت وحدانیت و رسالت پر مبنی ہے۔ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ الٰہی کی وصیت فرمائی؛ تقویٰ پرہیزگاری ہے جو خوف الٰہی کے بغیر سرانجام نہیں پاتی۔ تقویٰ کے معنی ہی خوف کے ہیں اور خوف اس کے سوا کس کا ہو سکتا ہے جو خالقِ کائنات ہے، نفوس کا مالک ہے، روزِ جزا کا حاکم ہے؛ اس کی اطاعت اور فرمانپذیری ہی اس کی حاکمیت علی الاطلاق کا اعتراف ہے، چنانچہ آپ نے بندگی اور طاعت الٰہی کی بجا آوری پر زور دیا اور فرمایا احثکم علی طاعتہٖ پھر اس خطبہ رفیع الشان کے ابلاغ کی طرف متوجہ فرمایا بقول حضرت نعیم صدیقی صاحب؛

محسن انسانیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ نبوت صفات سمجھ
رہی تھی کہ جماعت سے خطاب کا یہ آخری موقعہ ہے اس لئے گویا
الوداعی وصیتیں فرمائیں ؛

اس کے بعد اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ میری نصیحتیں میری ہی زبان سے سننے کا یہ آخری موقع ہے کیونکہ آئندہ سال میں تم سے اس مقام پر نہیں مل سکوں گا اس میں اس امر کی طرف کنایہ تھا کہ یہ میری حیات ظاہری کا آخری سال ہے جس کی توثیق اس حج کے موقع پر وحی الٰہی سے بھی ہوگئی اور یہ آخری وحی نازل ہوئی:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام جاہلیت، خانہ جنگی، باہمی جدال و قتال کی سختی سے ممانعت فرمائی اور ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام فرما دیا کہ ان لڑائیوں اور قتل و خونریزی سے صالح معاشرے کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور اس سلسلہ میں عامۃ المسلمین کو سزائے الٰہی سے ڈرایا اور ایک حسین اور دلپذیر تمثیل سے اس کی حرمت کو واضح فرمایا جو بلاغت کی ایک شان ہے؛ ادائیگی امانت کی تاکید فرمائی کہ اگر اس میں خلل واقع ہوتا ہے تو یہ امر بھی جدال و قتال کا موجب بنجاتا ہے اور یہ بہت سی برائیوں اور خرابیوں کی اصل ہے اور آج تک اس حکم کی سرتابی کے نتائج آئے دن مشاہدے سے گزرتے رہتے ہیں، دورِ جاہلیت میں قبائلی صورت میں جو خون خرابے ہو چکے تھے اس کے اثرات

عرب کی معاشرت پر ہنوز باقی تھے۔ تمدن عرب میں اس سے بھی اختلال پیدا ہوتا تھا چنانچہ آپؐ نے اس سرچشمہ کو بھی بند فرما دیا؛ قتل عمد اور شبہ قتل کی دیت کے حکم کی یاد دہانی فرمادی دیت اور قصاص کے احکام الٰہی موجود تھے ان کا اعادہ فرما دیا تاکہ معاشرہ میں صلاح و فلاح پیدا ہو! بت پرستی کا تو کلیتہً سدباب ہوچکا تھا لیکن نفس امارہ کی سرکشی بعض نفوس میں اب بھی باقی تھی اس کو ایک لطیف اور بلیغ پیرایہ بیان میں اس طرح فرما دیا کہ:-

"شیطان اس پر بھی خوش ہوگا کہ اس کی عبادت کے علاوہ تم دوسرے گناہوں میں اس کی اطاعت کرو۔"

نسئ، لوند کے پہیئے کا چکر جو بت پرستوں نے چلا رکھا تھا اور اس کو حرام قرار دیا جا چکا تھا اس کی حرمت کی پھر آپؐ نے تائید فرمائی اور اپنے ارشاد کی تاکید سے اس کو موکد فرمایا اور ایک نہایت ہی بلیغانہ انداز اس کے اظہار کے لئے اختیار فرمایا یعنی:-

وان الزمان قد استدار کھیئۃ یعد خلق اللہ السموات والارض

عائلی قوانین کی طرف خاص طور پر آپؐ نے توجہ فرمائی! زوجین کے حقوق کی تاکید فرمائی خواتین کو پارسائی کا عظیم درس دیا۔ اور اس سلسلہ میں منائی عصمت امور کی وضاحت فرمادی اور اس صورت میں ان کی اصلاح کا حق مردوں کو تفویض فرما دیا لیکن اعتدال کی حد تک! عورتوں کے حقوقِ زوجیت، ان کے نان نفقہ کی ادائیگی پر خاص طور سے تاکید فرمائی اسلامی مساوات کا درس جب بھی کوئی ایسا موقع آیا آپؐ نے دیا، اس آخری اجتماع میں بھی اس درس کا اعادہ فرمایا جس پر وحدت ملی کی اساس قائم ہے، ترک اخوت کو سختی سے منع فرمایا؛ تدبیر منزل یا منزل اصلاح و فلاح میں وراثت اور ترکہ کو بھی بہت بڑا دخل حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرنے والے ان قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج آئے دن بھگتتے رہتے ہیں؛ وصیت کے بارے میں وضاحت فرمادی کہ یہ ایک ثلث مال سے زیادہ میں نہ کی جائے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم کے بتائے ہوئے حصص ہی ایک وارث کا مالِ متوفی سے حق ہے، اس میں کمی زیادتی بنائے فساد ہے اس لئے اس پر سختی سے عمل پیرا رہو تاکہ منزل زندگی میں بگاڑ نہ پیدا ہو!

آپؐ نے آگاہ فرما دیا کہ اگر احکام قرآنی پر ا اور ان کی تفصیل کے لئے سنت نبویؐ پر، اگر کاربند ہو گئے تو کبھی راست سے نہ ہٹو گے؛ مسلمان کی من الحیث القوم درماندگی اور زبوں حالی اس لئے ہے کہ اللہ کی کتاب سے اس نے تمسک چھوڑ دیا، جب تک وہ سختی اور مضبوطی سے اس کو پکڑے رہے سربلند سے سربلند ہوتے چلے گئے ؎

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

جناب محترم نعیم صدیقی صاحب نے اس خطبہ کے سلسلہ میں کس قدر جامع بات کہی ہے. فرماتے ہیں :-

"جب کبھی بھی اور جہاں کہیں بھی اسلامی تحریک چلے گی اور نظام حق استوار ہو گا، اس کی بنیادیں بہرحال اُن ہی اٹل نظریات پر رکھی جائیں گی جو منشور اسلام کا بنیادی منشور ہے اور اس کی طرف انسانیت کو بلایا جا سکتا ہے۔"

(محسن انسانیت)

خطبہ حجۃ الوداع اور کمال فصاحت و بلاغت

معنوی حیثیت سے اس گرامی خطبہ میں جو ہمہ گیری اور جامعیت ہے اس کی وضاحت میں بہت ہی اختصار سے لکھا گیا ہے، ان کلمات بصیرت آگیں میں جو حقائق پنہاں ہیں ان کی تفصیلات تاریخ جاہلیت اور تاریخ اسلام کے صفحات پر ثبت ہیں، اگر آپؐ کے کلمات گرامی کی وضاحت میں ان حقائق کو بیان کیا جائے تو یہ خطبۂ گرامی ایک عبرت اثر اور بصیرت افروز کتاب بن جائے ؛ پھر اس دستور عالمگیر میں جو کمال فصاحت و بلاغت پنہاں ہے ان کی خوبیوں پر کیا لکھا جائے، قلم شکستہ زباں ہے وہ ان کو معرض تحریر میں کیسے لائے، فکر سربہ داماں ہے کہ اس سلسلہ میں کیا کہے، ناطقہ حیراں ہے کہ کس طرح ان کی توضیح کرے۔ جن مصنفین کرام نے عصر قدیم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت پر قلم اٹھایا ہے انھوں نے آپ کے گرامی خطبات کو بھی موضوع سخن بنایا ہے، یہ بندۂ عاجز درماں

شمس بھی حصولِ سعادت کے لئے اس سلسلہ میں کچھ رقم کر رہا ہے۔ گویا خورشید کو آئینہ دکھا رہا ہے اس طرح آئینہ کی عزت بڑھ جائے گی۔

اس گرامی خطبہ میں جو حمد و ثنا ہے ان کے الفاظ کا حسن تالیف اس قدر استوار ہے کہ کسی لفظ کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹایا جا سکتا، اولاً تو بیشتر الفاظ تو قرآن حکیم کی آیات کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں جو ایسے حقیقت ترجمان ہیں کہ آج بھی خطبات و ادعیہ میں بطور تمہید استعمال کئے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ جو الفاظ حضور علیہ التحیۃ والثنا نے ارشاد کئے ہیں ان میں باہمی ربط اور حسن تالیف بحد کمال موجود ہے۔

اوصیکم بتقوی اللہ، رسالت کا مدار اور فرض پیغمبری کی اساس یہی تو ہے اور نبوت کا نقطۂ آغاز یہیں سے تو ہوتا ہے کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی قہاری و جباری سے ڈرایا جائے تاکہ فطرت کی کجی راستی سے بدل جائے اللہ تعالیٰ نے جس پیغمبر کو بھی مبعوث فرمایا اس نے بشارت و انذار سے اپنی تبلیغ کا آغاز کیا! تقوی اللہ ایسا جامع کلمہ ہے کہ بشارت بھی ہے اور انذار بھی! خداوند تعالیٰ کے احکام کی قبولیت اور اس پر عمل پیرا ہونے میں بشارت ہی بشارت ہے اور سرتابی میں جس کو نادان انسان بہت آسان سی بات سمجھتا ہے' انذار کی پرہیبت اور بدمآل دنیا آباد ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی "فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا" کا جو مستدل ہے اور اس آئینہ امروز میں جو حال فردا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منظر آرہا تھا وہ علمائے عالم تکن تعلم کی ایک دل پذیر تفسیر ہے جب ہی تو ہمارے محترم نعیم صدیقی صاحب مصنف "محسن انسانیت" نے حج الوداع کے خطبہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

> "حضور کی فراست نبوت سمجھ رہی تھی کہ جماعت سے خطاب کا یہ آخری موقع ہے اس لئے گویا الوداعی وصیتیں فرمائیں۔"

اس مختصر سے جملے میں کمال بلاغت سے ایک پیش آنے والے واقعہ کی طرف بلیغ کنایہ فرما دیا ہے جو جانِ بلاغت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ سلسلہ ردّ امانات

یہ ارشاد کس قدر بلیغ ہے، "ان ربا الجاھلیۃ موضوع" اس مختصر سے جملے میں سودی اضافی رقم کا بطلان کس قدر جامعیت کے ساتھ فرما دیا ہے۔ اسی طرح اس ارشاد گرامی وان ربا الجاھیلہ موضوع" میں چند الفاظ کا حسن تالیف کے بارے میں کیا کہا جائے سبحان اللہ، سبحان اللہ!

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی:-

"کان الشیطان قد یئس ان یعبد بارضکم ھٰذا ولکنہ قد رضی ان یطاع فیما سوی ذلک مما تحقرون من اعمالکم فاحذروہ علیٰ دینکم"

جیسا کہ آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فصاحت بلاغت سے جوامع الکلم کی صفت سے متصف فرمایا تھا اور میں اس کی چند مثالیں پیش کر چکا ہوں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی جوامع الکلم کی ایک بہترین مثال ہے جس میں تبلیغ نبوت کے کامیاب اثرات، توحید الٰہی کا بول بالا، سرزمین حجاز میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے غلغلے اور اس کے ذکر نے شیطان کو مایوس کر دیا کہ اب سرزمین عرب پر اس کی پرستش نہیں ہوگی۔ اسی کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی فرما دیا کہ شیطانی وسوسوں سے بچو۔ ان تمام تعلیمات کو چند کلمات میں سمو دیا ہے۔ یہی اعجاز بلاغت ہے، اسی طرح ایک اور ارشاد گرامی ہے:- وان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق السموات والارض!

اس مختصر سے ارشاد گرامی نے مابعد الطبعیات کے اہم مسئلہ زماں کو حل فرما دیا ہے، زماں اور اس کی گردش اور نسی کے نظم اور حسب منشا سال کے مہینوں میں کمی اور اضافہ کو باطل کر دیا ہے گویا جاہلیت کی اس فریب کاری کے پردے کو چاک فرما دیا جس کے ذریعہ کفار جس ماہ کو چاہتے شہر حرام قرار دیتے اور جس ماہ کو چاہتے "اشہر حرام" سے خارج کر دیتے تھے یہی باعث تھا کہ عصر جاہلیت میں کوئی تقویم عرب مرتب نہ کر سکے اور نہ کوئی تقویم ان میں رواج پا سکی ان کے یہاں سنین کا تعین، عصر جاہلیت کی خانہ جنگیاں ہی تھیں اور کسی نہ کسی مشہور جنگ سے وہ اپنا سال شروع کر دیتے تھے! حضور اکرمؐ نے ہجرت کے بعد اس تمدنی الجھن کو دور فرما دیا اور سنہ ہجری کو رائج کر دیا،

آپؐ کے اس ارشاد گرامی پر تعمق کی نگاہ ڈالئے :۔

"منها اربعۃ حرم، ثلاث متواليات وواحد فرد، ذو القعدہ وذو الحجۃ والمحرم، ورجب الذی بین جمادی وشعبان"

کسقدر زور تالیف ہے اس جملے میں اور ہر ایک لفظ ایسا برمحل اور پُرمعنی ہے کہ اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں رکھا جا سکتا؛ عائلی خوشگوار زندگی، معاشرتی زندگی کا ایک اہم رکن ہے، ایک صالح معاشرہ کے لئے اس کی بڑی ضرورت ہے، تدبیر منزل میں اگر اختلال پیدا ہو جائے تو معاشرے میں ایسا فتور پیدا ہو جاتا ہے جس کے ریشے دور تک پھیلتے چلے جاتے ہیں اور یہ فساد سارے معاشرے کے سکون کو تہ وبالا کر دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرتی عدل قائم فرمایا اس میں حقوق باہمی کی ابتدا ان ہی حقوق سے فرمائی جن کو حقوق زوجین سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ اس حکمت اور اس وسیع مفہوم اور صالح معاشرے کی اس اہم ضرورت کو آپؐ نے ان چند الفاظ میں ادا فرما دیا :۔

ایها الناس ان نسائکم علیکم حقا

اس قولِ بلیغ کی صراحت آپ کی متعدد احادیث مبارکہ میں موجود ہے، طلاق، ایلا اور اظہار کے تمام مسائل ان حقوق سے مربوط اور منسلک ہیں جو احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کلیاتِ قرآن کی توضیح اور تشریح کے طور پر موجود ہیں؛

پھر مرد کی حمیت کے ان تمام تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو معاشرے میں فساد ہی نہیں بلکہ خونریزی کا باعث بن جاتے ہیں یہ ارشاد فرمایا کہ :۔

ولکم علیهن حق ان لا یوطئن فرشکم غیرکم

اس بلاغت کے قربان جائیے کہ چند الفاظ میں معاشرے کو گہرا زخم پہنچانے والے اور مرد کے جذبۂ حمیت کی غضبناکی کو حد تک پہنچانے والے دروازے ہی کو بند فرما دیا اور عورتوں پر مردوں کا یہ خاص حق قرار دیا کہ :۔

ولکم علیهن ان لا یوطئن فرشکم غیرکم

اس حکیمانہ اور بلیغانہ جملے میں صرف "یوطئن فرشکم" کی جامعیت کیا بیان کی جائے

آپ اپنا جواب ہے؛ اور کمال بلاغت کی دلیل !

"ولا یاتین بفاحشۃ مبینۃ"

ایک پرزور نصیحت، پیغمبرانہ شان لئے ہوئے ایک جامع نہی؛ جس پر عمل پیرا ہوکر عورت اپنی عائلی زندگی کو خوشگوار بنا سکتی ہے، اس جملے میں بھی سہل ممتنع کا رنگ ہے۔ فصاحت اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے! بحیثیت مجموعی شوہروں کو بیویوں کے حقوق از قسم نان نفقہ سے بھی آگاہ کر دیا گیا تاکہ منزلی زندگی میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور بیوی تنگدستی، فقر و فاقہ کا شکار نہ ہو کہ اس کے سبب سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور مرد کی حمیت پر حرف آتا ہے!

"واستحللتم فروجھن بکلمات اللہ"

نکاح اور ایجاب و قبول کی کس قدر پیاری تعبیر ہے اور حقیقت کی کس درجہ اس میں عکاسی کی گئی ہے! اس سلسلہ کی آخری کڑی اور عائلی زندگی کی کامیابی کا ایک لائحہ عمل یہ ارشاد فرما کر تجویز کر دیا ہے:۔

فاتقوا اللہ فی النساء واستوصوا بھن خیراً

اس جامع کلمہ کا حسن تالیف، سبحان اللہ! سبحان اللہ!! کس قدر انسجام اور اور سلامت بیان سے مالامال ہے اور کیوں نہ ہو کہ صاحب قرآن کا بیان ہے جو احکام الٰہی کی جامع تفسیر ہے۔ الغرض یہ تمام و کمال خطبۂ گرامی سلاست بیان، حسن تالیف، برمحل الفاظ کے حسین اور دل پذیر انتخاب سے بلاغت کا ایک شاہکار ہے: اس گرامی خطبہ کے کون کون سے کلمات کو پیش کروں، جب کہ ع

"کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدوں کی فصاحت وبلاغت

منشور مدینہ

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت وبلاغت کے سلسلے میں آپ کے ارشادات والا
جوامع الکلم" آپ کے مکتوبات گرامی اور آپ کے خطبات میں سے چند خطبات اور کچھ مکتوبات پیش
کرچکا ہوں اور بقدر فہم و دانش ان کی فصاحت وبلاغت کا اظہار کیا ہے، آپ کے خطباتِ گرامی
وسیع مجموعہ اس قدر ہے کہ اگر تمام خطبات کو میں پیش کرتا تو اس کتاب کی ضخامت ایک سو صفحے
اور بڑھ جاتی لیکن اس تالیف سے مجھے صرف نظر اس لئے کرنا پڑا کہ یہ خطبات گرامی متعدد کتب میں
میں موجود ہیں، اسی سال نقوش کے رسول نمبر کی جلد نمبر ۸ میں جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے
خطبات مع تراجم آپ کے مطالعہ کے لئے تالیف کردیئے ہیں، اس سے قبل متعدد علماء نے
اس اہم کام کو انجام دیا ہے اس لئے میں نے ان خطبات کو جمع نہیں کیا۔

اب میں آپ کے معاہدوں میں سے سب سے اہم معاہدے سے جو "منشور مدینہ" کے نام سے
مشہور و معروف ہے، چند شہ پاروں کو پیش کررہا ہوں، یہ منشور مدینہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے اہم معاہدوں میں شمار ہوتا ہے، میں اس معاہدے کے ان پہلوؤں کو نمایاں نہیں کروں
جن کا تعلق تاسیس ریاست اسلامیہ اور ایک ہمہ گیر امن وامان کے نظام سے ہے، اس سلسلے
میں علامہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے حقیقت نگار قلم نے نظام حکمرانی کے سلسلے میں بڑی تحقیق
شرح وبسط سے لکھا ہے جو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام حکمرانی پر اردو میں ایک
بہت ہی جامع کتاب ہے لیکن اس موضوع کا تعلق، صاحب قرآن کی فصاحت وبلاغت سے
نہیں ہے، صرف اتنا ہی عرض کروں گا کہ قربان جائیے اس تدبر اور حکمت نبوی صلی اللہ علیہ
وسلم کے کہ اس منشور مدینہ کے ذریعہ فراستِ نبوت نے وہ دوررس نتائج پیدا فرمائے ہیں جو
کی ایک نوزائیدہ ریاست اسلامیہ کو اپنے استحکام ہی میں نہیں بلکہ تبلیغی پہلوؤں کی تکمیل

اوران کے ہمہ گیرانہ اثرات کو زیادہ سے زیادہ نتیجہ آفریں بنانے میں سخت ضرورت تھی !

جیسا کہ میں ابھی عرض کرچکا ہوں "منشورِ مدینہ" کے سیاسی پہلوؤں اور فراستِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دُور رسی اور دور بینی کے سلسلے میں اصحابِ سیر نے بہت کچھ لکھا ہے اور انھوں نے سیرتِ طیبہ میں اس معاہدے کے تمام وکمال متن کو پیش کرکے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بعض حضرات نے اس کا سرسری طور پر ذکر کردیا ہے جب کہ بعض سیرت نگاروں نے اس طرف قطعاً توجہ مبذول نہیں کی ہے اور صرف صلح نامہ حدیبیہ کا ذکر کیا ہے جو بباطن ایک "فتح مبین" تھی اور جو بظاہر مسلمانوں کے لئے ایک غم آفریں معاہدہ تھا۔

"منشورِ مدینہ" حقیقت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کا ایک عظیم کارنامہ ہے، ہر چند کہ اس "منشورِ مدینہ" میں یثرب کے ایک طاقتور طبقہ یعنی یہود کو بھی شامل کیا گیا ہے اور اس وقت تک مسلمان باسرو سامانی، اجتماعی طاقت اور قوت و شکوہ کی اس منزل پر نہیں پہنچے تھے کہ ان کی قوت و سطوت اور اجتماعی ہیئت کا طمطراق، طاقتور اور باثروت یہودیوں کو مرعوب کرسکے لیکن سرکارِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ صافی پر اُمتِ مسلمہ کی صلاح وفلاح منکشف تھی اور "وعلمك مالم تكن تعلم" کے خزینہ دار سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدے کے مآل کامرانی سے بخوبی واقف تھے، چنانچہ افرادی طاقت اور اجتماعی ہیئت کی مرعوب کن تشکیل اور تاسیس کے بغیر اس معاہدے میں مسلمانوں کی طرف سے لچک اور مرعوبیت کا اظہار از اول تا آخر مفقود ہے؛ یہودیوں سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ کھل کر کہا گیا ہے کہ منصبِ رسالت اس کا مقتضی تھا کہ کوئی بات مبہم انداز میں نہ کہی جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منشورِ مدینہ کو دو اہم لفظوں سے معنون کیا ہے! منشورِ گرامی کے متن میں آپ نے ایک جگہ اس کو "صحیفہ" کا عنوان دیا ہے اور اس منشور کے ابتدائیہ میں اس کو "کتاب" فرمایا ہے۔ چنانچہ اس صحیفہ گرامی کا آغاز اس طرح ہوتا ہے!

بسم الله الرحمٰن الرحيم

هٰذا الكتاب من محمّد النبيّ، بين المومنين والمسلمين من قريش و يثرب الخ

متن میں ایک جگہ بجائے کتاب کے لفظ "صحیفہ" استعمال ہوا ہے :۔

"وَاِنَّ بینہم النصر علیٰ من حارب اھل ھٰذہ الصحیفۃ"

اس صحیفہ گرامی کو اکثر سیرت نگاروں نے "منشورِ مدینہ" یا "دستور" بھی تحریر کیا ہے، اس صحیفۂ گرامی کے مکمل متن کو سیرت ابن ہشام میں پیش کیا گیا ہے؛ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" میں بجائے متن کے اس کا ترجمہ پیش کیا ہے اور ہر ایک شق پر سیر حاصل بحث کی ہے، عصر حاضر کے محقق یعنی ڈاکٹر نثار احمد صاحب نے اپنے بلند پایہ مقالے "عہد نبوی میں ریاست کا نشوو نما" میں اس صحیفۂ گرامی کا متن مع ترجمہ پیش فرمایا ہے اور بڑے محققانہ انداز میں اس پر بحث کی ہے، یہ اس موضوع پر ایک گرانقدر کتاب ہے جو نقوش کے رسول نمبر جلد پنجم میں شامل ہے جس کو میں نے مقالہ یا مضمون سے تعبیر کیا ہے (چونکہ وہ ایک مجلہ میں شامل ہے)

میں اس صحیفۂ گرامی سے چند نثر پارے پیش کر رہا ہوں اور ان کی فصاحت و بلاغت کے بارے میں کچھ عرض کروں گا کہ یہی میرا موضوع ہے، تفصیلی مطالعہ کے لئے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اور ڈاکٹر نثار احمد صاحب کی علمی اور تحقیقی کاوشیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے ملاحظہ کیجئے آپ یقیناً محظوظ ہوں گے!

اس صحیفہ گرامی کی ابتدا ہی میں یہ الفاظ موجود ہیں :۔

اِنَّھُمْ اُمَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ ؎	یہ (اطاعت گزار اور ایماندار اہل قریش اور اہل مدینہ) دوسروں کے مقابلہ میں ایک اُمّتِ واحدہ ہیں ؎

ان مکی اور یثربی مسلمانوں (مہاجرین و انصار) کو اُمّتاً واحدۃ فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بسیط مفہوم کو واضح کر دیا ہے جس کے اظہار کے لئے ایک طویل کلام ضرورت ہوتی، اس مختصر جملے میں وہ درسِ اخوت پنہاں ہے جو اسلامی تعلیمات کی اساس علاوہ ازیں ایک تنبیہہ و تہدید بھی دوسروں کے لئے موجود ہے کہ غیر مسلم کسی ایک مسلمان (فرد) کو یکہ و تنہا نہ سمجھیں اور اس کو ایک فرد سمجھ کر اس کی ایذا رسانی کے درپے نہ ہو کہ وہ ایک فرد مومن حقیقت میں پوری ایک اُمّتِ مسلمہ ہے، ان کو یہ بتا دیا کہ ؎

جو عضوے بدرد آورد روزگار　　دگر عضوہا را نماند قرار

علاوہ ازیں مسلمانوں کے رشتہ اتحاد و اخوت پر بھی اس سے روشنی پڑتی ہے، جس سے کلام کی فصاحت کا جوہر نمایاں ہے' اُمۃ واحدۃ من دون الناس کا حُسنِ ترکیب اور جملہ کی سلاست سبحان اللہ سبحان اللہ!

آپ اِن ہی اوراق میں عہد جاہلیت کی تاریخ میں پڑھ چکے ہیں کہ تسفک دم، قتل و خونریزی، عصر جاہلیت میں ایک معمولی سی بات تھی "جنگ بسوس" جس کا سلسلہ ایک طویل مدت تک جاری رہا' ایک ضعیفہ کی اونٹنی کے قتل پر برپا ہوئی تھی' پھر اس طویل جنگ نے ہزاروں گھر اجاڑ کر رکھ دیئے، گویا جنگ وجدال ان عربوں کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ابتدائے حال میں جوشِ انتقام اور غضب کا یہ جذبہ کلیتہً فرد نہیں ہوا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "منشور مدینہ" میں عربوں کی اس جنگجویانہ فطرت کی بے اعتدالیوں کو خاص طور سے اعتدال پر لانے کے لئے اس صحیفۂ گرامی کی متعدد شقوں میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور اس کا خصوصی اظہار فرمایا، مدینہ منورہ کے تمام قبائل کو نام بنام اس طرف متوجہ فرمایا میں یہاں صرف ایک نثر پارہ پیش کر رہا ہوں :۔

المھاجرین من قریشٍ علیٰ	مہاجرین قریش حسب دستور سابق خونبہا
رِبعتہم یتعاقلون بینہم	ادا کیا کریں گے اور اپنے اسیروں کا فدیہ
وھم یفدون عانیہم بالمعروف	ادا کیا کریں گے تاکہ ایمان والوں میں
والقسط بین المومنین!	نیکی اور انصاف قائم رہے!

مذکورہ بالا شق میں "علیٰ ربعتہم یتعاقلون بینہم وھم یفدون عانیہم بالمعروف" کا حسن تالیف، برمحل اور موزوں الفاظ کی جامعیت اور ان کی تالیف میں بڑا زور ہے۔ چند الفاظ میں کمال ایجاز کے ساتھ ایک بہت ہی بسیط مفہوم و مضمون کو ادا کر دیا ہے یعنی عرب جاہلیت اور "ایام الجاہلیۃ فی العرب" کی تاریخ ان چند الفاظ میں سمو دی گئی ہے' یہی آپ کے کلام کا اعجاز ہے!

اس منشور مدینہ کے ایک اور شہ پارہ پر غور فرمایئے' ارشاد ہوتا ہے :۔

وانّ المومنین المتقین علیٰ من بغیٰ منھم اوا بتغیٰ وسیعۃ ظلمٍ او اثمٍ او عدوانٍ اوفسادٍ بین المؤمنین وانّ ایدیھم علیہ جمیعًا ولو کانَ ولد احدھم ؛	پرہیزگار اور ایماندار لوگ ہر اس شخص کی مخالفت پر آمادہ رہیں گے جو ان میں سے سرکشی اختیار کرے جو کسی ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرے یا مومنین کے مابین فساد برپا کرے، اس پر ان سب کے ہاتھ (مخالفت پر) ایک ساتھ اٹھیں گے (ہر ایک اس کی مخالفت کریگا) خواہ وہ ظالم یا فسادی ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو؛

اس ارشاد میں وانّ ایدیھم علیہ جمیعًا کی فصاحت اور ایجاز سے آراستہ و پیراستہ ترکیب پر غور کیجئے چار لفظوں میں کمال ایجاز کے ساتھ کتنے وسیع مفہوم کو بیان فرمایا اور ان کلمات کا حسن تالیف اور بندش کی چستی آپ کی فصاحت کا خاصہ ہے، آپ مکتوبات گرامی اور احادیث مبارکہ میں اس وصف خاص کو مطالعہ کر چکے ہیں؛

ایک اور نثر پارے میں یہ کلمات بلاغت آگیں موجود ہیں؛

وَانّہ لا یجیر مُشرکٌ مالاً لقریشٍ ولا نفسًا ولا یحول دُونہٗ علیٰ مؤمنٍ ؛	اور تاکید کی جاتی ہے کہ کوئی مشرک (مدینہ کا رہنے والا) قریش کے مال یا اس کی جان کو پناہ نہیں دیگا اور نہ کسی ایمان والے کے لئے اس سلسلہ میں رکاوٹ بنے گا؛

آپ نے ملاحظہ کیا کہ "لا یجیر مشرکٌ مالا لقریشٍ وَلا نفسًا" کے جملے میں چند الفاظ ہیں اور مفہوم و معانی کی ایک دنیا اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں، ہر لفظ اپنی جگہ فصیح ہے اور ان فصیح الفاظ سے جو جملہ مرتب ہوا ہے اس میں نہ کوئی خلا ہے اور نہ ضعف تالیف ہے، سلاست اور روانی سے مالا مال ہے؛

میں یہاں اس صحیفۂ مبارکہ کی چند سطور اور پیش کرتا ہوں، اس میں ترغیب و ترہیب

دونوں موجود ہیں پھر الفاظ کا حسنِ در و بست ہے جو حسنِ کلام کے لئے لازم ہیں اور فصاحت کا جزو لاینفک! ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَ انّہٗ لایحلُّ لمؤمنٍ اقرّ	اور کسی مومن کے لئے جو اس صحیفہ یا
بما فی ھٰذہ الصحیفۃِ	دستاویز کے مندرجہ امور کا اقرار کر چکا
وامن باللّٰہِ والیوم الاٰخرِ	ہے اور خداوند تعالیٰ اور یوم آخرت پر
ان ینصر محدثاً ولایؤویہ	ایمان لا چکا ہے، یہ روا نہیں ہوگا کہ کسی
و انّ من نصرہٗ او	فتنہ انگیز کی مدد کرے یا اس کو اپنی پناہ
اواہ فانّ علیہ لعنۃ اللّٰہ	دے، تو جو کوئی ایسے شخص کو پناہ دے گا
وغضبہٗ یوم القیامۃ	قیامت کے دن خدا کی لعنت اور اس کے
ولایؤخذ منہ صرفٌ	غضب کا سزاوار ٹھہرے گا اور اس کا
ولاعدلٌ ؛	کوئی فدیہ یا عذر قبول نہیں ہوگا؛

صرفٌ ولاعدلٌ کا فدیہ اور عذر کے لئے برمحل استعمال اور ان دو کلمات کے انسجام و سلاست پر غور کیجئے! ینصرُ محدثاً، فتنہ انگیز شخص سے تعاون اور اس کی مددگاری کے لئے صرف دو لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں جن کی فصاحت شک و شبہ سے بالاتر ہے، یہاں اس سیاسی تدبر کے بارے میں کیا تحریر کروں جو اس شق میں جلوہ فرما ہے!

میں نے یہاں اس منشور مدینہ سے یہ چند اقتباسات پیش کر دیئے ہیں اور ان کی فصاحت کے سلسلے میں کچھ کلمات تحریر کئے ہیں، یہ "منشور مدینہ" یا "صحیفہ" کتب سیرت میں عام طور پر سیرت نگاروں نے پیش نہیں کیا ہے، اس کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا، قدیم ترین سیرت نگار ابن اسحاق اور ان سے ابن ہشام نے اپنی سیرہ میں نقل کیا ہے۔ سیرت طیبہ کی بعض قدیم کتب میں بھی اس کا حوالہ موجود ہے؛

اب میں ایک اور شہ پارہ اس صحیفہ کا پیش کرتا ہوں:۔

وانّ سِلْمَ المومنین	ایمانداروں (مومنین) کی صلح بس ایک
واحدۃٌ لایسالم مومنٌ	بار ہوگی، قتال فی سبیل اللہ (جہاد) ہو

دون مومن فی قتال — تو اس موقع پر کوئی مومن دوسرے مومن
فی سبیل اللہ الا علیٰ — کو نظر انداز کر کے دشمن سے صلح نہیں
سواءٍ وعدلٍ؛ — کرے گا، جب تک یہ صلح ہر فرد کے لئے
مساوی نہ ہو؛

مذکورہ بالا نثر پارے میں جس کو معاہدے یا دستور کے اعتبار سے "شق یا دفعہ" بھی کہا جا سکتا ہے، اختصار اور ایجاز کو ملاحظہ کیجئے، چند الفاظ ہیں اور معنی کے اعتبار سے اس قدر جامع! یہی وصف جوامع الکلم کا خاصہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا ایک اہم نکتہ ہے۔ لا یسالم مؤمن دون مومن فی قتال فی سبیل اللہ؛ میں ایک درسِ اخوت پنہاں ہے جو اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے اور ایک جملہ میں دو خوبیاں موجود ہیں یعنی حسنِ تالیف اور کمال ایجاز؛

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعدد ارشادات میں روح مساوات کی گرانمائیگی اور ارزش کے اظہار کے لئے مسلمان فردِ واحد کی صلح کو اور اس کی پناہ کو تمام مسلمانوں کی طرف سے پناہ، امان اور صلح قرار دیا ہے لیکن اس صحیفہ میں الاعلیٰ سواء وعدل بینھم سے مشروط فرما کر ایسی صلح کے امکان کو ختم کر دیا ہے جس میں جنبہ داری کا شائبہ یا وہ سب کے لئے مساوی طور پر قابل قبول نہ ہو؛ اس میں فراست نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال جلوہ فرما ہے کیونکہ یہی مقتضائے حال تھا اور فصاحت کے لئے، مقتضائے حال عین بلاغت ہے۔ علامہ قزوینی صاحبِ مطول کہتے ہیں:۔

"والبلاغۃ فی الکلام مطابقتہ الحال المراد
بالحال الامر الداعی الی التکلم علیٰ وجہ المخصوص ...
مثلاً کون المخاطب منکر الحکم حال یقتضی لتاکیداً"

یعنی مقتضائے حال کی مطابقت، کلام کی بلاغت ہے۔ حال سے مراد وہ امر ہے جو کلام میں کسی مخصوص وجہ پر اس کا داعی ہو مثلاً اگر مخاطب حکم کا منکر ہو تو اس صورت میں حال تاکید کا متقاضی ہے، یہی بلاغت ہے؛

میں اس گرامی منشور یا صحیفہ سے ایک جملہ اور پیش کروں گا جو صرف چند الفاظ پر مشتمل ہے، وہ جملہ یہ ہے!

"وانّ بینهم النصر علیٰ من دهم یثرب"

اور ان فریقوں پر جن کے درمیان یہ معاہدہ ہوا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرنا لازم ہے (اگر کوئی قوم یثرب پہ حملہ آور ہو تو یہودی اور مسلمان اس معاہدے کی رو سے ایک دوسرے کی مدد کریں گے)؛

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی مخالف قوتوں خصوصاً قریش کی چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے؛ یثرب کے یہودی ایک طاقتور گروہ تھا اس لئے مقتضائے حال کے پیش نظر "صحیفہ گرامی" میں اس شق کو شامل کیا گیا؛ صرف چار پانچ الفاظ ہیں جن میں فراستِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آئندہ کے خطرات کے پیش نظر اس "شق" کو معاہدے میں شامل فرمایا؛

نبوی فراست اور کمالِ دانشوری اس صحیفہ گرامی میں از اوّل تا آخر ظاہر و باہر ہے؛ ہر شق اور ہر شق کا ہر ایک جملہ فصاحت سے مالا مال ہے، نہ کہیں ضعف تالیف ہے اور نہ تعقید ہے۔ سلاست و روانی میں بے مثال ہے، سیاسی تدبر اور اسلامی ریاست کی تاسیس اور اس کے استحکام کے مقتضیات کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے؛ اسی سیاسی تدبر اور بصیرت پر جو اس صحیفہ گرامی میں جلوہ گر ہے، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے "عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی" میں خوب دادِ تحقیق دی ہے، لیکن وہاں متن نہیں دیا ہے، البتہ اردو ترجمہ دیا ہے۔ اور اس میں دفعات (شقیں) قائم کر کے ہر شق پر بڑی بالغ نگاہی سے تبصرہ کیا ہے۔ البتہ عظیم محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر نثار احمد صاحب نے "عہد نبوی" (صلی اللہ علیہ وسلم) میں "ریاست کا نشو و ارتقا" کے موضوع پر ایک بہت ہی مبسوط مضمون تحریر فرمایا ہے اور اپنے اس گرانقدر مضمون میں متن کا تقابلی جائزہ بھی لیا ہے اور اس کا ترجمہ مع تشریحات، توضیحات پیش کر کے ایک اہم کام انجام دیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا؛

از اوّل تا آخر یہ صحیفہ گرامی، سیاسی تدبر، دوربینی اور اسلامی ریاست کے استحکام

کے جو اہم پہلو لئے ہوئے ہے' اس پر علامہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جیسے بالغ نگاہ مصنف نے "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" میں کھل کر لکھا ہے اور داد تحقیق دی ہے' میں نے صرف چند اقتباسات ہی اس صحیفہ گرامی سے پیش کئے ہیں' یہ منشور گرامی از اول تا آخر حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا آئینہ دار ہے' بیان و کلام میں جو سلاست و روانی' حسن تالیف اور وسیع مفہوم و معانی کو ادا کرنے والے الفاظ کا برمحل استعمال ہے وہ اپنی جگہ لاجواب ہے؛

عہد حاضر کے فاضل سیرت نگار جناب نعیم صدیقی صاحب مصنف "محسن انسانیت" نے اس صحیفہ گرامی یا منشور مدینہ کے سلسلہ میں چند جملے ہی تحریر کئے ہیں لیکن وہ بہت ہی جامع ہیں' چند الفاظ میں اس سے بہتر جائزہ ناممکن ہے؛ نعیم صدیقی صاحب لکھتے ہیں:-

> "تیسرا تعمیری اقدام اور شاید سیاسی لحاظ سے سب سے بڑا تعمیری کام یہ تھا کہ ریاست چلانے کے لئے مدینہ کے یہود' مشرکین اور مسلمانوں کی سوسائٹی کو ایک نظم میں پرو دیا گیا۔ سیاسی نوعیت کی تنظیم معاشرہ کے لئے ایک "تحریری معاہدہ" استوار کیا گیا جس کی نوعیت ایک باقاعدہ تحریری دستاویز کی ہے۔"
>
> "محسن انسانیت"

میں نے آغاز کلام میں اس دستور مدینہ کے سلسلہ میں چند کلمات ہی تحریر کئے ہیں — حقیقت یہ ہے کہ اس منشور مدینہ کی متعدد دفعات یا شقوں میں جو سیاسی بصیرت کارفرما ہے وہ صرف ذات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص تھی' اس پر سیر حاصل بحث کے سلسلہ میں دو گرامی قدر حضرات کا اور ان کی تحقیقی کاوشوں کا ذکر کرچکا ہوں؛

میں صرف ایک نکتہ یہاں اپنے موضوع کے لحاظ سے پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ "منشور مدینہ" یا "صحیفہ" میں یثرب (مدینۃ الرسول) کے یہود بھی ایک فریق کی حیثیت سے شامل تھے اور آپ کے علم میں ہے کہ مدینے کے یہودی لکھنے پڑھنے میں ایک بلند درجہ پر فائز تھے۔ نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمودہ "متن صحیفہ" انھوں نے منظور کرنے سے پہلے بغور مطالعہ کیا تھا اور بغیر کسی جبر یا مرعوبیت کے اس کو منظور کرلیا تھا' مدینہ میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل ہر طرح کا اقتدار ان یہودیوں کو حاصل تھا اور یہی مدینہ میں مسلمانوں کے سب سے بڑھ کر دشمن تھے اور ان کی دشمنی کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں کئی سال تک جاری وساری رہا لیکن بایں ہمہ مسلم دشمنی کے، وہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یعنی متن صحیفہ پر کہیں بھی حرف گیری نہ کر سکے اور نہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام والا کو فصاحت و بلاغت سے عاری بتا سکے کہ اس قسم کے اعتراضات کا یہ خاص موقع تھا، اور نہ کوئی لفظ اس کی جگہ سے ہٹایا جا سکا؛

جس طرح معاہدۂ حدیبیہ کی تحریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قلم سے ہوئی اور تمام ارباب سیرت کا اس پر اتفاق ہے کہ صلح حدیبیہ کا متن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے املا کرایا، اس طرح منشور مدینہ کے سلسلہ میں کوئی تصریح و تشریح نہیں ہے کہ یہ کس کے قلم سے معرض تحریر میں آیا۔ بہر حال یہ مبسوط اور مفصل معاہدہ سیاسی بصیرت اور فراست نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جس طرح ایک شاہکار ہے اسی طرح اپنی فصاحت و بلاغت میں بھی بے مثل و لاجواب ہے؛

صلح نامہ حدیبیہ

منشور مدینہ ۱ھ ہجری میں تحریر کیا گیا اور بقول بعض محققین و مبصرین اس کا دوسرا جزو جس میں یثرب کے یہودیوں کو شامل کیا گیا ہے، ۲ھ ہجری میں تحریر ہوا، اس کے بعد صلح حدیبیہ کی دستاویز کی تحریر تک کسی اور معاہدے کا سیرت نگار حضرات نے پتہ نہیں دیا ہے "منشور مدینہ" جس قدر مبسوط ہے اتنا ہی معاہدہ حدیبیہ (جو ۶ھ میں تحریر ہوا) مختصر ہے۔ کتب سیرت میں "معاہدہ حدیبیہ" موجود ہے۔ طبری، الکامل، سیرۃ الطیبہ، سیرۃ ابن ہشام میں اس معاہدے کا متن موجود ہے، یہ متن چند سطور پر مشتمل ہے۔ اس متن کے درمیان قریش کے نمایندے "سہیل" کے الفاظ بھی داخل و شامل ہیں جو متن میں اضافہ ہے، اس صلح نامہ میں بھی باوصف اختصار کلمات کا حسن تالیف، جملوں کی سلاست اور

روانی کا وہی عالم ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا وصف خاص تھا' نہایت موزوں اور اقتضائے حال کے مناسب اور مطابق الفاظ' رموزِ بیان اور ایسے الفاظ کا انتخاب جو صوتی آہنگی پیدا کرنے والے اور دلنشین ہوں اور جن میں وسعت معانی پنہاں ہو' جیسے

وَاَنَّ بَیْنَنَا عَیْبَۃً مَکْفُوفَۃً وَلَا اِسْلَالَ وَلَا اِغْلَالَ

ایسے دو جملے ہیں جن میں وسیع معانی پنہاں ہیں' یعنی پچھلی کدورتیں' مخالفتیں اور لڑائیاں بھولی بسری باتیں کر دی جائیں اور نہ آئندہ کبھی (حسبِ عادت) تلوار نکالی جائے گی اور نہ چوری اور خیانت ہو گی۔

صلح حدیبیہ کے معاہدے کے بعد ایک اور عہد نامہ ۹ھ ہجری میں اہل ایلہ کے وفد کو عطا فرمایا گیا۔ انھوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا تھا جس کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امان دے دی اور ایک امان نامہ ان کو عطا فرما دیا۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدوں کی طویل و بسیط یا مختصر عبارتوں کا بغور مطالعہ کریں تو یہ وصف خاص طور پر نمایاں نظر آئے گا کہ آپ غریب و غیر مانوس الفاظ کے استعمال سے باوجود ان پر کامل دسترس کے گریز فرماتے تھے بلکہ ایسے الفاظ کو جو وسیع المعنی ہوں اور ذہن ان کے معانی کی طرف فوراً منتقل ہو جائے' استعمال فرماتے تھے جن کے ادراکِ معانی کے لئے نہ تامل کی ضرورت اور نہ غور و فکر کی' ان کی ترکیب و ترتیب میں ایسی ندرت اور ایسا حسنِ تالیف ہوتا تھا جو عین فصاحت ہے' معنوی حیثیت اور اپنے محل استعمال کے اعتبار سے عین تدبر و کمال دانائی کا مصداق!

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو فصاحت و بلاغت کے گرانمایہ وصف سے متصف فرمایا تھا کہ وہ منجملہ دیگر خصائص نبوت کے آپ کے کلام کی ایک ایسی خصوصیت بن گئے تھے جس میں عرب کے زباں دانوں میں کوئی آپ کا سہیم و شریک نہیں تھا۔

ادعیہ ماثورہ اور ان کی فصاحت و بلاغت

حکیمانہ احکام اور بلیغانہ ارشادات کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بھی فصاحت و بلاغت کی دنیا میں بہت بلند مقام رکھتی ہیں! سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ بے نیاز میں جب دستِ دعا بلند فرماتے اور اس وقت خضوع و خشوع کے عالم میں لسان حقیقت ترجمان سے جو کلمات ادا ہوتے تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے سینوں میں یہ کلمات بھی اسی طرح محفوظ ہو جاتے جس طرح وہ ارشادات جو احکام یعنی اوامر و نواہی اور قرآن حکیم کے احکام کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہوتے، ان اخلاقی و معاشرتی اصلاح پر مبنی ارشادات کو جس طرح ان کے حافظے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے اور جن کو احادیث کے مجموعوں کی شکل میں کچھ مدت کے بعد قید کتابت میں لے آیا گیا، اسی طرح یہ ادعیہ ماثورہ بھی محفوظ کر لی گئیں، ان میں بہت سی دعائیں تو وہ ہیں جن کو نماز پنجگانہ کے بعد سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق بارگاہِ ایزدی کے یہ نیاز مند بندے تاحیات اپنے وِرد بنائے رہے اور ان کو محفوظ کر کے ہمارے لئے بھی عجز و نیاز کا سرمایۂ وسیع فراہم کر دیا اور الحمد للہ کہ آج بھی ان ادعیۂ ماثورہ میں سے بہت سی دعائیں مسلمانوں کا وِرد ہیں اور بارگاہ ایزدی میں حصول قرب اور مغفرت اور بخشش کی طلب کا سرمایہ ہیں۔

چونکہ فصاحت و بلاغت آپؐ کے بیان کے ایسے ظاہری و معنوی اوصاف تھے، جو کسی حال میں اور کسی وقت بھی آپ کے کلام سے جُدا نہیں ہوتے تھے گویا اس کا جُزو لاینفک تھے جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ فصحان عرب کے کلام کے مقابل میں ان خوبیوں کو اپنے کلام میں پیدا کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ غور و فکر سے کام لینے کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ ان کے لئے تکلف اور اہتمام کیا جاتا تھا۔ آپ کا ربّ کریم، آپ کی زبان اقدس سے بیساختہ ایسا کلام جاری کرا دیتا تھا۔ یہ تمام ذخیرہ ارشادات و

احکامات، توضیحات و تشریحات احکام خداوندی جو امور تشریعی کی حیثیت رکھتے ہیں ایک الہامی چیز تھی، اس لئے آپ کو اپنے کلام کی تزئین کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی جو کچھ آپ جس وقت بھی ارشاد فرماتے، وہ زبان و بیان کے تمام کمالات سے آراستہ ہوتا، اس لئے آپ کو بے معنی طریقوں کو اپنانے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی اور نہ آپ نے کبھی کسی فصیح، بلیغ قبیلہ کی زبان کا خاص طور پر تتبع کیا۔ آپ کے ارشادات گرامی سے فن بلاغت کے مبانی و مبادیات، اصول و قواعد تو خود مرتب اور اخذ کئے گئے، پھر اس الہامی اور توفیقی کلام کو کسی خاص قبیلہ کی فصیح زبان کو اپنانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کی زبان اور روزمرہ وہی تھا جو قریش کی زبان اور ان کا روزمرہ تھا اور قبیلہ بنی سعد (جس میں آپ کی نشو و نما ہوئی تھی) کا نہج و اسلوب تھا البتہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کوئی خاص لفظ موقع و محل کی مناسبت سے ادا ہوتا تو بعض سامعین کو یہ گمان گزرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا لغت استعمال فرمایا ہے۔ اس موضوع پر جب صحابۂ کرام باہم گفتگو کرتے تو حاضرین میں سے کوئی نہ کوئی صاحب شعرائے قریش یا شعرائے عصر جاہلیت کے کلام سے اس کی سند پیش کر دیتے تھے، اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ آپ کے الفاظ کا ماخذ کسی شاعر کا کلام ہوتا تھا بلکہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس لفظ میں غرابت نہیں ہے اور یہ نامانوس لغت نہیں ہے بلکہ فصحائے عرب اس کو استعمال کر چکے ہیں۔ آج بھی بہت سے عربی لغات کی سند شعراء کے کلام ہی سے پیش کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اقدس کا موضوع، ہر چند کہ مختلف اوقات اور مختلف احوال و مواقع پر متنوعہ ہوتا تھا لیکن کلام اقدس کی خوبیاں ہر حال میں اور ہر موقع پر علیٰ حالہٖ قائم رہتی تھیں۔

فرامین ہوں یا مکتوبات، عہد نامے ہوں یا وثیقہ جات، خطبات ہوں یا دعائیں، زبان و بیان کی یہ خصوصیتیں ہر نوع کے کلام اور ارشاد کے ساتھ مختص ہوتی تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنی فرازہ کا

ایک وفد حاضر خدمت ہوا، یہ وفد چوبیس افراد پر مشتمل تھا۔ خارجہ بن حصین اور حسن بن قیس بن حصین اس وفد کے قائدین میں سے تھے، یہ سب حضرات دولتِ ایمان سے سربلندی حاصل کرنے کے بعد خدمت گرامی میں شرف اندوز سعادت ہوئے، ان لوگوں نے اپنے علاقہ کی خشک سالی، باغات اور کھیتوں کی تباہی، جانوروں کی ہلاکت اور اہل وعیال کی فاقہ کشی کا حال بہت ہی اندوہناک انداز میں بیان کیا اور استدعا کی کہ ہمارے لئے بارش کی دعا فرمایئے، ان کی استدعا پر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور دعائے استسقاء کے لئے دستہائے مبارک بلند فرمائے اور ان الفاظ میں دعائے استسقاء فرمائی !!

اللھم اسق بلادک وبھائمک وانشر رحمتک واحی بلادک المیت اللھم اسقنا غیثا مغیثا مریئا مریعا طبقا واسعا عاجلا غیر اٰجلٍ نافعا غیر ضارٍ اللھم سقیا رحمۃ لا سقیا عذابٍ ولا ھدمٍ ولا غرقٍ ولا محقٍ اللھم اسقنا الغیث وانصرنا علی الاعداء ؛

ان کلمات طیبات کی صوتی ہم آہنگی، اور الفاظ، سبحان اللہ ایک اعجاز ہے "غیثا مغیثا مریئا طبقا" کی جزالت اور ان کا دروبست، زور تالیف، ان کے معانی کی وسعت، سبحان اللہ، زبان انکی خوبیاں کس طرح ادا کر سکتی ہے ــــــــــــ

جزالت وبلاغت، علم بدیع کی خوبیاں، صلِ علیٰ سبحان اللہ !! صرف اسی ایک دعا میں کلام کی یہ فصاحت محدود نہیں ہے، احادیث کی کتب میں متعدد ادعیۂ ماثورہ محفوظ ہیں، ہر ایک میں بیان کی یہ خوبیاں اور فصاحت کے یہ لوازم موجود ہیں۔

حضور ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر یہ لطف وکرم ملاحظہ کیجئے کہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک ہر وظیفۂ حیات کے لئے دعاؤں کا بیش بہا، گرانمایہ ذخیرہ موجود ہے جن سے عجز بندگی، اقرار عبدیت، خضوع وخشوع اور شکر الٰہی کی نعمتوں کا حصول ہوتا ہے۔ میں ان دعاؤں میں سے چند بھی یہاں اگر پیش کروں تو اس مضمون کی طوالت ظاہر ہے جس کو میں کم سے کم صفحات میں محصور ومحدود کرنا چاہتا ہوں، پھر یہ کہ یہ ادعیۂ ماثورہ زیادہ تجسس اور تلاش کی طالب نہیں ہیں۔ ادعیۂ ماثورہ کے نام سے ان کے مجموعے جداگانہ بھی

شائع ہو چکے ہیں اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اوراق میں بھی یہ تمام دعائیں محفوظ ہیں۔ مجھے تو بسلسلۂ موضوع یہ عرض کرنا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الہٰی میں انعام واکرام الہٰی پر اظہار تشکر اور خضوع وخشوع بندگی کے لئے جب بسنت دعا بلند فرماتے تو یہ دعائیہ کلمات بھی ان خوبیوں سے عاری نہیں ہوتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف یعنی فصاحت آپ کی ایک امتیازی خصوصیت تھی جس میں آپؐ کا کوئی شریک ومثیل نہیں تھا اور اس کی بلندی کا یہ عالم کہ انسان کا فہم ناقص اس کی بلندی کا اندازہ نہیں لگا سکتا اور نہ اس کا تعلق اکتساب سے تھا۔ ہر چند کہ اہل عرب کلام کی تہذیب وتزئین میں مہارت رکھتے تھے اور انہوں نے اپنے کلام کو محاسن سے آراستہ کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی تھی لیکن وہ اپنے اسلاف کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے، ان کے غور وفکر سے ان کے لئے نئے راستے پیدا نہیں ہوئے، اس لئے جو کچھ تھا وہ محض تقلیدی تھا! اصول اور قواعد کے تحت کچھ بھی نہ کر سکے، زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ تکلف اور تصنع کی سمت میں ان کے قدم کچھ آگے بڑھ گئے، زبان میں کچھ اور سلجھاؤ پیدا ہو گیا لیکن کلام میں پاکیزگی خیال اور روحانی اقدار چونکہ بالکل ناپید تھیں، لہٰذا اپنی کاوشوں اور جدوجہد کے باوجود وہ اپنے کلام اور زبان کو انتشار اور اضطراب سے نہ بچا سکے اور بسا اوقات ان کا کلام معیار بلاغت سے بھی گر جاتا تھا یعنی مقتضائے حال کی پابندی کماحقہٗ نہیں ہوتی تھی، ان کے کلام میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک کلمۂ خوب کو انکے کلام سے ہٹا کر دوسرا کلمۂ خوب تر وہاں رکھا جا سکتا ہے، یا ایک لفظ سے بہتر لفظ کا انتخاب اس محل کے لئے ہو سکتا ہے یہ نقص بھی منافیٔ فصاحت ہے۔

موضوع اور مضامین کے بارے میں ان فصحائے عرب کے دامن خالی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ اپنے تجربات سے اخذ کردہ نتائج کو بیان کر دیتے یا ایک دوسرے سے جو کچھ اپنے اسلاف کے فضائل کے باب میں سنا تھا، اس کو بیان کر دیتے تھے، صرف ان کی شاعری متنوعہ مضامین کا مجموعہ تھی، جس کا پس منظر نفس پرستی اور عیش کوشی تھا۔ اخلاقی زندگی کے اعلیٰ اقدار کی انکی شاعری کو ہوا بھی نہیں لگی تھی، یہی عہد جاہلیت کے قصائد کی تشابیت کے

سلسلہ میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں ۔

ان تشابیب کے لگے بندھے موضوعات پر وہ الفاظ کی ملمع سازی ضرور کر لیا کرتے تھے اور اس پر ان کے کلام (شاعری) کی بلند و بالا عمارت تعمیر ہوتی تھی، اس کے برعکس ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے متنوعہ موضوعات اس کثرت سے تھے کہ ۲۳ سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام فصاحت التیام کے ذریعہ مسلمانوں کی معاشی اور اخروی امور کی تربیت اور اصلاح فرماتے رہے، یہ موضوعات اس کثرت سے ہیں کہ چند صفحات میں ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ضرورت بھی نہیں کہ ہر مسلمان، معاش و معاد کے ان موضوعات سے آگاہی رکھتا ہے ۔

تدبیر منزل، تہذیب اخلاق اور سیاست مدن کے صدہا شعبے ہیں اور ہر شعبہ حیات کی اصلاح و تربیت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی موجود ہیں اسی طرح معاد (حیات اخروی) یعنی حشر و نشر، صراط، میزان، جنت و دوزخ، فرد اعمال، حساب و کتاب، شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اخروی احوال پر مشتمل وسیع موضوعات و امم سابقہ اور قصص القرآن کی تفصیلات، اسی قبیل کے مباحث اور ان جیسے بے شمار موضوعات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت بالغہ کے رُوبرو تھے۔ اس لئے ان کے بیان کے لئے نہ آپ کو غور و فکر کی ضرورت اور چونکہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے، اس لئے نہ کلام کی تزئین کے لئے آپ کو کسی تکلف کی ضرورت تھی اور نہ کسی فنی اصول اور قاعدے کو اپنانے کی ۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

کی فصاحت وبلاغت

اور اصناف کلام وبیان

وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ ؕ — اور ہم نے آپؐ کو شاعری نہیں سکھائی اور وہ آپؐ کے شایان شان نہیں تھی،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے سلسلہ میں آپ کے سامنے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انواع کلام کے تحت ارشادات گرامی، جوامع الکلم، آپؐ کے مکتوباتِ گرامی، آپؐ کے خطبات، کلماتِ طیبّات بطور ضرب الامثال، آپؐ کے معاہدے خصوصاً منشور مدینہ، میں معرضِ تحریر میں لاچکا ہوں اور ان تمام فرمودات میں فصاحت و بلاغت کے جو خصائص موجود تھے ان کو بقدر فہم و دانش پیش کرچکا ہوں بایں ہمہ یہ عرض کرنے میں قطعی باک نہیں کروں گا کہ ؏

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس سلسلہ میں جب اصناف کلام یا انواعِ سخن کی ترکیب استعمال کی جاتی ہے جیساکہ عنوان سے مترشح ہے تو بادی النظر میں نوعِ شاعری بھی ذہن میں آتی ہے لیکن یہ تو سخن یا کلام کے مجازی معنی ہیں جو اردو میں مستعمل ہیں اور آپ سے پوشیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرما دیا ہے :۔

وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ ؕ

اور ہم نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فن شاعری نہیں سکھایا اور وہ ان کے شایان شان نہیں تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس عصر میں مبعوث ہوئے اور جس قوم کی اصلاح کا کام خصوصاً آپ کے سپرد ہوا وہ قوم شاعری کی بڑی دلدادہ ہی نہیں بلکہ شاعری اس قوم کا شعار و دثار تھی گویا ان کا قومی اور انفرادی سرمایہ ہی شاعری تھی باوجودیکہ لکھنا پڑھنا اس عصر جاہلیت میں بہت ہی کم رواج پذیر تھا لیکن ان کو شاعری کے لئے نوشت و خواند کی ضرورت نہیں تھی، شاعری بطور توارث ان کے حصے میں آئی تھی اور یہ فن شاعری بطور توارث کئی نسلوں تک ان میں منتقل ہوتا رہا؛

زہیر عہد جاہلیت کا مشہور شاعر ہے، سبع معلقات میں اس کا قصیدہ موجود ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

اَمِنْ اُمِّ اَوْفیٰ دِمْنَۃٌ لَمْ تَکَلَّمِ
بِحَسُومَانِۃِ الدَّرَّاجِ فَالْمُتَثَلَّمِ

(کیا یہ کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ وہ جگہ ہے جہاں اُمِّ اَوفیٰ کا (کبھی) گھر تھا جو درّاج اور متثلم کی پتھریلی زمین پر واقع ہے کہ اس نے مجھ سے کلام نہیں کیا)

زہیر کا باپ بھی شاعر تھا اور ان کے فرزند کعب (بن زہیر) بھی عصر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور شاعر تھے، حضرت کعب نے بارگاہ رسالت میں حاضری کے موقع پر ایک اعتذاریہ قصیدہ پیش کیا تھا جو قصیدہ "بانت سعاد" کے نام سے مشہور ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے ان کو اپنی ردائے مبارک مرحمت فرمائی تھی جو تاریخ اسلام کا ایک مشہور واقعہ ہے، یہ شرف حضرت کعبؓ بن زہیر کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوا؛

بہرنوع بات تھی عصر جاہلیت اور اس کی شاعری کی! اگر میں اس موقع پر عربی شاعری کے آغاز کی بحث چھیڑوں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے گی جس کا یہاں موقع نہیں ہے، ہمارے مورخین اور عربی ادب پر قلم اٹھانے والے حضرات نے "تاریخ ادبیات عرب" کے ضمن میں صدہا شعراء کا ذکر کیا ہے اور شاعری کی تاریخ پیش کی ہے اور یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ شعر گوئی کی ابتداء "رثا" سے ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند

ہابیل کے قتل پر دردناک اشعار پڑھے تھے یہ صحیح ہے یا غلط! اس پر تو عربی ادب کا محقق ہی قلم اٹھائے گا، میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ "عصرِ جاہلیت" میں جس کا تعین محققین نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل صرف ایک سو سال کا دور ہی قرار دیا ہے، ہزاروں شاعر پیدا ہوئے۔ یہاں شعراء کی اس کثرت اور بہتات کی ایک معمولی سی مثال پیش کر دوں جو دلچسپ بھی ہے اور اپنے اندر تاریخی مواد بھی رکھتی ہے کہ ہم کسی شخصیت کی علمیت اور ادبی فضیلت کے لئے اس کو نابغۂ دوراں کی صفت سے متصف کرتے ہیں جس سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ نابغہ کوئی بہت ہی عظیم شاعر یا ادیب ہوگا۔ یہ خیال بجا اور درست! لیکن "تاریخ ادبیات عرب" بتاتی ہے کہ نابغہ نام کے ۹ شاعر عصرِ جاہلیت میں گزرے ہیں اور ان میں نابغۂ ذبیانی نے بہت شہرت پائی۔ میں گزشتہ اوراق میں کسی موقع پر ان ناموں کی صراحت کر چکا ہوں، اسی طرح "اعشیٰ" کا نام بھی بطور فضیلت علمی کے استعمال کیا جاتا ہے اور نابغہ کی طرح اس کا حصر بھی ایک ہی پر کیا جاتا ہے، حالانکہ ادبیات عرب میں ان کی تعداد بھی کثیر ہے، ان شعرائے وقوف کے لئے جو اعشیٰ کے تخلص سے معروف و مشہور ہیں، "بلوغ الارب" ملاحظہ کیجئے۔ عہد جاہلیت کی شاعری کے تحت عنوان "مشاہیر شعرائے جاہلیت کے نام پیش کر چکا ہوں، اب ان کا یہاں اعادہ نہیں کروں گا۔ ان شعراء کی شہرت عرب جاہلیت کے ادبیات میں ان کی ندرت تخیل، مبالغہ آرائی اور اسالیبِ بیان کے ساتھ ساتھ موضوع شاعری سے بھی خاص تعلق رکھتی ہے

قدیم شاعری میں دو تین موضوع ہی خاص اہمیت رکھتے ہیں یعنی "مدح" اور "رثا" اور ہجو، (مدحت طرازی، مرثیہ نگاری اور مذمت) تاریخ ادب عربی اس پہلو کو بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتی کہ بعض شعرائے عصر جاہلیت کے یہاں اخلاقیات یا اخلاقی مضامین بھی موجود ہیں لیکن وہ کوئی جداگانہ صنف سخن نہیں تھی بلکہ "رثا" یا "مدح" کی تشابیب میں وہ بعض اخلاقی مضامین کو بھی پیش کر دیا کرتے تھے، ان کے اخلاقی موضوعات وہی تھے جو ایک بدوی زندگی کے مسلّم اصول تھے یعنی سخاوت، دیانت، امانت؛ چنانچہ ان موضوعات کے تحت آپ کو شعرائے جاہلیت کے اشعار مختلف اسالیب میں ملیں گے! مثلاً ذوا لاصبع العدوانی

اپنے بیٹے "اُسید" سے مخاطب ہے ؎

اَاُسَیدُ! اِنَّ مالاً مِلکتَ فسِرتَ بہ سیراً جمیلا

یعنی اے اُسید اگر تو مال و دولت کا مالک بن جائے تو اپنے اس مال سے لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا؛

لیکن ایسے اخلاقی مضامین بہت کم ہیں، ان کی شاعری کے موضوعات میں مدح (جس کی بنیاد غلو پر ہے) اور قدح (ہجو) خاص طور پر شامل ہیں، تیسری صنف سخن مرثیہ (رِثا) ہے جس طرح مَدح میں وہ ممدوح کے اوصاف کو مبالغہ کی آخری حد تک پہونچا دیتے تھے اسی طرح مرثیہ میں بھی مرنے والے کے اوصاف کو ان بلندیوں تک پہنچا دیا جاتا تھا جہاں تک فکر انسانی کی رسائی کا امکان ہے۔ قدح میں وہ اس سے بھی آگے نکل جاتے تھے، مدح اور قدح سے قطع نظر کر لیجئے تو پھر ان کے یہاں شراب، نغمہ ہے اور عورت! وہ عورت سے عشق و محبت کا اظہار عموماً اپنی بنتِ عم سے کیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ آخری حد تک پہنچ جاتے تھے، سرورِ کونینؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصرِ مسعود میں اس عشقیہ شاعری کا رواج بالکل ختم ہو گیا تھا لیکن خلافت راشدہ کے عہد میں ان کی یہ سوئی ہوئی قوتیں پھر بیدار ہو گئیں اور ان کی تشابیب میں پھر عہد جاہلیت جیسا ذکر ہونے لگا۔ مجبوراً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ شعراء اپنی تشابیب میں عورت کا نام استعمال نہ کریں لیکن دورِ بنی اُمیّہ میں یہ قدغن ختم ہو گئی؛

عورت کے بعد ان کے یہاں موضوع شاعری شراب ہے، آپ کو عصر جاہلیت کے اشعار میں شراب کا ذکر بھی اسی کثرت اور تنوع کے ساتھ ملیگا جس طرح محبوبہ کا، فارسی شاعری کے موضوع خمریات میں یہی رنگ رچا بسا ہوا ہے، فارسی شعراء نے عربی قصیدے کی تشبیب کو الگ کر کے ایک نئی صنف سخن کا آغاز کیا جس کو غزل کہا جاتا ہے، جس میں اشعار باہم مربوط نہیں ہوتے بلکہ ہر شعر ایک جداگانہ اور منفرد مضمون کا حامل ہوتا ہے جب کہ قصیدے میں تمام اشعار باہم دگر مربوط ہوتے ہیں اردو غزل میں فارسی غزل کی پوری پوری تقلید کی گئی ہے، اور اس کا اہم سبب یہ تھا کہ اس برصغیر میں جب اُردو شاعری میں غزل پروان چڑھی تو

فارسی غزل کا ہر طرف چرچا تھا اس برصغیر پاک و ہند میں مسلمان سلاطین نے فارسی زبان اور ادب کی دل کھول کر سرپرستی کی، تغلق، خلجی، لودھی، سلاطین دہلی اور مغل بادشاہوں کی سرپرستی سے ہزاروں شاعر پیدا ہوئے جن کی شاعری کی زبان فارسی تھی اور مادری زبان بھی فارسی ہی تھی۔ یہ بات میں مغلیہ خاندان کے آخری چند تاجداروں سے پہلے سلاطین کے بارے میں عرض کر رہا ہوں، ورنہ بہادر شاہ ظفر اردو زبان کے ایک نغز گو شاعر تھے۔

اِن فارسی شعرائے نے قصیدہ، غزل، رباعی اور مثنوی کی صنف کو اپنایا، فارسی زبان میں فعل کے صیغے مذکر و مونث کے لئے یکساں ہوتے ہیں یعنی فارسی زبان میں افعال پر تذکیر و تانیث کا اثر نہیں پڑتا لہٰذا ان کو محبوب کی تذکیر و تانیث کے اظہار کے لئے اس قسم کی ضرورت پیش نہیں آتی جو اردو زبان میں ہر قدم پر موجود تھی، بات بڑھتی جا رہی ہے مختصر یہ کہ خیام و حافظ نے جن مثالی میخانوں اور میکدوں کو آراستہ کیا تھا، اُردو شعرائے نے ان سے بڑھ کر کام کیا اور شراب خوری کی تمام جزئیات تک کو اپنا موضوع سخن بنایا۔

تو یہ تھا مزاج ! عربی شاعری کا، صبح اعشیٰ، حماسہ، دیوان متنبّی اور دوسرے شعرائے متقدمین کے دواوین اٹھا کر دیکھئے ان میں یہی موضوعات آپ کو ملیں گے، تاریخ ادبیات عربی کے اوراق الٹئے، حماسہ کی ورق گردانی کیجئے۔ شعرائے جاہلیت کی فصاحت و بلاغت کے ابلاغ میں یہی موضوع آپ کو ملیں گے۔ شعرائے عصر جاہلیت، شعرائے مخضرمین (یعنی وہ شعراء جنھوں نے عہد جاہلیت اور عصر اسلام دونوں کو پایا) اور شعرائے عصر اسلام کا کلام، لاکھوں اشعار پر مشتمل ہے جن کا موضوع ہے حماسہ یعنی فخریہ شاعری، مدح سرائی، ہجو، مدحیہ قصائد کی تشابیب، مرثیہ (رثا) اور خمریات جس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عربی شاعری کا مزاج کیا ہے اور کون سے موضوعات کو انھوں نے اپنایا ہے۔ آپ کو نظر آئے گا کہ قصیدے کی تشبیب میں عشق کا اظہار وہ بھی بنتِ عم سے ان کیلئے باعث ننگ و عار نہ تھا، اس کے بعد ممدوح کی مدح، دشمن کی ہجو میں فخریہ اشعار یعنی حماسہ پر قصیدے کی بنیاد رکھتے اور دشمن کی ہجو میں سب کچھ کہہ گزرتے، اگر قصیدہ فخریہ ہوتا تو اپنے نسب پر فخر، آبا و اجداد کی شجاعت کے کارنامے جن کی بنیاد مبالغہ پر ہوتی، اپنے اونٹوں خصوصاً ناقہ کی تعریف اس کی تیز رفتاری

اس کی جسمانی خوبیاں، گھوڑوں، اور اسلحہ کی بہتات اور ان کی تعریف اور تلوار کی کاٹ یہ تھے ان کے چند موضوعات جن کے گرد ان کی شاعری گھومتی تھی؛

شعرائے عرب کے دواوین کا مطالعہ کیجئے ان کے یہاں یہی اصناف شاعری آپ موجود پائیں گے یعنی مدح۔ رزم۔ رثا۔ حماسہ تشبیب یا تسبیب، خمریات اور یہ موضوعات چند شاعروں تک محدود نہیں بلکہ ہر ایک شاعر کے یہاں یہی موضوعات آپ موجود پائیں گے ان موضوعات کے تحت انھوں نے جو کچھ کہا ہے اس میں غلو اور مبالغہ کو آخری حد تک پہنچا دیا ہے، ان کا کوئی قصیدہ تشبیب سے خالی نہیں ہوتا تھا، بجز ہجویہ قصائد کے، وہ تشبیب میں اپنے محبوب کی جدائی، درد فرقت، ستم روزگار، محبوبہ کے قبیلے کا خوف، بیان کرتے ان ٹیلوں سے ہمکلامی کے آرزومند ہوتے جہاں کبھی محبوبہ کا قیام تھا۔ چونکہ خانہ بدوشی یعنی بدویت اُن کی زندگی کا جزو لاینفک تھی اس لئے وہ اپنی محبوبہ کی ویران خیمہ گاہوں پر پہنچتے اور آنسو بہاتے، کبھی وہاں جھاڑیوں اور خیموں کے نشانات سے مخاطب ہوتے اور اس تخاطب میں وہ اپنے تمام تر جذبات محبت کا اظہار کرتے، محبوبہ کے ساتھ جو وقت گزارا تھا اس کا تذکرہ بڑے فخر کے ساتھ کرتے۔ جب محبوبہ کے حسن وجمال کی تعریف کرتے ہیں تو ان کی تشبیہات حسیہ میں آہوانِ وحشی اور اونٹنیاں مشبہ بہ ہوتی ہیں، اسی طرح، بالوں، اور رخساروں کی تعریف میں سنبل وگل ولالہ کہاں سے لائیں، کھجوروں کے لدے ہوئے خوشے محبوب کی زلفوں کا مشبہ بہ ہوتے ہیں؛

محبوب کے حسن وجمال کی تعریف میں عصر جاہلیت کے یہ چند اشعار مطالعہ کیجئے:۔
امرؤالقیس اپنی محبوبہ کی آنکھ کو بچے والی وحشی ہرنی سے تشبیہ دیتا ہے، اس کے ماحول میں نرگسِ شہلا کہاں ہے! کہتا ہے ؎

تَصُدُّ وتُبْدِي عَنْ اَسِيلٍ وَتَتَّقِي
بِنَاظِرَةٍ من وَحش وَجرَةَ مُطفِلِ

محبوبہ کی زلف کی تعریف امرؤالقیس کی زبان سے سنئے ؎

وَفَرعٍ يزِينُ المتنَ اَسوَدَ فاحِمٍ
اَثيثٍ كَقِنْوِ النَّخلَةِ المُتَعَثكِلِ

یعنی ـــــ اور اس کے بال ایسے ہیں کہ جب وہ ان کو دکھاتی ہے (زلفیں لہراتی ہے) جو اس کی کمر کی زینت ہیں وہ بہت ہی سیاہ ہیں اور اس قدر گھنے ہیں جیسے پھل سے لدی ہوئی کھجور کا خوشہ!

اسی سلسلہ میں طرفہ بن العبد البکری کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وَفِی الحیّ احوی ینفض المرد شادن
مظاہر سمطی لؤلؤ و زبرجدی

یعنی ـــــ اس قبیلہ (حیّ) میں ایک گندمی رنگ کے ہونٹوں والی ایسی نوخیز ہرنی ہے جو پیلو کے پھل اپنی گردن اونچی کر کے جھاڑ رہی ہے اور وہ موتیوں اور زبرجد کے دو ہار پہنے ہوئے ہے

محبوبہ کے نازک اندام اور حسین دست و پا کا ذکر کیا جاتا ہے تو دست و پا کے لئے مشبہ بہ ملاحظہ کیجئے!

کانّ البرین و دمالیج عُلّقت
علی عشر او خروع لم یخضّد

محبوبہ دست و پا میں جو برین اور دمالیج پہنے ہوئے ہے ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدار یا ارنڈ کے درخت پر لٹکا دیئے گئے ہیں؛

طرفہ بن العبد البکری اپنی محبوبہ خولہ کے دانتوں کی تعریف میں کہتا ہے ؎

وتبسم عن المسی کان منوّرا
تخلّل حرّ الرّمل دعص لہ ندٍ

وہ گندمی ہونٹوں والی محبوبہ جب آبدار دانت کھول کر مسکراتی ہے تو اس وقت اس کے دانت ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ غنچوں سے بھرا ہوا ایک درخت بابونہ ہے جو ایک ٹیلے پر ریت کے بیچ میں آگیا ہے

ان تشبیہات کا استعمال سبعہ معلقات کے شعراء ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ تمام

جاہلی اور غیر جاہلی شعرائے کے یہاں اسی قبیل کی تشبیہات ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے محسوسات کی ترجمانی کرتے ہیں، شعرائے عرب کی شاعری کے موضوعات میں اونٹ، اونٹنیاں، گھوڑے، میدان، ریگزار، ریگ کے تودے، ریگزار کے خودرو درخت یا ارنڈ، مدار اور کھجور کے درخت ہیں یا پھر ریگزار کی خودرو جھاڑیاں ہیں جن کو وہ اپنی مبالغہ آرائی سے حسن و دلکشی عطا کرتے ہیں! یہی مبالغہ ان کی شاعری کی جان اور ان کے کلام کی آن ہے۔

عشقیہ شاعری میں اِن شعرائے کے یہاں وہ تمام داخلی خصوصیات اور معاملہ بندی موجود ہے جس کو ہم "دبستان" لکھنؤ کی شاعری" کی خصوصیات سے تعبیر کرتے ہیں، میں آپ کے سامنے اس داخلی خصوصیات کی حامل عشقیہ شاعری کی مثالیں کلامِ عرب جاہلیت سے پیش کرسکتا ہوں لیکن اس کے لئے صفحات بھی صدہا درکار ہوں گے اور ابھی مجھے عصر جاہلیت کی شاعری کے بارے میں بہت کچھ عرض کرنا ہے اس لئے معاملہ بندی کی مثالوں سے صرفِ نظر کرتا ہوں۔ یہاں تشبیب کے سلسلہ میں یہ عرض کردوں کہ تشبیب عربی شاعری کا ایک ایسا عنصر تھا کہ وہ کسی حال اور کسی صورت میں اس کو نظر انداز نہیں کرسکتے تھے ورنہ ان کی شاعری دوسرے شعراء اور اربابِ فن کی نظر میں معیارِ شاعری سے گرجاتی تھی! وہ تشبیب نگاری میں کس درجہ بیباک تھے اس کا اندازہ آپ کو اس طرح ہوجائے گا کہ (حضرت) کعب بن زہیر (رضی اللہ عنہ) جو ایک عظیم شاعر جاہلی زہیر ابن سلمٰی کے فرزند تھے اپنے بھائی جبیر (رضی اللہ عنہ) کی ترغیب و تاکید اور یہ علم ہوجانے کے بعد کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گستاخیوں کی بنا پر ان کے قتل کی عام اجازت دیدی تھی ان کا خون ہدر کردیا ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد عفو تقصیر کے لئے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں "یارسول اللہ میں کعب ہوں، میں اسلام قبول کرچکا ہوں، اگر اجازت ہو تو آپ کی خدمت میں اپنا نعتیہ قصیدہ پیش کروں، حضور علیہ التحیۃ والثنا ان کو اجازت مرحمت فرماتے ہیں اس وقت وہ اپنا مشہور قصیدہ اعتذاریہ معروف بہ قصیدہ "بانت سُعاد" پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے کہ نعتیہ قصیدہ ہے لیکن تشبیب کا وہی رنگ ہے جو اس عصر کی رُوحِ شاعری تھی، عذر خواہی کررہے ہیں لیکن اس اعتذار کو شروع اس طرح

کرتے ہیں ؎

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الْیَوْمَ مَتْبُولُ

مُتَیَّمٌ اِثْرَھَا لَمْ یُفْدَ مَکْبُولُ

سعاد (میری محبوبہ) مجھ سے جدا ہو گئی اور آج میرا دل (اس کے فراق میں) قید ہے اور فدیہ دے کر بھی اس قید سے رہائی نہیں مل سکتی!

وَمَا سُعَادُ غَدَاۃَ الْبَیْنِ اِذْ رَحَلُوا

اِلَّا اَغَنُّ غَضِیْضُ الطَّرْفِ مَکْحُوْلُ

کل صبح کے وقت سعاد جدا ہو کر چلی گئی مگر اس کی سرمگیں آنکھیں مجھ سے اشاروں میں اس طرح باتیں کر رہی تھیں جیسے ہرنی پیچھے دیکھتی ہے اور خوشگوار آوازیں نکالتی ہے!

ھَیْفَاءُ مُقْبِلَۃً، عَجْزَاءُ مُدْبِرَۃً

لَا یُشْتَکٰی قِصَرٌ مِّنْھَا وَلَا طُوْلُ

سعاد کو سامنے سے دیکھو تو باریک (پتلی) کمر والی نظر آتی ہے اور پشت کی طرف سے دیکھو تو خوبصورت سُرین والی ہے۔ اس کی کوتاہی یا درازی کی شکایت نہیں کی جا سکتی (متناسب الاعضا ہے)!

تَجْلُوْ عَوَارِضَ ذِیْ ظَلْمٍ اِذَا ابْتَسَمَتْ

کَاَنَّہٗ مُنْھَلٌ بِالرَّاحِ مَعْلُوْلُ

جب وہ تبسم میں اپنے آبدار دانت ظاہر کرتی ہے تو اس کے دانت شراب دو آتشہ میں ترکئے نظر آتے ہیں یا ایسی شراب میں جس میں پانی ملا دیا گیا ہو!

تَنْفِی الرِّیَاحُ الْقَذٰی عَنْہُ وَاَفْرَطَہٗ

مِنْ صَوْبِ غَادِیَۃٍ بِیْضٌ یَعَالِیْلُ

جو پانی شراب میں ملایا گیا ہے اس نے خس و خاشاک کو اس سے دور کر دیا ہے (آب مصفا ہے) اور اس کو صبح کی بارش سے اُٹھنے والے حبابوں نے بھر دیا ہے!

فیالہا خُلّۃً لو انہا صدقت

بوعدہا اولواَنّ النصح مقبولُ

سُعاد کیا ہی اچھی دوست ہے بشرطیکہ وہ اپنے وعدے کی بھی سچی ہو کاش وہ ہمارے (ایفائے وعدہ کے) اس مشورے کو قبول کرتی ؛

لکنّہا خُلّۃٌ قد سیطَ من دمِہا

فجعٌ وّ ولعٌ وّ اخلافٌ وّ تبدیلُ

لیکن (افسوس) کہ وہ ایسی محبوبہ ہے کہ عاشقوں کو مبتلائے ہجر کرنا، وعدہ خلافی کرنا اور دوستی کو بدلنا، اس کے خون میں ملا دیئے گئے ہیں (اس کے شامل حال ہیں)

فما تدومُ علی حالٍ تکون بہا

کما تلوّنُ اثوابہا ..... الغولُ

سُعاد بڑی متلون مزاج ہے ایک رنگ (حال) پر قائم نہیں رہتی جس طرح صحرا کے چھلاوے ہر لمحہ رنگ بدلتے رہتے ہیں یہی کچھ حال سُعاد کا ہے؛

وَمَا تمسّکُ بالعہد الذی زعمتْ

اِلّا کما یمسکُ الماءَ الغرابیلُ

سُعاد اپنے قول پر قائم نہیں رہتی جس طرح پانی چھلنی میں قائم نہیں رہتا۔ اسی طرح وہ اپنے وعدے پر قائم نہیں رہتی ؛

فلا یُغرّنکَ مامنّت وماوعدت

اِنّ الامانیّ والاحلام تضلیلُ

اے کعب! کہیں سُعاد تجھے جھوٹے وعدوں اور اُمیدوں سے مبتلائے فریب نہ کردے، بیشک آرزوئیں اور جھوٹے خواب گمراہ کرنے والی چیزیں ہیں؛

کانت مَواعیدُ عرقوب لہا مثلاً

وَمَاَ مواعِیدُہا اِلّا الاباطیلُ

سُعاد اسی طرح وَعدہ خلافی کرنے والی ہے جس طرح عرقوب وعدہ خلافی میں مشہور تھا، اس لئے کہ سعاد کے تمام وعدے محض جھوٹے اور باطل ہیں،

ارجو وَاٰمل ان تدنو مودّتُها

وَما اخالُ لدینا منكِ تنویلُ

میں سُعاد کی قربت اور دوستی کی اُمیدرکھتا ہوں ہر چند مجھ کو تجھ سے عطاو بخشش (قرب اور دوستی) کی اُمید ایک موہوم اُمید ہے ؎

اَمست سعاد بارضٍ لایبلّغُھا

اِلّا العتاق النجیبات المراسیلُ

سُعاد جو صبح کو رخصت ہو چکی ہے شام تک ایسی سرزمین میں پہنچ جائے گی جہاں اچھی نسل کی تیز رفتار اونٹنی ہی پہنچا سکتی ہے (مجھ کو) ؎

آپ نے ملاحظہ کیا کہ اِن تیرہ[۱۳] اشعار تک تشبیب کا سلسلہ یعنی سُعاد کی تعریف، اس کی بیوفائی اور عہد شکنی کا بیان ہے، اب یہاں سے گریز ہے اور وہ بھی ایک ایسی گریز ہے جو دراصل عصر جاہلیت کی تشبیب ہی میں داخل ہے یعنی "ناقہ" کی تعریف ہے اور اس تعریف کا سلسلہ چونتیسویں شعر تک جاری ہے، گریز کے اصل اشعار تین ہیں یعنی ۳۵-۳۶ اور ۳۷، اس کے بعد نعت کا اس طرح آغاز کرتے ہیں (شعر ۳۸) ؎

نُبّئتُ انّ رَسُول اللّٰہ اَوعدنی

وَالعفوُ عند رسول اللّٰہِ مَامُولُ

اور اس شعر پر نعت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کیا ہے اور اسی شعر کو سماعت فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک ان کو بطور خوشنودی عطا فرمائی !

اِنّ الرّسُول لنورٌ یُستضاءُ بِہٖ

مُھنّدٌ مِن سیُوف اللّٰہ مسلُولُ

صارمٌ

مگر قصیدہ ۵۸ اشعار پر اختتام پذیر ہوتا ہے !

آپ ذرا غور کیجئے کہ عفو تقصیر کے لئے قصیدہ پیش کیا جاتا ہے لیکن تشبیب سے آغاز

کیا جاتا ہے اور تشبیب دو تین اشعار پر ختم نہیں ہوتی بلکہ تشبیب میں ۱۴ اشعار ہیں اور پھر ناقہ کی تعریف ہے جو تمام تر غلو پر مبنی ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام اشعار کو سماعت فرماتے ہیں، بعض ناقدین کہتے ہیں کہ تمام تر قصیدہ سماعت فرمانا حضرت کعب بن زہیر (رضی اللہ عنہ) کی تالیف قلب کے لئے تھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، دانائے حقیقت تھے۔ عرب جاہلیت کی شاعری کے اسلوب سے بخوبی آگاہ تھے آپ جس طرح ان کی خطابت کے اسالیب سے آگاہی رکھتے تھے اسی طرح شعر جاہلیت کے خصوصیات سے بھی واقف تھے آخر آپؐ نے بعثت سے پہلے کی زندگی اسی ماحول میں تو گزاری تھی جس میں یہ شاعری رچی بسی ہوئی تھی۔ حضرت عبدالمطلب کے انتقال پر جو پُرگداز مرثیے آپ کے افراد خاندان نے کہے وہ آپ سماعت فرما چکے تھے، ان مرثیہ کہنے والوں میں آپ کی عمّات، صفیہ بنت عبدالمطلب، برّہ بنت عبدالمطلب، اسمہ بنت عبدالمطلب اور اروی بنت عبدالمطلب بھی شامل تھیں! اس لئے آپؐ نے کعب بن زہیر کے تمام اشعار کو سماعت فرمایا اور جب یہ شعر سماعت فرمایا ؎

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ
مُھَنَّدٌ (صَارِمٌ) مِّنْ سیوفِ اللہِ مسلولٌ

تو اس وقت دوشِ مبارک پر جو ردائے اطہر تھی وہ بطور اظہار مسرّت حضرت کعبؓ کو مرحمت فرمادی!

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام میں حضرت ابوطالب اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نغز گو شاعر تھے، پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اعتبار سے شعرِ جاہلیت کے خصائص شناس تھے، ہاں یہ ضرور ہے کہ دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہونے والی مبارک اور محترم ہستیوں نے اس قصیدہ گوئی کو ترک کر دیا تھا۔ جو عصرِ جاہلیت کا طرّۂ امتیاز تھا۔ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہونے کے بعد اس شاعری کو ترک کر دیا جو عصر جاہلیت کے شعراء کا شعار تھا؛ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے خمریات پر مبنی (قبل اسلام) کے اشعار ادبیات عربی

میں آج بھی موجود ہیں لیکن عصر جاہلیت کی خصوصیات رکھنے والی شاعری سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بے اعتنائی کا یہ عالم نہیں رہا، جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں اموی سلطنت اور حکومت عباسیہ کے دور میں شعراء مدحت طرازی اور خمریات میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ شعرائے عصر جاہلیت کو بہت پیچھے چھوڑ دیا، آپ کو حیرت ہوگی کہ ساتویں صدی ہجری کے عظیم اور معروف بزرگ علامہ محمد بن سعید بوصیری رحمۃ اللہ نے جب اپنا مشہور قصیدہ "مدح البردہ" المعروف بہ "قصیدۂ بردہ" رقم کیا ہے جس کا موضوع نعت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو وہ بھی بغیر تشبیب کے اس کو مکمل نہ کرسکے اس لئے کہ تشبیب عربی قصیدہ کا جزو لاینفک تھی۔ قصیدہ بردہ کے تشبیب کے اشعار ملاحظہ کیجئے!

امن تذکر جیران بذی سلم
مزجت دمعا جری من مقلۃ بدم

ام ھبت الریح من تلقاء کاظمۃ
او اومض البرق فی الظلماء من اضم

فما بعینیک ان قلت اکففا ھمتا
وما لقلبک ان قلت استفق یھم

ایحسب الصب ان الحب منکتم
ما بین منسجم منہ و مضطرم

لولا الھوی لم ترق دمعا علی طلل
ولا ارقت لذکر البان والعلم

فکیف تنکر حبا بعد ما شھدت
بہ علیک عدول الدمع والسقم

یہ تشبیب ۱۲ اشعار پر مشتمل ہے، اس کے بعد "ہوائے نفس" سے مما نعت پر ۱۶ اشعار ہیں اس کے بعد ایک والہانہ انداز میں نعت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز کیا ہے نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا شعر یہ ہے ؎

ظلمتُ سُنَّةَ مَن اَحيَ الظَّلاَم اِلٰی
اَن اشتَکَتْ قَدَمَاہُ الضُّرَّ مِن وَّرَمِ

ان کی بزرگ شخصیت اور ان کا تقویٰ اگرچہ اس امر کا شاہد ہے کہ ان کی اس تشبیب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جذبہ موجود ہے لیکن مجھے تو یہ عرض کرنا تھا کہ قصیدہ بغیر تشبیب کے نہیں کہا جاتا تھا اور تشبیب کے جو مقتضیات معین تھے ان سے شاعر اعراض نہیں کرسکتا تھا عربی شاعری نے دورِ اسلامی میں خلافت راشدہ کے بعد جو رنگ اختیار کیا وہ اگر آپ دیکھنا چاہیں تو دوسری، تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے شعراء کے یہاں دیکھ لیجئے! دیوان متنبی کو چھوڑیئے کہ ایک آزاد منش اور انعام واکرام کے حریص کا دیوان ہے جس میں آپ کو مدح اور ہجو کے بہترین نمونے ملیں گے، شعرائے جاہلیت اور عہد اسلامی کے شعراء کے کلام کے مطالعہ کے لئے "حماسہ" کی ورق گردانی کیجئے، اس میں وہ تمام انواع سخن موجود ہیں جو عربی شاعری کی جان ہیں اور جو۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ۞ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ
وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۞ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۞

کا مصداق ہیں؛

شعرائے جاہلیت کی
مدحیہ شاعری یا مدحت طرازی

عہد جاہلیت میں مدحیہ شاعری کو وہ فروغ حاصل نہیں ہوا جو عشقیہ شاعری کو حاصل تھا اس کے چند وجوہ اور علل ہیں اوّل یہ کہ عصر جاہلیت میں غیرت ملی کا جذبہ شاعروں کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھا وہ ہر امیر یا سلطان کی مدح سے نفور تھے ایک تو قبائل میں امراء و ملوک کی شان کے لوگ نہ تھے، دولت کی بہتات نہ تھی کہ مانگنے والوں کی جھولیاں بھر دیں، دوسرے یہ کہ جیسا آپ کے مطالعہ سے گزر چکا ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک شاعر، ایک خطیب اور ایک

نسّابہ ہوتا تھا جو ان کی عظمت وسربلندی کے مناظرے ہوتے تھے۔ اکثر ایک ہی فرد یہ تینوں فرائض انجام دیتا تھا یہی سبب تھا کہ قبیلہ کے افراد اس کی بڑی عزت و توقیر کرتے تھے اور اس کی ضروریات زندگی کے کفیل ہوتے اسی لئے اس کو مدحت طرازی کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی اور نہ قبیلے کے افراد یہ گوارا کر سکتے تھے کہ ان کا شاعر کسی دوسرے قبیلے یا سردار قبیلہ کی مدحت طرازی کر کے اُنکے قبائلی وقار کو خاک میں ملائے، خود شاعر کو یہ گوارا نہ ہوتا تھا کہ دوسرے قبیلہ کی مدحت طرازی کر کے اپنے قومی اور قبائلی وقار کو برباد کرے کیونکہ قبیلہ کا شاعر عموماً اسی قبیلہ کا ایک فرد ہوتا تھا اس لئے وہ اس ننگ و عار سے ہمیشہ بچتا تھا البتہ یہ صورت اس وقت پیش آتی تھی جب قبیلے کا شاعر اپنی ضروریات زندگی کی عدم کفالت کی بنا پر قبیلے سے ناراض ہوجاتا تو دوسرا قبیلہ اظہار تفاخر و برتری کے لئے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتا اور اس پر انعام و اکرام کی بارش بڑھ چڑھ کر کرتا یا یہ صورتِ حال پیش آتی کہ اس شاعر کے ہاتھوں اس قبیلے کے کسی فرد کا خون ہوجاتا تو وہ قصاص اور دیت سے بچنے کے لئے دوسرے قبیلہ کا رُخ کرتا اور اس کی مدح سرائی کر کے اپنے لئے مامن حاصل کر لیتا لیکن نتیجہ یہ ہوتا کہ ایسے دو قبیلوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی لیکن ایسی صورت شاذ ہی پیش آتی تھی؛

اِن ہی وجوہ کے باعث اشعار جاہلیت میں جس کثرت سے "حماسہ" کے موضوع پر اشعار ملینگے اتنے اشعار آپ مدح میں نہیں پائیں گے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں اور خلافت راشدہ کے دور سعادت آفریں کے بعد بنی اُمیّہ اور بنی عبّاس میں مدحت طرازی کا بازار خوب گرم ہوا اور دنیا پرست شاعروں پر انعام اکرام کی ایسی بارش ہوئی کہ شاہان فارس بھی ان کے برابر نہ پہنچ سکے، برامکہ کی ایسی نوازشیں تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں؛

چوتھی صدی ہجری کا مقبول شاعر ابو طیب متنبیؔ (جس کا کلام آج بھی مدارس عربیہ میں پڑھایا جاتا ہے) کا دیوان اٹھا کر دیکھئے مدحیہ شاعری سے بھرا پڑا ہے اور وہ بھی کسی عظیم الشان سلطان کی مدحت طرازی نہیں ہے بلکہ مملکتِ شام کی ایک چھوٹی ریاست جو حلب میں قائم تھی اور جس کا سربراہ علی بن حمدان المعروف بہ سیف الدولہ تھا۔ اسی طرح وہ کافور اخشیدی کی کئی سال تک مدح سرائی کرتا رہا پھر بلاد فارس میں پہنچ کر آلِ بویہ کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔ متنبی کی متاع

شاعری مدحت طرازی اور ہجو نگاری کا ایک عظیم سرمایہ ہے۔

بہرحال شعرائے جاہلیت کے یہاں مدحت طرازی کا وہ عنصر موجود نہیں ہے جو بنو امیہ اور بنو عباس اور ان کے بعد کی سلطنتوں اور ریاستوں کے سربراہوں کی داد و دہش سے عہد اسلامی میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ بعض شعراء جاہلی جب وابستہ قبائل سے اپنی وفاداریاں تبدیل کرتے تو دوسرے سرداران قبائل کی نوازشوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے ان کی مدحت طرازی سے کام لینا پڑتا۔

اُمیہ بن ابی الصلت نے جو عصر جاہلی کا مشہور شاعر ہے امیر عبداللہ بن جدعان کی مدح ایک اچھوتے انداز میں کی ہے کہتا ہے ؎

اأذکر حاجتی ام قد کفانی حیاءک ان شیمتک الحیاء

وعلمک بالحقوق وانت قرم لک الحسب المہذب والثناء

کریم لا یغیرہ صباح عن الخلق الجمیل ولا مساء

یعنی۔کیا میں آپ سے اپنی حاجت بیان کروں یا میرے لئے آپ کی حیا ہی کافی ہے جو آپ کی سرشت اور طینت ہے، آپ لوگوں کے حقوق سے بخوبی واقف ہیں، آپ عظیم سردار ہیں اور آپ کو علو مرتبت حاصل ہے، آپ ایسے کریم ہیں جس کو صبح و شام (کی تبدیلیاں)، کرم اور اچھے اخلاق سے نہیں پھیر سکتی ہیں۔

عصر جاہلیت کی شاعری کا جائزہ لیجئے آپ کو صرف چند ہی مدحت طراز شعراء ملیں گے جس کا سبب میں بیان کر چکا ہوں، ان میں عمرو بن اہتم، متلم بن ریاح المری، منصور بن سجاح عامر بن حوط، نابغہ ذبیانی۔ امیہ بن الصلت، شریح بن الاحوص، حاتم، حطایط بن لیغصر اور معدودے چند دوسرے شعراء، بیحد و بے حساب حماسہ نگار شعراء کے مقابلہ میں ان چند شعراء کی کیا اہمیت! حقیقت یہ ہے کہ عصر جاہلیت میں طبائع مدحت طرازی کی طرف مائل ہی نہ تھیں اور اس کا سبب ظاہر ہے کہ مدحت طرازی حصول انعام کے لئے کی جاتی ہے اور جب توقع ہی نہ ہو تو پھر مدحت طرازی کس طرح ہو! لیکن اس کمی کو دوسری صدی ہجری اور اس کے بعد

کی قرنوں میں عربی شعرائے پورا کردیا اور جب شاہان فارس کا دور آیا تو سامانی، غزنوی اور سلجوقیہ دربار سے وابستہ شاعروں نے مدحت طرازی میں مبالغہ کو آخری حدوں تک پہنچایا اور یہ کہنے میں بھی ان کو باک نہیں ہوئی کہ ؎

نہ کرسئ فلک، نہد اندیشہ زیر پائے
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

اِن مدحت نگار عربی شعرا اور فارسی شعرا کی مدحیہ شاعری کو آپ شاعری کے نقطہ نگاہ سے خواہ کتنا ہی سراہیں لیکن حقیقت کی نگاہ میں وہ کذب اور دروغ کے ایک طومار کے سوا کچھ نہیں، اردو شعرا میں سودا اور ذوق کے قصیدوں کا بھی یہی عالم ہے ایک مجبور اور بے بس بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) کی مدحت سرائی میں استاد ذوق نے کیا کچھ نہیں کہا؛

آپ نے دیکھا کہ ساتویں صدی ہجری میں بھی عربی قصائد کا یہی رنگ تھا، پہلی صدی ہجری اور ساتویں صدی ہجری تک ہزاروں قصیدہ نگار عربی شعراء گزرے ہیں، تاریخ ادب العربی میں ان کے اشعار موجود ہیں، جداگانہ طور پر بھی اس دور کے مشاہیر شعرائے عرب کے دواوین شائع ہو چکے ہیں اس برصغیر پاک و ہند میں عربی زبان میں قصیدہ نگار شعراء میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کا نام بہت مشہور ہے، ان کے عربی شاعری میں کئی دیوان ہیں، ان کے قصائد میں بھی تشبیب کا وہی رنگ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان کی قصیدہ نگاری میں تشبیب ایک جزو لاینفک تھی اور کسی حال میں بھی اس کو ترک نہیں کیا جا سکتا تھا ساتویں صدی ہجری ہی پر عربی شاعری کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے بعد بھی یہ روش قصیدہ نگاری جاری و ساری رہی جیسا کہ ابھی عرض کیا علامہ آزاد گیارھویں صدی ہجری کے عربی زبان کے مشہور شاعر ہیں۔ ماورائے ہند عرب و عراق و مصر و ایران میں بھی باوجود فارسی زبان کی ترقی کے بہت سے عربی زبان کے شاعر موجود تھے، ان سب حضرات کے یہاں قصیدہ میں یہ تشبیب موجود رہی؛ یہی تشبیب جب ایران میں متعارف ہوئی تو اس کو قصیدہ سے الگ کر کے اسی تشبیب کا نام غزل رکھ لیا گیا، ورنہ عربی زبان میں غزل کا وجود

نہیں ہے، فارسی زبان کی غزل اپنی خصوصیات کے ساتھ اس برصغیر میں پہنچی یہاں فارسی غزل گو شعراء نے غزل کے موضوع کے تحت نازک خیالیوں کی ایک دنیا بسادی! اردو زبان میں فارسی غزل کا بھرپور تتبع کیا گیا اور آج تک اسی ہیئت کے ساتھ اردو زبان میں غـزل موجود ہے!

فارسی زبان میں قصیدہ نگار شعرار نے نعت میں بھی عربی رنگ کو اپنایا، انوری ان میں سرخیل ہے۔ اس کے یہاں نعت کم ہے سلاطین عصر کی مدحت طرازی میں اس نے اور ظہیر فاریابی نے اپنا سارا زورِ فکر اسی پر صرف کردیا ہے! صرف خاقانی، شروانی اور اس کے بعد اس برصغیر میں عرفی نعتیہ قصیدہ نگار شعرار میں معروف و مشہور ہیں۔ خاقانی کے نعتیہ قصیدوں میں تشبیب بصورت تمہید موجود ہے۔ ۵

دلِ من باغبانِ عشق و حیرانی گلستانش ازل دروازهٔ باغ و ابد حدِ خیابانش

اور ــــ صبحدم چوں کلہ بندد آہِ دود آسائے من در شفق چوں خوں نشیند چشم شب پیمائے من

خاقانی کے مشہور نعتیہ قصیدے ہیں ان میں تمہیدیں یا تشبیبیں کافی طویل ہیں! میں یہاں اردو نعتیہ نگار شعراؔ کا تذکرہ نہیں کروں گا کہ بات بہت آگے بڑھتی جارہی ہے!

میری اس تمام تر گزارش کا مقصد صرف یہ ہے کہ عربی مدحت طرازی میں تشبیب کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور کوئی شاعر بھی اس سے گریز نہیں کرسکا جیسا کہ آپ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے قصیدے میں ملاحظہ کرچکے اور مشہور زمانہ نعت گو شاعر امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی تشبیب آپ کی نظر سے گزری ان حضرات کی تشابیب میں محبوبہ کا ذکر ہے اس کے فراق کی صعوبتوں کا بیان ہے، ان قصیدوں میں غایت درجہ ادب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ورنہ عصر جاہلیت میں تو یہ لوگ بالکل آزاد تھے۔ تشبیب میں وہ سب کچھ کہہ جاتے تھے جو آج اردو غزل کا مزاج بن گیا ہے!

"قصائد سبع معلقات" کی تشابیب دیکھئے، حماسہ میں تشبیب کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے جس کے تحت متعدد شاعروں کی تشابیب یا ان کی عشقیہ شاعری کو پیش کیا ہے، اب میں عربی شاعری سے ایک مخصوص موضوع یا صنف سخن کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اس سے میری مراد ہے حماسہ یا فخریہ شاعری!

حماسہ یا فخریہ شاعری

حماسہ یا اظہار برتری پر مبنی اشعار عربی شاعری کی جان ہیں! عصر جاہلیت میں قصیدوں کی آن بان اسی حماسہ کے ذریعہ قائم تھی. عصر جاہلی پر ہی موقوف نہیں بلکہ اموی اور عباسی سلطنت میں بھی عشقیہ شاعری اور حماسہ ہی کے دم سے شاعری کا بھرم قائم تھا. عصر جاہلیت میں نسابہ، خطیب اور شاعر اپنے قبیلے کی شان وشکوہ کے اظہار کے لئے ان کے اسلاف کے کارناموں کو بڑے طمطراق سے پیش کیا کرتے تھے. سبع معلقات کی شان وشوکت اور ان قصائد کی حقیقت معنوی اعتبار سے تشبیب اور حماست ہی سے قائم تھی، امراء القیس کے آباد اجداد تو بہر حال ایک چھوٹی سی عرب ریاست کے حکمراں تھے اور وہ اپنی اس حکومت کو حاصل کرنے کے لئے تگ ودو بھی کرتا رہا لیکن کامیاب نہ ہوا، اس لئے اس کا غرور امارت تو کسی حد تک بجا کہا جا سکتا ہے لیکن معلقات کے دوسرے شعراء کے یہاں یہ فخر و مباہات محض ایک روایتی یا رچی بسی چیز تھی بجز اس کے کہ انہوں نے "ایام العرب" میں شاید کچھ کارنامے انجام دیئے تھے اور اس پر وہ نازاں تھے لیکن ایسا معاملہ ہر شاعر کے ساتھ تو پیش نہیں آیا تھا. بجز اس کے کہ فخر ومباہات کا یہ جذبہ عربوں کے خمیر میں داخل تھا خواہ وہ عرب جاہلیت ہو یا غیر جاہلی. سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو گرامی خطبہ ارشاد فرمایا اس میں اس نسلی تفاخر اور تعلّی سے اہل ایمان کو روک دیا اور ان کو بتا دیا کہ کسی عربی کو عجمی پر برتری نہیں بزرگی کا مدار تقوی ہے اور تم میں وہی اللہ کے نزدیک برتر ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے!

لیکن اس کو کیا کہئے کہ خلافت راشدہ کے دور میں بھی یہ جذبۂ برتری اور نسلی تفاخر قطعاً نیست ونابود نہ ہو سکا، خلافت راشدہ کے بعد یہ دبی ہوئی چنگاریاں پھر بھڑک اٹھیں اور ملوک وسلاطین کے دربار سے وابستہ شاعر جلب منفعت کے لئے "حماست" کو خوب ہوا دیتے رہے! عصر جاہلیت میں تو مال ودولت کی نہ یہ فراوانی تھی اور نہ ملوکیت وسلطنت کا طمطراق تھا لے دے کے آباد اجداد کی عزت وسربلندی کے افسانوں کی متاع بیش بہا ان کے

پاس موجود تھی۔ قبیلوں کے شاعر اور نسّابین اپنے زورِ خطابت و اسالیب بیان اور شعرا اپنی فکر کی ندرت اور زورِ بیان سے ان میں مبالغہ آرائی کے رنگ بھرتے اور پھر اپنے ممدوح یا متعلقہ قبیلے کی شجاعت، جوانمردی، مہماں نوازی کو اس طرح پیش کرتے کہ دوسرے قبیلے ان اوصاف میں ان کے مقابل ہیچ نظر آتے؛

"ایام العرب" کا مطالعہ کیجئے یہ جھڑپیں اور خانہ جنگیاں اکثر اسی جذبہ تفاخر کے اظہار کے نتیجے میں پیش آتی تھیں، اپنے حلیف قبیلے کی آزمائش کے وقت مدد کرنا وہ اپنی نسبی شرافت کی دلیل سمجھتے تھے، جنگ بعاث، عصر جاہلیت کی عظیم اور طویل جنگ ہے وہ اسی "حماست" کی بدولت چھڑی۔ بہرحال یہ ایک بڑی طویل داستان ہے، عصر جاہلیت کی غیرت و حمیت کے اہم تقاضوں میں سے یہ ایک تقاضہ "حماسہ یا فخریہ شاعری بھی تھی! میں یہاں صرف عصر جاہلیت کے حماسہ سے چند اشعار ہی پیش کروں گا تاکہ قارئین پر ان کے اس جذبہ کا کچھ اظہار ہو سکے؛

بنی خزاعہ کی شاخ بنی مُلیح کا ایک شاعر کثیرہ عَزّہ اس طرح اظہار تفاخر کرتا ہے ؎

الیس ابی بالصلت ام لیس اخوتی

لِکل ھجانٌ من بنی النضر ازھرا

رایت ثیاب العصب مختلط السّدی

بنا دبھم والحضرمیّ الخضرا

یعنی — کیا میرا باپ صلت نہیں ہے یا میرے بھائی بنی نضر کے شرفا کی اولاد سے نہیں ہیں، کیا مشہور نہیں؟ اے مخاطب تو ہماری اصل اور نسلی بنیاد کو بھی ہماری اور ان کی بڑی چادروں اور حضرم کے نازک اور پتلے جوتوں کی نوک سے ملتا جلتا پائے گا؛

اب چند اشعار قصیّ بن کلاب کے دیکھئے۔ جناب قصیّ قریش کے مورثِ اعلیٰ ہیں آپ ان کے مختصر حالات پڑھ چکے ہیں ؎

انا ابن العاصمین بنی لُؤیٍ

بمکۃ منزلی وبھا ربیت

الی البطحاءِ قد علمت معدُّ

ومروتها رضیت بہا رضیتُ

فلست لغالبٍ ان لّم تاثل

بہا اولاد قیدار والنبیتُ

یعنی — میں بھی لوی کا ایک فرد ہوں جو لوگوں کے محافظ ہیں، مکہ میں میری منزل (گھر) ہے اور اسی جگہ میری نشو و نما ہوئی ہے، وادیٔ بطحا تک بنی معد نے مجھے اچھی طرح جان لیا ہے اور کوہ مروہ سے میں اس طرح راضی ہوں جیسا راضی ہونے کا حق ہے، مجھے یہاں جو غلبہ حاصل ہوا قیدار اور نبیت کی اولاد کی بدولت ہوا اگر وہ یہاں مقیم نہ ہوتی تو مجھے یہ غلبہ کس طرح حاصل ہوتا!

مسافر بن ابی عمرو جس کا سلسلۂ نسب تیسری پشت میں عبد مناف سے مل جاتا ہے۔ جناب عبدالمطلب کے ہاتھوں ظہور چاہ زمزم پر بطور تفاخر کہا ؎

ورثنا المجد من آبا ... ئنا فنمی بنا صعدا

الم نسق الحجیج و نت ... حر الدلاقۃ الرفدا

و زمزم فی ارومتنا ... و نفقاء عین من حسدا

یعنی — ہم نے یہ بزرگی اپنے بزرگوں (آباواجداد) سے ورثے میں پائی ہے اور ہمارے پاس آکر اس بزرگی میں اور اضافہ ہوا۔ کیا ہم حاجیوں کو پانی نہیں پلاتے رہے۔ اور کیا ہم دودھ والی فربہ اندام اونٹنیاں ان کی مہمانداری میں ذبح نہیں کرتے رہے!

اور زمزم کی تولیت ہمارے ہی بزرگوں میں ہمیشہ سے رہی ہے اور جو (اس سلسلہ میں) ہم سے حسد کرے گا ہم اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں گے!

یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ "حماسہ" میں ان شعرانے جو کچھ کہا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے گویا تاریخی حقائق کو نظم کر دیا ہے، ان کے بیان میں فخر و مباہات کا وہ رنگ نہیں ہے جو سبع معلقات یا عصر جاہلیت کے دوسرے شعراء کی فخریہ شاعری میں ہے جن کے چند اشعار میں پیش

کرنے والا ہوں، پھر ان کا بیان کس قدر سیدھا سادہ، صاف اور سلجھا ہوا ہے، اِن شعرائے قدیم کے بعد عصرِ جاہلیت کی نمائندگی کرنے والے شاعروں نے اس حماسہ میں مبالغہ آرائی سے وہ رنگ آمیزی کی کہ صدق کا شائبہ بھی باقی نہ چھوڑا، دوراز کار تشبیہات اور استعاروں سے کلام کو چیستان بنا دیا۔ غریب لفاظ اور نادر تراکیب نے ان کا کلام عسیر الفہم بنا دیا۔ مذکورہ بالا اشعار کے بعد عصرِ جاہلیت کے یہ اشعار دیکھئے!

طرفہ بن العبد البکری کہتا ہے:

ولکن نفی عنّی الرّجال جُراتی   علیهم واقدامی وصدقی معتدی

لعمرک ما امری علیّ بغمّۃٍ   نهاری ولا لیلی علیّ بسرمد

ویوم حبست النّفس عند عراکه   حفاظاً علیٰ عوراته والتّهدّد

علیٰ موطن نخشی الفتیٰ عنده الرّدیٰ

متی تعترک فیه الفرائض ترعد

ترجمہ: ۱۔ لیکن میری جراَت اور دلاوری اور جنگ کے موقع پر میری پیشقدمی نے اور میری نسلی شرافت اور راستبازی نے لوگوں کو میری مخالفت سے دور رکھا ہے؛

۲۔ تیری جان کی قسم! میرا کوئی کام دن میں مجھے متردّد نہیں کرتا اور نہ فکر و پریشانی کے باعث میری راتیں مجھ پر دراز ہیں۔ (یعنی میں پست ہمت نہیں ہوں کہ اپنے کاموں میں پس و پیش کروں اور نہ بزدل ہوں کہ راتوں کی نیند اچاٹ ہو جائے)؛

۳۔ بہت سے ایسے دن گزرے ہیں کہ میں نے قتال و جدال کے وقت (لڑکر) اپنی آبرو کی حفاظت کی ہے اور دشمنوں کی دھمکی سے حواس باختہ نہ ہوا؛

۴۔ میں نے ایسے موقع پر اپنے نفس کو قابو میں رکھا جہاں بہادر کو بھی اپنی ہلاکت کا ڈر ہو اور گھمسان کی جنگ میں خوف سے کپکپانے لگے؛

لبیدؔ بن ربیعۃ العامری کے حماسہ کے موضوع پر یہ اشعار دیکھئے:

فاقنع بما قسم الملیک فانّما   قسم الخلائق بیننا علّامها

واذا الامانۃ قسّمت فی معشرٍ   اوفیٰ باوفر حظّنا قسّامها

۱. اے حاسد! تو خدائی تقسیم پر صبر کر (کریمانہ) عادتوں کو ہمارے درمیان ایک سب سے زیادہ علم رکھنے والے (خدا) نے تقسیم کیا ہے؛

۲. جب دنیا کی قوموں میں امانت تقسیم کی گئی تو امانت کے تقسیم کرنے والے نے ہم کو امانت کے کثیر حصّہ کا حامل بنا دیا، پس تمام قبائل میں ہم سب سے زیادہ امین ہیں؛

۳. خداوند تعالیٰ نے ہمارے شرف اور ہماری بزرگی کا ایسا مکان بنا دیا ہے جس کی چھت بہت ہی بلند ہے اس پر ہمارے قبیلہ کے بوڑھے اور نوجوان سب چڑھتے ہیں؛ (اقوام میں ہمارا مرتبہ بہت بلند ہے)!

عمرو بن کلثوم تغلبی کہتا ہے ؎

نجذّ رؤسھم فی غیر برّ فما یدرون ماذا یتقونا

کان سیوفنا منّا و منھم مخاریقٌ بایدی لاعبینا

کان ثیابنا منّا و منھم خضبن بارجوانٍ اوطلینا

نَصبنا مِثل رھوۃ ذات حَدٍّ محافظۃً وکنّا السّابقینا

حُدیّا النّاسِ کلھم جَمیعاً مقارعۃً بَینھم عن بَنینا

۱. نافرمانی کے نتیجے میں جب ہم ان دشمنوں کے سر قلم کرتے ہیں تو وہ نہیں جانتے کہ کس طرح ہم سے محفوظ رہیں، ان کے لئے کوئی مفر نہیں ہوتی؛

۲. ہماری تلواریں ان پر اور ہم پر گویا کھیلنے والوں کے ہاتھ میں لکڑی کی تلواریں یا کھیل کے کوڑے ہوتی ہیں (دشمن کی تلواروں کو ہم بچّوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔)

۳. گویا ہمارے کپڑے اور ان کے کپڑے (خون میں تر ہو کر) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ انھیں گہرے ارغوانی رنگ میں رنگ دیا گیا ہے؛

۴. جب لوگ (دشمن) جنگ میں گھبرا جاتے ہیں تو ہم دھوۃ جیسے پرشکوہ پہاڑ کی طرح اپنے لشکر قائم کر دیتے ہیں اور اس جنگ میں ہم ہی سب سے آگے ہوتے ہیں؛

۵. ہم تمام لوگوں سے اپنی بزرگی میں معارضہ کرتے ہیں اور ان پر غالب آجاتے ہیں اور ان کی اولاد کو اپنی اولاد سے دور رکھنے کے لئے ان کو تلوار کے گھاٹ اتار دیتے ہیں؛

میں حماسہ کے سلسلے میں ان چند اشعار ہی پر اکتفا کروں گا ورنہ عربی شاعری ان فخریہ اشعار سے مالامال ہے، کوئی ایسا عرب شاعر نہیں جس کے یہاں حماسہ موجود نہ ہو، نہ صرف یہ کہ وہ اپنی شجاعت، دلیری اور آباؤ اجداد اور اپنے نسب پر فخر کرتے ہیں بلکہ اسی سلسلہ میں وہ اپنی میخواری اور بلانوشی کا ذکر کرتے ہیں اور اپنی رندی و سرمستی کے گن گاتے ہیں۔ اپنے اونٹوں کی بہتات، ان کی فربہی پر بھی فخر کرتے ہیں کہ اس سے ان کی شانِ امارت ظاہر ہوتی ہے، وہ اپنی تلواروں، ان کی کاٹ، اپنے نیزوں کی کثرت بھی مایۂ فخر و ناز سمجھتے ہیں۔ اس فخر و تعلّی اور حماست کے بیحد و حساب جوہ ان کے کلام میں موجود ہیں جن کا ذکر یہاں طوالت سے خالی نہیں، اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

اس حماسہ اور فخر ملّی کا حصر جاہلیت کی شاعری ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر ایک عربی شاعر کے یہاں یہ موضوع موجود ہے اور غلو کی حد تک اس سلسلہ میں وہ پہنچ گئے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عرب متعدد قبائل میں بٹے ہوئے تھے، قبیلہ، اس کا بطن اور اس بطن کا حیّ ہر ایک قبیلہ، بطن اور حیّ میں شاعروں کا وجود ضروری تھا۔ جذبۂ تفاخر ان کو ایسے اشعار کہنے پر ابھارتا، جس سے دوسرے قبیلے یا اس کے بطن وحیّ سے اس کی برتری ثابت ہو۔ جس طرح ان سینکڑوں شاعروں نے "حماسہ" پر لاکھوں اشعار اپنی یادگار چھوڑے ہیں، اسی طرح رجزیہ اشعار بھی ان کا سرمایہ ہیں۔ حماسہ پر مبنی اشعار اور رجزیہ اشعار قریب قریب یکساں ہی ہوتے ہیں چنانچہ جب دو قومیں متصادم ہوتیں تو انہی اشعار سے دلوں کو گرمایا جاتا تھا اس حماسہ ملّی اور فخریہ شاعری کا بازار عرب میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہی صدہا سال سے جاری وساری تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جاری رہا چنانچہ اموی خاندان اور عباسی خاندان میں ایسے حماسہ نگار شاعر موجود تھے لیکن وہ اپنی ذات کے بجائے اپنے ممدوح اور اس کے آباؤ اجداد کے گن گاتے تھے، موضوع تو وہی تھا لیکن شخصیتیں بدل گئی تھیں، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس افتخار ملّی کی اساس تقویٰ اور خداشناسی کو قرار دیا اور آپ کی تعلیمات کے نتیجہ میں فخریہ شاعری سے وہ مبالغہ آرائی تو ختم ہوگئی لیکن بعض ایسے مواقع آ ہی جاتے تھے کہ "حماسہ" سے کام لینا پڑتا تھا لیکن حقائق کو بیان

کیا جاتا تھا، دروغ گوئی کے عنصر کا فقدان ہو گیا تھا۔ اسی قبیل کا ایک قصیدہ جناب ابو طالب کا بھی تاریخ ادبیات عرب اور کتب سیر میں موجود ہے جس کا موضوع سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور آپ کے اوصاف ہیں لیکن تمہید میں ان چند حقائق کو جناب ابو طالب نے پیش کیا ہے جن کو تاریخ نے بالکل صحیح قرار دیا ہے:

کتب سیر یہ تو نہیں بتاتیں کہ یہ قصیدہ کس سال کہا گیا ہے لیکن قصیدے کے متن یعنی اس کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شعب ابو طالب میں پناہ گزین ہونے کے وقت کہا گیا ہوگا۔ میں اس نادر روزگار قصیدے کو مع ترجمہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور اس کی صحت کے بارے میں بھی یہ عرض کر دوں کہ وہ قطعاً مشکوک نہیں ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی ہے اور اس تصدیق کی صورت یہ ہوئی کہ ہجرت کے بعد ایک سال مدینے والوں پر قحط کی مصیبت نازل ہوئی۔ بہت سے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے گذارش کی کہ بارش کے لئے دعا فرمائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور بارش کے لئے دعا فرمائی۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ تیز دھواں دھار بارش شروع ہو گئی۔ بارش اتنی شدید تھی کہ لوگوں کو سیلاب اور ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو کثرت باراں کی شکایت کرنے لگے اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعا فرمائی اور دعا میں صرف ایک نہایت ہی بلیغ جملہ فرمایا "اللھم حوالینا ولا علینا" (یا اللہ ہمارے چاروں طرف پانی برسا، ہم پر نہ برسا) چنانچہ مدینہ کے اوپر سے بادل پھٹ گیا اور مدینہ کے چاروں طرف خوب بارش ہوئی! اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آج (جناب) ابو طالب ہوتے تو ان کو اس بارش سے بہت خوشی ہوتی صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کا اشارہ ان کے اس شعر کی طرف ہے ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں میری مراد اسی سے ہے!

جناب ابو طالب کا مشہور قصیدہ

حماسہ اور نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

وَلمّا رایت القوم لاودّ فیہم   وقد قطعوا کُلّ العری والوسائل

میں نے جب اپنی قوم کو دیکھا کہ ان میں محبت و شفقت نہیں رہی اور انھوں نے تمام تعلقات اور رشتوں کو توڑ دیا ہے؛

وَقد صار حُونا بالعداوۃ والاذیٰ   وقد طاوعوا آمر العدوّ المزایل

اور انھوں نے ہم سے کھلی عداوت اور ایذا رسانی شروع کر دی ہے اس طرح انھوں نے ہم سے الگ ہو جانے والے ہمارے دشمن کی بات مان لی؛

وَقد حالفوا قومًا علینا اظنّۃً   یعضّون غیظًا خلفنا بالانامل

انھوں نے ہمارے خلاف ان لوگوں سے معاہدے کئے جو تہمت زدہ تھے اب پیٹھ پیچھے وہ غصّہ سے انگلیاں چباتے ہیں؛

صبرت لھم نفسی بسمراءِ سمحۃٍ   وابیض غضبٍ مِن تراث المقاول

جب میں نے یہ دیکھا تو میں خود ایک لچکیلے نیزے اور امرائے سلف کی وراثت سے ملی ہوئی ایک درخشاں تلوار لے کر ان کے مقابلے میں جم گیا؛

واحضرت عِند البیت رھطی واخوتی   وامسکت من اثوابہٖ بالوصائل

اور میں نے اپنے گروہ اور اپنے بھائیوں کی جماعت کو بیت اللہ کے پاس بلوایا اور اس کی سرخ دھاریوں والی چادریں پکڑ لیں؛

قِیامًا معًا مستقبلین رتاجہٗ   لدی حیث یقضی حلفہٗ کُلّ نافِل

اور ہم سب مل کر اس کے عظیم الشان دروازے کے سامنے اس مقام پر جہاں اپنی برأت ثابت کرنے والا حلف اٹھاتا ہے کھڑے ہو گئے؛

وحیث ینیخ الاشعرون رکابھم   بمفضی السیول من اسافٍ ونائل

اور جہاں زائرین بیت اللہ اپنے اونٹوں کے کجاوے اتارتے ہیں اور وہ جگہ اساف اور نائلہ بتوں کے پاس سے گزرتے ہوئے سیلابوں کی جگہ ہے!

موسّمۃ الاعضاد او قصراتھا مخیسۃً بین السّدیس وبازل

وہ اونٹ جن کی گردنوں کے جوڑوں کے پاس (قربانی کی) علامتیں ہیں اور جن کی عمریں آٹھ اور نو سال کے درمیان ہیں۔

تری الودع فیہا والرّخام وزینۃً باعناقہا معقورۃً کالعثاکل

پوتھ، سنگِ رخام اور زینت کی دوسری چیزیں کھجور کے خوشوں کے مانند ان کی گردنوں میں لٹکی ہوئی پائے گا۔

اعوذ برب النّاس من کلّ طاعنٍ علینا بسوءٍ او ملحٍ بباطل

میں لوگوں کے پالنے والے کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہر اس شخص سے جو ہم پر برائی کی تہمت لگانے والا اور بے جا بات پر اصرار کرنے والا ہے۔

ومن کاشحٍ یسعی لنا بمعیبۃٍ ومن ملحقٍ فی الدّین مالم نحاول

اور ایسے کینہ پرور شخص سے جو ہم پر عیب جوئی کی کوشش کرتا رہتا ہے اور ہمیں ایسے دین میں شامل کر دیتا ہے۔ جس کی طرف ہم نے کبھی قصد نہیں کیا ہے!

کذبتم وبیت اللہ نترک مکّۃً ونظعن الا امرکم فی بلابل

بیت اللہ کی قسم، تم جھوٹ بولے کہ ہم مکّہ چھوڑ کر چلے جائیں گے اور ہم یہاں سے سفر کر جائیں گے، یہ محض تمھارا خیال اور تمھارے وسوسے ہیں۔

کذبتم وبیت اللہ نبذی محمّداً ولمّا نطاعن دونہ ونناضل

بیت اللہ کی قسم تمھارا یہ خیال غلط ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلے میں مغلوب ہو جائیں گے۔ حالانکہ ابھی تک ہم نے نہ نیزہ اٹھایا ہے اور نہ ہی تیر چلائے ہیں۔

ونسلمہ حتّی نصرع حولہ ونذھل عن ابنائنا والحلائل

تم نے یہ غلط سوچا ہے کہ ہم انھیں تمھارے حوالے کردیں گے ایسا ہرگز نہیں ہوگا؛ یہاں تک کہ ہم ان کے چاروں طرف اس طرح پھیل جائیں گے کہ بیوی بچوں کا بھی خیال نہیں رہے گا؛

وینہض قوم بالحدید الیکم نہوض الروایا تحت ذات الصلاصل

تمھارے مقابلے میں ہمارے مسلح لوگ اس طرح اٹھیں گے جیسے پانی پلانے والی اونٹنیاں شور کرنے والوں کی پکھالوں کے نیچے سے گزر کر اٹھتی ہیں؛

وحتی نری ذا الضغن یرکب ردعہ من الطعن فعل الانکب المتحامل

حتیٰ کہ ہم یہ نظارہ کرینگے کہ ہمارا کینہ پرور دشمن برچھی کا زخم کھا کر خون میں نہاتے ہوئے بمشکل چلنے والے شخص کی طرح منہ کے بل گر رہا ہے؛

وانا لعمر اللہ ان جد ما اری لتلتبسا اسیافنا بالاماثل

اللہ تعالیٰ کی بقا کی قسم، جن واقعات کا میں خیال کرتا ہوں اگر وہ حقیقتاً اسی طرح واقع ہوئے تو ہماری تلواریں رُو دار اور بڑے لوگوں کو اپنا پہناوا پہنائیں گی، (ان کے جسموں سے آر پار ہو جائیں گی)؛

بکفی فتیٰ مثل الشہاب سمیدع اخی ثقۃ حامی الحقیقۃ باسل

وہ تلواریں ایسے جوانمرد کے ہاتھوں میں ہوں گی، جو شہاب کا سا (روشن چہرے والا ہوگا) اعتماد کے قابل اور صداقت کی حمایت کرنے والا دلاور ہوگا؛

شہوراً وایاماً وحولاً محرماً علینا وتاتی حجۃ بعد قابل

اسی حالت جنگ میں ہم پر کئی دن، کئی مہینے اور کئی سال گزر جائیں گے اور آنے والے حج کے بعد اور حج بھی آئیں گے۔ یعنی یہ سلسلہ سالوں جاری رہے گا۔

وما ترك قوم لا ابالك سیداً یحوط الذمار غیر ذرب مواکل

تیرا باپ مر جائے (تیرا ناس جائے) ایسے سردار کو چھوڑ دینا کیسی گری ہوئی بات ہے جو حمایت کے قابل چیزوں کی حمایت کرتا ہے، وہ نہ فسادی ہے اور نہ اپنا کام دوسروں کے ذمہ چھوڑنے والا ہے؛

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

وہ سردار! جو ایسے روشن چہرے والا ہے کہ اس کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کی سرپرستی کرنے والا ہے اور بیواؤں کے کام آتا ہے۔

یلوذ بہ الھلاک آل ھاشمٍ فھم عندہٗ فی رحمۃ و فواضل

یعنی بنی ہاشم کے مفلس اس کے یہاں پناہ لیتے ہیں اور وہ اس کی پناہ میں ناز و نعم میں ہیں اور اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں۔

لعمری لقد اجری اسیدٌ و بکرہٗ الیٰ بغضنا وجزّانا لاٰکل

اپنی جان کی قسم! اُسید اور اس کے جوان بیٹے نے ہم سے دشمنی کرنی چاہی اور ہمیں کھانے والے (دشمن) کے لئے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

وعثمان لم یربع علینا وقنفذ ولکن اطاعا امر تلک القبائل

رہے عثمان تو انھوں نے ہماری جانب توجہ ہی نہیں کی، نہ قنفذ نے بلکہ انھوں نے ہمارے دشمن قبیلوں کے احکام کی اطاعت کی۔

اطاعا ابیًّا وابن عبد یغوثھم ولم یرقبا فینا مقالۃ قائل

انھوں نے ابیّ کی اور اپنے ابن عبد لیغوث کا کہا مانا، اور ہمارے متعلق کسی کہنے والے کی (درست اور اچھی) بات کی جانب توجہ بھی نہ کی۔

کما قد لقینا من سبیعٍ و نوفلٍ وکلٌّ تولی معرضًا لم یجامل

اپنے ساتھ سبیع اور نوفل کا بھی ہم نے یہی برتاؤ پایا۔ ہر ایک ہم سے منہ پھیر کر پلٹ گیا۔ کسی نے بھی ہمارے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا۔

فان یلقیا او یمکن اللّٰہ منھما نکل لھما صاعًا بصاع المکایل

پھر اگر وہ کہیں پائے جائیں یا اللہ تعالیٰ ان سے بدلا لینے کی قدرت ہم کو دیدے تو ہم بھی ان سے صاع بہ صاع بدلہ چکائیں گے (ہر بات کا بدلہ لیں گے)۔

وذاک ابو عمرٍو ابی غیر بغضنا لیطعننا فی اھل شاء وجامل

اس ابو عمرو کی تو کیفیت یہ ہے کہ وہ ہماری دشمنی کے سوا ہر چیز کا منکر ہے،

چاہتا ہے کہ ہم بکریوں والے اور اونٹوں والے بدویوں میں جا کر وہاں بسنے پر مجبور ہو جائیں (اور مکہ چھوڑ دیں)؛

يناجي بنا في كلّ ممسىً ومصبح فناج اباعمرٍ بنا ثمّ خاتل

صبح و شام ہمارے متعلق سرگوشیاں کرتا رہتا ہے، اے ابوعمرو! ہمارے متعلق خوب سرگوشی کر لے تو پھر دغابازی کر؛

ويُولي لنا بالله ما ان يغشّنا بلىٰ قد تراهُ جهرةً غير حائل

تو ہم سے تو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ دغابازی نہیں کرے گا، کیوں نہیں؟ ہم تو بے پردہ علانیہ یہی دیکھ رہے ہیں کہ تو دغا کر رہا ہے؛

اضاق عليه بغضنا كلّ تلعةٍ مِن الارض بين اخشب فمجادل

ہر وہ وادی جو کوہ اخشب و کوہ مجادل کی درمیانی زمین پر واقع ہے۔ ہماری دشمنی میں ابوعمرو کے لئے تنگ ہو گئی ہے؛

وسائل ابا الوليد ماذا حبوتنا بسعيك فينا مُعرضا كالمخاتل

ابوالولید سے پوچھ کہ دغابازوں کی طرح منہ پھیر کر اور ہمارے خلاف کوشش کر کے تو نے ہمیں کیا کچھ نقصان پہنچایا؟

وكنت امرأً ممّن يعاش برائيه ورحمته فينا ولست بجاهلِ

تو اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ ہم سے متعلقہ امور میں تیری حالت اس شخص جیسی ہو گئی ہے، جو خود رائی اور اپنے جذبات میں زندگی بسر کرتا ہے؛

فعتبة لا تسمع بنا قول كاشحٍ حسودٍ كذوبٍ مُبغضٍ ذي دغاول

اے عتبہ! ہمارے متعلق ایسی عداوت رکھنے والوں کی بات پر توجہ نہ دے جو حاسد ہیں، جھوٹے ہیں، دشمنی رکھنے والے اور فساد برپا کرنے والے ہیں؛

ومرّ ابوسفيان عنّي معرضاً كما مرّ قيلٌ من عظام المقاولُ

ذرا دیکھو ابوسفیان بھی میرے پاس سے منہ پھیر کر اس طرح گزر گیا، جس طرح وہ کوئی بڑا نواب ہے!

جناب ابوطالب کے اس قصیدے پر حماسہ کا رنگ ہر چند کہ غالب نہیں ہے بلکہ انھوں نے ان مصائب و مشکلات کا بیان کیا ہے جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں ان کو درپیش تھے بایںہمہ ان کی غیرت قومی کا بھی اس سے اظہار ہوتا ہے اور حماسہ کا بھی رنگ جھلک رہا ہے نیز چند اشعار نعتیہ بھی ہیں یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پر مبنی ہیں، یہ قصیدہ بہت طویل ہے میں نے یہ چند اشعار اس لئے پیش کردیئے تاکہ آپ کو معلوم ہوجائے کہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں عربی شاعری کا کیا رنگ تھا۔

پچھلے صفحات میں آپ عرب جاہلیت کی انواعِ شاعری یعنی فخریہ شاعری (حماسہ) خمریہ شاعری، مدحیہ شاعری، مرثیہ نگاری اور ہجو گوئی یا ہجو نگاری کے سلسلہ میں کچھ اشعار ملاحظہ کرچکے ہیں، ان کی زبان کی فصاحت و بلاغت کے اظہار کا میدان یہی تھا یعنی شاعری! قبائل عرب میں ہر قبیلے کے لئے ایک خطیب یا نسّابہ ہوتا تھا لیکن شاعری کے لئے کوئی قید نہیں تھی ہر جوان فرد شاعری کرتا تھا اس طرح ایک قبیلے میں متعدد شاعروں کا وجود کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں، مال و متاع کی طرح شاعری بھی ان کو ورثہ میں ملی تھی اس لئے ہر ایک گھر میں ایک یا چند افراد شاعر ہوتے تھے البتہ قومی شاعر یا قبیلہ کا شاعر عموماً خطیب اور نسّابہ کی طرح ایک ہی ہوتا تھا، یہ شعرا تمام اصنافِ سخن پر بھرپور دسترس رکھتے تھے البتہ اپنی افتاد طبع کے اعتبار سے کوئی تشبیب کا زیادہ دلدادہ ہوتا تھا اور کوئی حماسہ کا، کسی کو مرثیہ گوئی زیادہ پسند ہوتی تھی اور کسی کو خمریہ شاعری!

ہمارے یہاں اردو شاعری میں بھی ایسے رجحانات موجود ہیں۔ متقدمین شعراء میں ولی دکنی اور میر تقی میر غزل کے استاد ہیں، سودا اور ذوق قصیدہ نگاری سے زیادہ شغف رکھتے تھے اور اپنا تمام زورِ طبع قصیدہ گوئی پر صرف کردیا جس کے باعث ان کی غزلیں بس نام کی غزلیں ہیں جب کہ ذوق کے معاصرین میں غالب اور مومن غزل کے بہترین شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کا تمام تر شعری سرمایہ یہی غزلیں ہیں؛ شعرائے عہدِ جاہلیت کی قصیدہ نگاری، مدحیہ شاعری نہیں تھی بلکہ وہ اپنے ان قصائد میں تشبیب (عشقیہ شاعری) اور حماسہ (فخریہ شاعری) پر اپنا تمام زور صرف کردیتے تھے، اس کے بعد اظہارِ برتری اور شاعرانہ کمال کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی

اونٹنیوں کی تیز رفتاری، ان کے سڈول جسموں اور اپنے گھوڑوں اور اپنے اسلحہ (نیزے اور تلواروں) کی تعریف کرتے تھے اور اسی کو وہ اپنی شاعری کا کمال سمجھتے تھے؛ فخریہ شاعری (حماسہ) کے یہی عناصر ان کے یہاں تھے؛

سبعہ معلقات کے شعراء، امرؤ القیس، زہیر، طرفہ، عمرو بن کلثوم وغیرہ۔ نابغہ اور اعشیٰ نے قصیدہ نگاری اور تشبیب نگاری میں شہرت حاصل کی اور بعض نے خمریات میں؛ عصر اسلام (عہد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم) میں حضرت حسّانؓ بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نعت گوئی میں اعلیٰ مقام حاصل کیا، حالانکہ یہی حضرت حسّانؓ بن ثابت عصر جاہلیت میں خمریات خوب کہتے تھے؛ اسلام کے اس عہد مسعود کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں فتوحات کے سیلاب تندرو نے اور شوق جہاد نے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ اس طرف توجہ کی جاتی اگرچہ یہ دور بھی شعرائے سے بالکل خالی نہ رہا لیکن جذبۂ دینی کے فروغ اور خلفائے راشدین کی سطوت دینی نے اس بے سروپا اور لایعنی شاعری کو پنپنے نہیں دیا البتہ دور بنی امیہ اور بنی عباس میں مدحت نگاری کا بازار خوب ہی گرم ہوا اور ان سلاطین کی زرپاشیوں نے ہزاروں مدحت نگار شاعر پیدا کر دیئے؛ عشقیہ شاعری کا بازار بھی خوب گرم ہوا خصوصاً عباسی دور میں اُن کی موسیقی سے دلچسپی نے اس کو بہت فروغ بخشا اور پھر یہ سلسلہ زوال سلطنت عباسیہ (ساتویں صدی ہجری کے وسط) تک جاری و ساری رہا؛

ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں ملوک عباسیانِ مصر کا عروج شروع ہوا' اُن کی داد و دہش نے غزل نگاری اور مدحت طرازی کی خوب خوب سرپرستی کی، آلِ سلجوق نے ایران میں اپنی علم دوستی سے فارسی شاعری کو پروان چڑھایا؛ سامانی، غزنوی اور سلجوقی سلاطین کی ادب دوستی کی بدولت ایران میں غزل، مثنوی اور قصیدے کی اصناف نے خوب ترقی پائی۔ غزنویہ خاندان میں شاعری کو جو فروغ حاصل ہوا اس کے لئے عنصری، عسجدی، فرخی اور فردوسی کے نام کافی ہیں؛ انوری اور ظہیر فاریابی کی مدحت نگاری نے سلجوقیہ دور میں مدحت طرازی کی زمین کو آسمان بنا دیا؛ ایران میں دور طوائف الملوکی اور زنگیوں کے عصر استبداد میں خواجہ حافظ شیرازی، خواجو اور سعدی شیرازی نے غزل گوئی کو اس کے کمال کی

سرحدوں تک پہنچا دیا اور یہاں تک کہدیا گیا ؎

در شعر سہ تن پیمبر انند ‌ ‌ ‌ ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را ‌ ‌ ‌ فردوسی و انوری و سعدی

عمر خیام نے اپنی رباعیوں میں خمریات کے نوع بہ نوع مضامین خوب دل کھول کر بیان کئے۔ اس کی رباعیاں ہزاروں میخانوں کی مستیاں اپنے اندر لئے ہوئے ہیں؛ عمر خیام کے بعد جب حافظ شیرازی آئے تو انھوں نے اپنی غزل کے ذریعہ میکدے کے دروازے کھول دیئے کچھ حضرات کا خیال ہے کہ ان کی شراب، یہ مجازی شراب نہیں ہے بلکہ وہ بادۂ حقیقت ہے؛ مجھے اس سے بحث نہیں کہ جناب حافظ شیرازی کی یہ شراب، شراب معرفت ہے یا خمِ میکدہ کی مے پارینہ! یہ ایک علیحدہ موضوع ہے!

بہرحال ان کی غزلوں سے تاثر یہ قائم ہوا کہ فارسی غزلوں میں حافظ شیرازی کے بعد یہ رنگ خوب ہی چڑھا اور اردو شاعری تو فارسی شاعری کی مقلد ٹھہری، اردو غزل میں بھی خمریات کے موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آج بھی یہ موضوع اردو شاعری کا پسندیدہ موضوع ہے؛ عربی شاعری میں خمریات کا موضوع کچھ اس قدر رچ بس گیا تھا کہ ہر شاعر کے یہاں خمریات کے مضامین لازمۂ شاعری بن گئے تھے تا آنکہ شراب کی حرمت نازل ہوئی اور مسلمانوں نے ترک میکشی پر قدم اٹھایا وہ بھی ہجرت کے بعد؛

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی شاعری میں عصر جاہلیت کی شاعری کے بہت سے خصوصیات کو ترک کر دیا گیا تھا، عشقیہ شاعری کا طمطراق ختم ہو چکا تھا اور صاحبان ایمان اس کے بجائے نعت نگاری کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، عہد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسماء گرامی نعت نگار شعراء میں سر فہرست ہیں؛ خلافت راشدہ کے دور میں بھی نعت نگاری کے نغمات بلند ہوتے رہے، مناقب نگاری کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی کہ ان حضرات کو اپنی مدحت کسی طرح بھی پسند نہیں تھی اور نہ اس وقت کے شعراء کو اس مدحت طرازی یا مناقب نگاری کی ضرورت تھی؛

مدحیہ شاعری عربی مدحیہ شاعری کو حقیقی فروغ شخصی سلطنت میں حاصل ہوا، خلافت راشدہ کے بعد شخصی سلطنت کے دو عظیم سلسلے تاریخ اسلام پیش کرتی ہے ایک سلسلہ بنوامیہ کا اور دوسرا بنو عباس کا، اِن ہی دو ادوار میں مدحیہ شاعری کو فروغ حاصل ہوا جو اموی اور عباسی سلاطین کی داد و دہش کا مرہون منت ہے اور یہی دونوں دور عربی شاعری میں مدحت نگاری کا نقطۂ عروج ہیں، دیوان متنبی کا مطالعہ کیجئے امیر سیف الدولہ اور امیر کافور کی مدحت طرازی میں متنبی کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ متنبی سے قبل "صاحب حماسہ" ابو تمام طائی کو دیکھئے کہ عباسی سلطنت کا عہد زریں گزر جانے کے بعد اس کو کس انتشار اور خلفشار سے دوچار ہونا پڑا، ایران میں جب حکومتِ بغداد کی کمزوری سے خود مختاری کی لہر پیدا ہوئی تو امیر عبداللہ بن طاہر کے دربار میں باریابی کے لئے اس کو کمتر درجہ کے امراء مثلاً ابوسعید اور ابوالعیش کی مدحت نگاری کرنا پڑی اور ان کے تعاون سے امیر عبداللہ بن طاہر کے حضور میں باریابی کے موقع پر مدحیہ قصیدہ پیش کیا اور ایکہزار دینار کے صلہ سے سرفراز ہوا! ایران ہی کی سرزمین میں خود مختار سلطنتوں کے قیام نے عربی مدحت نگاری کے ساتھ ساتھ فارسی قصیدہ گوئی کو بہت کچھ فروغ بخشا، آپ پڑھ چکے ہیں کہ شاہنامہ جو ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، ایرانیوں کی ملی تاریخ ہے اور مثنوی کی صنف میں فردوسی کے قلم کا شاہکار ہے۔ فردوسی کے بعد عنصری، عسجدی اور فرخی سلطان محمود کے دربار کے ممتاز شعراء ہیں جو غزل گوئی اور مدحت طرازی میں بہت پیش پیش تھے، انوری اور ظہیر فاریابی قصیدہ گوئی کی محفل کی جان ہیں، ظہیر کا صرف ایک شعر ملاحظہ فرمالیں ؎

نہ کرسئ فلک، نہد اندیشہ زیر پائے   تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

سلجوقی سلاطین میں ملکشاہ اور اس کا وزیر باتدبیر، علم دوست اور علم پرور نظام الملک طوسی، علوم دینی کی سرپرستی میں جس قدر مشہور ہیں اتنے ہی وہ شعراء کی سرپرستی میں مشہور ہیں ان کی اس قدر افزائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سینکڑوں مدحت نگار شعراء پیدا ہو گئے جن کے قصیدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

ایران سے غزل کے ساتھ ساتھ قصیدہ نگاری بھی اس برصغیر میں آپہنچی، عہد تغلق میں چاچ کا مشہور شاعر بدر چاچی اس کے دربار سے وابستہ تھا، اس کے قصیدے فارسی شاعری میں مشکل ترین

قصیدے انہی مصطلحات علم ہیئت کے باعث شمار کئے جاتے ہیں، فیضی دربار اکبری میں اپنے مدحیہ قصیدے ہی کے باعث باریاب ہوئے، جہانگیر اور شاہجہاں کے دور میں ان مدحت نگار شعراء کی بڑی سرپرستی کی گئی، عرفی اگرچہ مدحت طراز شاعر تھا لیکن کچھ خوددار و خودنگر بھی تھا اس لئے ملک الشعرائی کے منصب پر فائز نہ ہو سکا اور یہ منصب ابوطالب کلیم کے حصّے میں آیا، اس برِصغیر میں شخصی سلطنت کا خاتمہ بہادر شاہ ظفر پر ہوگیا اور قصیدہ نگاری کا بازار بھی سرد پڑ گیا، سوائے اس کے کہ غالب اپنی پنشن کی بحالی کے لئے انگریز حکام کی کچھ عرصہ تک مدح سرائی کرتے رہے اور بس!

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مدحت نگاری کا اصل محرک انعام و اکرام کا حصول ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو مدح کس لئے کی جائے، یہ تھا مدحیہ شاعری کا ایک سرسری خاکہ اور بات یہاں تک آپہنچی! اب دیکھنا یہ ہے کہ مدحیہ شاعری کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں تو مدحت نگاری کے آغاز سے اس کے خاتمہ تک اس صنف کا جائزہ لیجئے پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ مبالغہ، تملق، بیجا تعریف، ممدوح کی زمین کو آسمان ثابت کرنا، ظالم کو عادل اور ایک رند کو پاکباز و باصفا ثابت کرنا شاعر کا کمال سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے مدحیہ شاعری کا دروازہ بند کر دیا تھا کہ بیت المال پر کسی فرد کا ایسا تسلط نہ تھا کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق اس پر تصرف کر سکے، نہ کسی حاکم اور امیر کو اس کی اجازت تھی کہ اس قسم کے اسراف اور تبذیر کا مرتکب ہو سکے۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں سپہ سالاری کے منصب سے محض اس لئے معزول کر دیا تھا کہ انھوں نے ایک شاعر کو اس کی مدحت طرازی پر کثیر رقم بطور انعام عطا کر دی تھی! لیکن خلافت راشدہ کے بعد جب اموی دور شروع ہوا اور ان کے بعد بنو عباس سریر آرائے سلطنت ہوئے (خواہ اس کو تخت خلافت کہہ لیجئے) تو شعراء کی کثرت کا یہ عالم ہوا کہ تعداد ہزاروں تک جا پہنچی، میں بنو امیہ اور بنو عباس کے دور کے چند مشاہیر شعراء کے نام آپ کی دلچسپی کے لئے یہاں تحریر کرتا ہوں:

دورِ بنو امیہ اور بنو عباس کے مشاہیر شعراء	جریر، ابن بیض، یزید (اول)، اخطل، ولید بن عبدالملک، ابودلامہ، ابن ہرمہ، منصور، مہدی

(امراء المسلمین) بشامہ، مدیدہ، ابوالعلاء، کلابی، مروان بن ابی حفصہ (ہارون کا درباری شاعر) ہارون الرشید، عباس بن احنف، مسلم الخاسر لغمانی، ابوالعتاہیہ، داؤد بن زرین واسطی۔ اسحاق موصلی (شاعر و موسیقار) ابونواس، ابوالشیخیق، امین (ابن ہارون الرشید) عبدالتیمی، ابوحفصہ دعبل، اصمعی، ابوتمام (صاحب حماسہ) ابووہب (شاعر دربار معتصم باللہ) مروان بن ابوجنوب نجری، یہ صرف مشاہیر شعراء کے نام ہیں ورنہ یہ فہرست بڑی طویل ہے۔ آل بویہ، آل برمک، سلاطین سامانی، خاندانِ غزنویہ، سلاطین ایوبی اور آل سلجوق کے درباروں سے صدہا شعراء منسلک تھے، ان مدحت نگاروں کی بدولت، مدحت طرازی کا بازار خوب ہی گرم ہوا!

مرثیہ نگاری اب رثا یا مرثیہ نگاری کی طرف آیئے، عرب جاہلیت میں حماسہ کی طرح مرثیہ نگاری کو بھی بہت فروغ حاصل ہوا بلکہ مرثیہ تو اُن کی شاعری کی ایک صنف تھی، قبیلہ کا ناعی کسی فرد کی موت کی جب خبر دیتا تھا تو اکثر یہ خبر منظوم یعنی بطور مرثیہ ہوتی تھی، مرنے والے کی تدفین کے بعد دوست، احباب اور عزیز و اقارب جمع ہوتے اور مرثیہ کی صورت میں منظوم تعزیت کی جاتی تھی خصوصاً سردار قبیلہ کی موت پر تو یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری و ساری رہتا تھا، مرثیہ گوئی کا رنگ بھی بالکل مدحت طرازی کی طرح ہوتا تھا یعنی مبالغہ آرائی متوفی کے اوصاف اس کی سخاوت، مہمان نوازی کا ذکر ہوتا، قبیلہ یا خاندان کو اس کی موت سے جو نقصان پہنچتا اس کے بیان میں بھی اغراق و غلو ہوتا۔ اس کے اوصاف کچھ اس انداز سے بیان کئے جاتے کہ سننے والے اور پسماندگان آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکیں، گریباں چاک کر ڈالیں اور نوحہ و شیون کرنے لگیں اسی کو مرثیہ نگاری کی کامیابی سمجھا جاتا تھا! عرب جاہلیت میں مدحت طرازی جتنی کم تھی اتنی مرثیہ گوئی زیادہ تھی، مرثیہ نگاری شریف گھرانوں میں بھی موجود تھی، جناب عبدالمطلب کا جب انتقال ہوا (اس وقت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر صرف آٹھ سال تھی) تو خاندان کے دیگر افراد کے علاوہ جناب عبدالمطلب کی صاحبزادیوں نے ان کے مرثیے لکھے، ان میں محترمہ صفیہ بنت عبدالمطلب، برّہ، عاتکہ، اُم حکیم البیضا، امیمہ اور اروی شامل تھیں اور انھوں نے یہ مراثی اس حادثے پر خود کہے تھے، اس سے اندازہ کر لیجئے کہ اس دور میں شعر و شاعری کا مذاق خواتین میں بھی کس درجہ موجود تھا لیکن یہ ذوقِ شعری حماسہ اور رثا،

(مرثیہ نگاری) تک محدود تھا، جناب عبد المطلب کے ان مرثیوں میں کسی حد تک حقیقت نگاری کا رنگ موجود ہے کہ وہ قریش کے ایک عالی مرتبت سردار تھے، سخی اور مہمان نواز تھے رحمدل تھے اور درماندہ لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے لیکن عام طور پر ان کی مرثیہ نگاری میں بھی وہی مبالغہ کا زور و شور تھا، مرنے والا خواہ کسی مرتبہ کا ہوتا اس کو دنیا کا عظیم ترین انسان ثابت کرتے اور اس کی موت کو ایک حادثہ عظیم قرار دیتے تھے۔

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مرثیہ نگاری بالکل ختم تو نہیں ہوئی لیکن وہ شیون و بکا ختم ہوگیا اور اس کے بجائے صبر و رضائے الٰہی پر سر تسلیم خم کرنے کا جذبہ پیدا ہوگیا، ایسے خیالات کے اظہار اور بیان سے گریز کیا جانے لگا جن کے باعث سننے والے کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ جائے، لیکن خلافت راشدہ کے بعد جب دور بنی امیہ اور بنی عباس آیا تو مرثیہ نگاری میں وہی رنگ پھر عود کر آیا جو عصر جاہلیت کا خاصہ تھا، "حماسہ" میں ابو تمام نے عہد جاہلیت اور عصر اسلامی کے مرثیے "رثا" کے عنوان کے تحت پیش کئے ہیں، ان کے مطالعہ سے یہ اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ ان حکومتوں کے زمانے میں مدحت نگار شعرائنے مرثیہ نگاری میں عصر جاہلیت سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مبالغہ کو اس صنف میں بھی اس کی آخری حدوں تک پہنچا دیا، البتہ فصاحت و بلاغت کے جوہر عہد جاہلیت کی اس صنف میں بھی موجود ہیں۔ میں طول کلام کے باعث مرثیے کے نمونے پیش نہیں کروں گا۔

ان تمام اصناف سخن پر بحث کرنے اور ان کی وضاحت کا مقصود یہ تھا اور غرض و غایت یہ تھی کہ آپ عربی شاعری کے اس رنگ سے واقف ہوجائیں جو عصر جاہلیت میں اس پر چڑھا تھا اور اس امر سے واقف ہوجائیں کہ عرب جاہلیت اور ما بعد کی شاعری (عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے بعد) کی اساس خود ستائی، خود نمائی، مبالغہ آرائی، نسب پر فخر، غرور، نخوت و تمرد، اور فحاشی کہانت و عرافت کی حوصلہ افزائی تھی، مجھے اس سے انکار نہیں کہ عصر جاہلیت میں حکمت و اخلاق پر مبنی اشعار بھی موجود ہیں لیکن خال خال!

یہ تھا عرب جاہلیت کی شاعری کا اصل مزاج اور اس کے اصلی خد و خال، میں نے اصناف سخن کے نمونے آپ کے سامنے بخوف طوالت بہت کم پیش کئے ہیں لیکن جیسا کہ میں ہر صنف سخن

کے سلسلہ میں وضاحت کرچکا ہوں، مبالغہ آرائی، عیش کوشی اور فحش خیالات پر اس کی بنیاد قائم ہے یا یہ تمام باتیں اس کے عناصر ترکیبی ہیں، فخر و مباہات، تملق، چاپلوسی، حصولِ منفعت کے لئے کذب و مبالغہ، حماسہ اور مرثیہ نگاری کے عناصر تھے۔

عشقیہ شاعری جو تشابیب کی صورت میں قصائد کے اندر موجود ہے (کہ غزل کی صنف عربی شاعری میں نہیں تھی اور نہ آج ہے) اس کا جائزہ لیجئے تو فحاشی، بیباکی، بوس و کنار، وصل و ہجر کے مضامین سرمایۂ تشبیب ہیں، اس موقع پر آپ شاید فارسی اور اردو غزل کو پیش کریں اور کہیں کہ فارسی اور اردو غزلوں کا سرمایہ بھی تو یہی مضامین ہیں، مجھے اس سے انکار نہیں۔ میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک ہادی عالم، ایک مصلحِ اعظم، گمراہی اور ضلالت سے نکال کر سیدھی راہ پر لگانے والی ہستی، پاک باطن، پاک طینت، امین و صادق، راست گوئی کا سبق دینے والا، برائیوں سے روکنے والا، نظام اخلاق عطا کرنے والا، باطل کو مٹانے والا، کہانت کی بلند و بالا عمارت ڈھانے والا، حق کا آوازہ بلند کرنے والا، ہدایت کی راہ دکھانے والا، گرتے ہوئے کو سنبھالنے والا، جس کی شرافت، صداقت، راستی اور پاکبازی کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں، جس کے پاک دہن سے نکلنے والی ہر بات سبق آموز، جس کے اقوال وافعال میں یک رنگی، فلاح و نجات کا دستور العمل، جو اس دنیا میں اس لئے مبعوث ہوا کہ برائیوں کو دنیا سے دور فرمائے، دنائت و پستی کے بوجھ سے دبی ہوئی دنیا کے سر سے اس بوجھ کو دور فرمائے، وہ نبی الامی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے حکمت و اخلاق، راستی اور پاکبازی کے وہ سبق دیئے کہ اس سے پہلے کوئی معلم اخلاق نہ دے سکا اور نہ اس کے بعد کوئی ایسا سبق دے سکے گا، جس کی سیرت و کردار کا طغرا یہ ہو:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ
یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ
یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ
وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ

عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۞ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷)

ترجمہ:- اور جو لوگ ایسے رسول کی اتباع کرتے ہیں جو نبی آمی ہیں جن کو وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے) کہ وہ ان کو اچھی باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ ان (نبی موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

جو صرف ایک قبیلہ کا ہادی و رہنما نہیں بلکہ ساری کائنات کا ہادی اور راہنما تھا، جس کے اوصاف گرامی یہ ہوں، جو ان تمام برائیوں کا جس نے معاشرہ کو پستی کی انتہا تک پہنچا دیا ہو، قلع قمع کرنے تشریف لایا ہو اگر خود ہی معاذ اللہ اس شاعری کو اپناتا جو معاشرتی برائیوں اور بربادیوں کا اصل محرک اور سرچشمہ تھیں تو اس کی اصلاحی عظیم تحریک کیا کارگر اور کس طرح کامیاب ہو سکتی تھی، اس کی آواز حق پر کون کان دھر سکتا تھا اس کی دعوت پر کون لبیک کہتا وہ سچائی کو کس طرح منوا سکتا تھا، وہ کذب و دروغ سے قوم کو کس طرح روک سکتا تھا وہ باطل پرستی کے خلاف کیونکر قدم اٹھا سکتا تھا یہی وجہ تھی کہ شاعری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں تھی، اور یہی اصل راز تھا۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ ۚ

ما یہ میں نے اوراق سابقہ میں جو کچھ عرض کیا اور مشاہیر شعراء جاہلیت کی شاعری کا تجزیہ کیا اور ان کے کلام کے کچھ نمونے دیئے ہیں ان کو پیش کرنے کا مقصد یہی تھا کہ یہ واضح ہو جائے کہ آپؐ نے شعر گوئی سے کیوں اجتناب کیا اور حق تعالیٰ نے آپؐ کو اس کی تعلیم کیوں

نہیں دی اور صاحب قرآن کو اس فن کے اپنانے سے کیوں روکا گیا' ناقص فہم بشر ان ہی چند حقائق تک پہنچ سکا ہے' اس کے مزید اسرار و مصالح کا جاننے والا علاّم الغیوب ہے وَهُوَالْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝

اس سلسلہ میں بعض اصحاب السیر نے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مرتبین و مولفین نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری کیوں نہیں سکھائی گئی مثلاً علامہ رافعی "اعجاز القرآن" میں لکھتے ہیں :-

شعر خوانی سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو احتراز اس وجہ سے تھا کہ اس طرح دوسرے لوگوں میں بھی شعر خوانی کا ذوق پیدا ہو جانے کا امکان تھا اور اس طرح پھر قدیم روش از سر نو تازہ ہو جائے گی جو عربوں (عرب جاہلیت) کی شعر خوانی اور شعر گوئی کے سلسلہ میں تھی' اسی وجہ سے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر و شاعری میں بہت کم معارضہ روا رکھا اور آپ اپنے بنیادی مقصد کی تکمیل میں یعنی توحید اور رسالت کی تبلیغ اور احکام الٰہی کے پہنچانے میں مشغول رہتے تھے' اسی بناء پر قرآن حکیم نے آپ کے بارے میں فرمایا :-

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ۝

آپ اگر شعر و شاعری میں مشغول ہوتے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ اس وقت کے مسلمانوں میں بھی اس فن کے اثرات سرایت کر جاتے اور وضع اسلامی پھر اسی اوّلین عصر جاہلیت کی طرف رجوع ہو جاتی :

میرے خیال میں خداوند تعالیٰ نے جو اپنے پیغمبر کو شعر و شاعری سے باز رکھا اُس میں صرف یہی ایک حکمت تھی' اگر پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) تھوڑی سی اہمیت بھی شعر و شاعری کو دیتے اور اس کی طرف توجہ فرماتے تو دین اسلام کی بنیاد ہی متزلزل ہو جاتی :

علاوہ ازیں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا شعر و شاعری سے اعراض فطرتِ پیغمبری میں داخل تھا اور آپ کے عہد طفلی میں بھی کبھی اس شوق شعر

وشاعری) کا اظہار نہیں ہوا۔ تمام عرب میں صرف آپؐ کی ذاتِ گرامی ایسی تھی جو فطرتاً شعر و شاعری کی مخالف تھی، ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار بھی فرمایا تھا کہ "مجھے شعر و شاعری اور بت پرستی سے اوائل عمر ہی سے نفرت تھی اور میں ان تمام باتوں سے جو عصر جاہلیت میں ان کے دین اور ان کی معاشرت میں اہمیت رکھتی تھیں ہمیشہ دور رہا سوائے دو مرتبہ کے مگر ان دونوں بار اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی" اس طرح یہ بھی تربیت الٰہی کا نتیجہ تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کو شعر گوئی سے مجتنب کر دیا تھا تاکہ آپ اس کے عادی نہ بنجائیں اور اوہام پرستی کا آلۂ کار نہ بن سکیں، باوجودیکہ آپؐ کے خاندان کے تمام زن و مرد کا شعر گوئی معمول تھا لیکن آپؐ کی نظر میں یہ بھی بت پرستی کی طرح قابل نفرت مشغلہ تھا۔" (اعجاز القرآن۔ ترجمہ)

اس سلسلہ میں ایک گرانقدر مصنف اور سیرت نگار کی رائے اور پیش کرتا ہوں، جناب نعیم صدیقی مصنف "محسن انسانیت" اِسی کتاب کے صفحہ ۱۲۰ پر رقمطراز ہیں:۔

ازاں جملہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شعر سے بھی دلچسپی لی ہے، عربؔ میں جو شعر پرستی رائج تھی اس سے آپ کو بُعد تھا، آپ کو نغمہ الٰہی کی جاذبیتیں اتنا موقع ہی نہیں دیتی تھیں کہ شعر و سخن کی طرف زیادہ توجہ ہو مگر دوسری طرف ذوقِ شعر سے قدرت نے محروم نہیں رکھا تھا، ایسے شعر (بلحاظ مقصد) کی قدر فرماتے تھے بلکہ کہنا چاہئیے کہ حضور نے ایک نیا ذوق معاشرے کو دیا اور ایک نیا معیار نقد، مقرر فرمایا۔" ("محسن انسانیت")

اسی سلسلہ میں ایک اور جگہ جناب نعیم صدیقی فرماتے ہیں:۔

جناب جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں ایک سو سے زیادہ مجالس میں شریک ہوا ہوں جس میں جاہلیت کے قصے بھی ہوتے تھے اور صحابہؓ شعر بھی سُنایا کرتے تھے، شاعرانِ عرب کے کلام میں سے ایک بار آپؐ نے لبید کا یہ مصرعہ پسندیدگی سے پڑھا ؏

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جاہلیت کی شاعری جب اس قدر دنائت و پستی، فحاشی اور دروغ گوئی کی علم بردار تھی تو اس کو اسلام نے حرام کیوں نہیں قرار دیدیا۔ تو اس میں بھی ایک عجیب و غریب مصلحت خداوندی کارفرما تھی۔ تاریخ اسلام اور سیرت طیبہ کے مطالعہ کرنے والے حضرات بخوبی واقف ہیں کہ شراب بیکبارگی حرام نہیں کی گئی، اس میں بظاہر سرور و کیف، خون کے دوران میں افزونی اور جسم کو توانائی بخشنے کے منافع موجود ہیں، لیکن اس میں صدہا برائیاں اور انجام کار خرابیاں موجود ہیں اور وہ اس کے ان منافع سے کہیں زیادہ ہیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْہِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُہُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِہِمَا ط

سورۃ البقرہ، آیت ۲۱۹

تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے

اس ارشادِ باری کے بعد بھی جب لوگوں نے اس کو ترک نہیں کیا اور اس گندگی سے مجتنب نہیں ہوئے تو مزید تہدید کی گئی۔

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(سورۃ المائدہ، آیت ۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں، شیطانی کام ہیں تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

اور اس کے بعد

اس سلسلہ میں ایک اور حکم مزید وضاحت اور تہدید سخت کے ساتھ نازل ہوا:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○

(یہ تمام آیات مدنی ہیں)۔ سورۃ المائدہ آیت ۹۱

شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوادے، شراب اور جوئے میں پھنسائے اور تمھیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے۔ تو کیا تم باز آئے!

اس زجر و تنبیہ کے بعد مدینے کی گلی کوچوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے نالیوں میں پانی، شراب کے خُم کے خُم حرام سمجھ کر لنڈھا دیئے گئے۔ اس طرح بتدریج ممانعت کی علت یہی تھی کہ شراب ان کی طینت اور طبیعت میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ یکبارگی اس کا ترک کرنا ناممکن ہوتا۔ اس لئے پہلے اس کے معائب بیان فرمائے، اس کو عمل شیطان قرار دیا گیا، پھر بتایا گیا کہ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تم شراب نوشی اور قمار بازی میں مبتلا ہو کر اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاؤ اور نماز بھی ادا نہ کر سکو تو کیا اب بھی تم ان افعال خبیثہ اور شنیعہ سے باز نہیں آؤ گے؟ تب کہیں عام طور سے نوشی کو لوگوں نے ترک کیا۔

اسی طرح شاعری کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ اس کو گمراہوں کی پیروی قرار دیا گیا، اس کی برائیاں اور تباہ کاریاں بیان فرمائی گئیں۔ جیسا کہ سورۃ الشعراء کی آیات میں آپ پڑھ چکے ہیں، عربوں کی فطرت شاعری سے اس قدر مانوس تھی اور شعرائے عرب کی زباندانی پر ان کو اس قدر اعتماد تھا کہ ان کی یہ حالت تھی کہ لغاتِ قرآن کی سند شعرائے عرب کے کلام سے چاہتے تھے اور ان کے کلام میں تلاش کرتے تھے۔ میں اس سلسلے میں چند مثالیں پیش کر چکا ہوں۔

دوسری اہم بات یہ تھی جسے آپ اس موضوع کے آغاز میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ عربوں کی اپنی کوئی تاریخ نہیں تھی، ان کی تاریخ کا تمام تر سرمایہ یہی اشعار عصر جاہلیت تھے، عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام تمدنی، معاشرتی و معاشی اور اخلاقی معلومات کا ذریعہ، منبع اور ماخذ یہی اشعارِ جاہلیت تھے، ان کا طرز بود و ماند، ان کا سفر و حضر، ان کے ماکولات و مشروبات، ان کا لباس، ان کی عائلی زندگی، ان کا کسب و فن، ان کے جنگ و قتال کے واقعات، ایام عرب، ان کے بازار، ان کی اشیائے صرف اور ان کے بیہودہ مشاغل۔ غرضیکہ ان کی پوری

زندگی کی روئیداد ان کے ان اشعار میں موجود تھی۔

علم الانساب، علم کہانت، علم عرافت اور علم طب وغیرہ کے بارے میں آگہی کا مدار یہی شاعری تھی اور بس! مختلف قبائل کی اہمیت اور ان کی بدویانہ خصوصیات کے تعین کا ذریعہ بھی یہی اشعار عرب جاہلیت تھے، تاریخ قدیم سے علم وآگہی اور اس سے استفادہ کی بنا پر شاعری کے اسلوب جاہلیت یا عصر جاہلیت کی شاعری کو حرام قرار نہیں دیا گیا بلکہ تاریخ قدیم کے ان مظاہر یا ان کی روایت کرنے والی شاعری کو اس کے حال ہی پر رہنے دیا گیا ورنہ اس عصر کی تاریخ سے آگہی کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

چوں کہ اس بگڑی ہوئی قوم کو دعوتِ توحید ورسالت اور تعلیم اخلاق سرور کونین ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دینا تھی اور یہی آپ کی بعثت کی علت غائی تھی۔ اور ان لوگوں کو سیدھے راستے پر ڈالنا تھا اس لئے آپ نے شاعری سے گریز فرمایا، ہاں جب فکر انسانی میں اسلام کے ریشے پیوست ہوگئے اور اسلامی زندگی بسر کرتے ہوئے کچھ عرصہ بیت گیا تو پھر دوبارہ اس شاعری کا بازار گرم ہوگیا، عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ایسا نہیں ہوا، لیکن خلافت راشدہ میں اس کی صدائے بازگشت سنی گئی اور خلافتِ راشدہ کے بعد تو اس کی وہ گرم بازاری ہوگئی گویا جیسے وہ تلافیٔ مافات کر رہے ہوں۔ اس کی تصریح سابقہ اوراق میں آپ کی نظر سے گزر چکی ہے۔

اللہ اللہ! کمالِ نبوت تو دیکھئے کہ شعر جاہلیت سے مانوس اور شاعری کی پروردہ طبائع میں سے کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو سکی کہ (معاذ اللہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابلاغ توحید ورسالت اور اصلاحِ معاشرہ جن الفاظ میں کی جا رہی ہے وہ عہدِ جاہلیت کے معیار فصاحت سے کم مرتبہ ہیں یا اس سے عاری ہیں، حالانکہ جس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قریش کے سامنے اسلام کو پیش کیا تو اس وقت قریش میں ایسے ایسے فصیح البیان افراد موجود تھے جن پر عالم عرب نازاں اور جن کی فصاحت وبلاغت کا ہر شخص معترف تھا۔ مکہ میں ابوجہل، ولید بن مغیرہ جیسے لوگ موجود تھے۔ قریش ان کی فصاحت کا لوہا مانتے تھے لیکن ان کی اس فصاحت وبلاغت اور طلاقتِ لسانی نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت وبلاغت کے سامنے دم توڑ دیا۔ اور ان میں سے کسی ایک کو بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات (وحی الٰہی کے علاوہ)

پر انگشت نمائی کا موقع نہ مل سکا اور کوئی یہ نہیں کہہ سکا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان فصاحت سے محروم ہے اور ہماری جیسی فصاحت سے عاری ہے۔

معاذاللہ! اگر لسانِ نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم، فصاحت و بلاغت کے اس معیار سے جو عصر جاہلیت میں شاعری کی بدولت قائم ہو چکا تھا، ذرا بھی گری ہوتی تو یہ دشمنانِ اسلام سب سے پہلے اسی کو دلیل انکار نبوت بناتے، لیکن اس توفیقِ الہٰی کے قربان، کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نبی الامّی کو وہ فصاحتِ بیان عطا فرمادی تھی کہ منکرینِ رسالت کبھی بھی یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ قرآن کے اعجاز اور اس کی فصاحت و بلاغت کے علاوہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا کلام (خطبات و مواعظ اور دوسرے ارشادات) معیار فصاحت سے گرا ہوا ہے اور نبوت کا مدعی (معاذاللہ) فصاحت و بلاغت میں ہماری ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور کبھی بھی ایسا نہ کہہ سکے اور کہتے بھی کیسے جبکہ لسانِ نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی فصاحت و بلاغت کے بارے میں خود یہ ارشاد فرمایا ہو انا افصح العرب اور یہ بھی بتادیا ہو کہ:

الا اوتیت القرآن و مثلہ معہ

اس ارشادِ گرامی نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ قرآنِ حکیم (وحیِ متلو) کے علاوہ جو کچھ بھی آپ ارشاد فرماتے خواہ وہ خطبات ہوں یا کلماتِ حکمت ہوں یا نصائح ہوں (یہ تو میں مکی دور کے بارے میں عرض کر رہا ہوں، مدنی دور میں جبکہ اسلامی ریاست کی تشکیل ہوئی تھی اور لسانِ نبوت کو گوہر افشانی سے ہر وقت کام لینا پڑتا تھا اور آپ نے اپنے ارشاداتِ گرامی سے کلیات و مجملاتِ قرآن کی توضیحات فرمائیں اور حیاتِ طیبہ کے آنات و لمحات اس میں صرف ہوتے رہے، ہر جمعہ کو آپ کو خطبہ کا اہم کام انجام دینا ہوتا تھا۔ منتشرہ قبائلِ عرب کے وفود باریابِ خدمت ہوتے اور آپ ان تمام وفود سے ان ہی کے روزمرہ اور ان ہی کی زبان میں گفتگو فرماتے) تو بارگاہ نبوت کے متوسلین اور ہمہ وقت کے حاضرینِ مجلس حیران و ششدر رہ جاتے تھے اور حیرت سے حضورِ اکرمؐ میں عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! ہم نے آپ سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی کو نہیں پایا۔

میں اس سے قبل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خطبات بطور تمثیل پیش کر چکا ہوں

اور ان کی فصاحت و بلاغت کے بعض نکات آپ کے سامنے پیش کئے تھے سیرت کی کتب اور تاریخِ اسلام میں آپ کے تمام خطبات کو جمع کر دیا گیا ہے، اب میں ان کو یہاں پیش نہیں کروں گا بلکہ میں آپ کے خطبات کی فصاحت و بلاغت کے بارے میں جو کچھ یہاں عرض کر رہا ہوں وہ اس دلیل کے طور پر ہے کہ آپ کے خطبات کی فصاحت و بلاغت کے سامنے، اشعارِ عرب اور عصرِ جاہلیت کے نامور خطیبوں کی فصاحت و بلاغت ہیچ تھی، عصرِ جاہلیت کے متعدد خطبات علامہ جاحظ نے اپنی کتاب "البیان والتبین" میں جمع کر دیئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے یہ فرق بخوبی واضح ہو جائیگا۔

شعرائے عصرِ جاہلیت نے تو اپنے اس ادبی کمال اور لسانی سرمایہ یعنی فصاحت و بلاغت کو مزخرفات میں ضائع کیا اور وہ اس سے صلاح و فلاح کا کام یا مواد فراہم نہ کر سکے جبکہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک خطبہ ایمان والوں کی معاش و معاد کی کامرانی کا سرمایہ، پند و موعظت کا گنج گرانمایہ، شفقت و رحمت کا دریائے موجزن، لطف و مدارا کا سرچشمہ، آبروئے انسانیت کا آئینہ، صبر و قناعت کا درس اور عجز و انکسار کا ناقابل فراموش سبق تھا یہ تو معنوی خصوصیات ہیں، لفظی اعتبار سے دیکھئے تو تصنع اور تکلف سے پاک کلمات، سلاست و روانی میں دریا جیسی روانی فصاحت و بلاغت کا گنجینہ کیا بلکہ ان کی آبرو تکلف اور آورد سے پاک، تاکہ اثر آفرینی اپنے منتہائے کمال کو پہنچ جائے، ہر لفظ جامع اور برمحل، کلمات میں حسنِ تالیف کا کمال، جملوں میں وہ رنگینی اور شادابی جس کے سامنے گلستان بھی شرمائے اور سب سے بڑھ کر حسنِ بلاغت یہ کہ مقتضائے حال پر بتمام و کمال حاوی اور حشو و زوائد سے یکسر خالی !!

ان خصوصیات کے سامنے شعرائے جاہلیت کی شاعری کو دیکھئے تو از سر تا پا تکبّر و خودسری، خودسرائی و خود آرائی، کذب و افترا پردازی، مغلق الفاظ کی جامع، تشبیہ و استعارات کی زیبائش، حشو و زوائد کی آرائش، دروغ بے فروغ کی نمائش، عشق و محبت کی من گھڑت باتیں.... وصفِ ذاتی نہیں، بلکہ وصفِ اضافی پر مفخر و مباہات، مجموعۂ ترہات، آباء و اجداد کی مبارزت کے افسانے اور اور ان کی شجاعت کے دم خم کی داستانیں، شراب نوشی ایسی کہ ام الخبائث کے دلدادہ اور پھر اپنی اس بلانوشی پر افتخار، چند گھوڑوں اور اونٹوں کی ملکیت ان کی امارت کا قصر رفیع الشان، جب حماسہ اور عشق و محبت کے موضوعات کو خوب سیر ہو کر نظم کر لیا تو اونٹوں، اونٹنیوں کی تعریف ان کے سڈول،

جسم اور ان کی گرم رفتاری ان کی شاعری کے موضوعات بن جاتے تھے، ان کی شاعری اور فصاحت کا تمام تر سرمایہ یہی کچھ تھا، جس پر ان کو ناز تھا۔ کہاں ان کی یہ بے سروپا باتیں کہاں سرورِ ذیشان کی خطابت کا کمال اور اس کی شان! چنانچہ ایک حقیقت نگار شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ان لم تکن فیہ آیات مبینۃ　　　کانت بداھتہ تنبئك بالخبر

اگر سرورِ ذیشان کے پاس معجزاتِ نبوت نہ بھی ہوتے تو آپ کی بداہت (بدیہہ گوئی اور فصاحت و بلاغت) ہی تم کو آپ کی رسالت سے باخبر کر دیتی!!

یعنی آپ کی بداہت بھی آپ کی رسالت کا ایک عظیم معجزہ ہے۔

آپ کے کلام کے یہی کمالات تو تھے جن کے باعث دشمنوں کو کبھی یہ کہنے کا موقع نہ مل سکا کہ آپ کا کلام ہمارے اسلاف اور ہماری فصاحت و بلاغت کے ہم سنگ و ہم پایہ نہیں ہے اور جب نبی کا کلام ہمارے کلام کی بلندی سے ساقط اور کم مرتبہ ہے تو ہم ایسے شخص کے کلام پر کس طرح ایمان لائیں، ایسا کیونکر ممکن تھا کہ خود قرآن نے صاحب قرآن کے کلام کے مرتبہ کو اس طرح ظاہر فرمایا:

وما ینطق عن الھوی ؁ ان ھو الا وحی یوحٰی

الغرض صاحب قرآن کی فصاحت نے دشمنوں کو بھی اس اعتراف پر مجبور کر دیا کہ آپ کے کلام کے تمام اصناف فصاحت و بلاغت کے اس مرتبہ پر ہیں جہاں عرب کی شاعری کا کمال فصاحت و بلاغت نہیں پہنچ سکتا۔ خواہ وہ آپ کے خطبات ہوں یا مکتوبات، آپ کے معاہدوں کے متون ہوں یا جوامع الکلم یا وہ لاکھوں ارشاداتِ گرامی جو کلیاتِ قرآن کی تصریحات و توضیحات ہیں، جو دستورِ شریعت ہیں اور جن کو ہم "احادیث" کے اصطلاحی نام سے یاد کرتے ہیں اور مسلمان کی دینی اور دنیاوی زندگی کا دستور العمل ہیں۔

محققین ادبیات عربی کہتے ہیں کہ عصر جاہلیت کی فصیح و بلیغ شاعری نے عربی ادب پر بڑا احسان کیا ہے۔ یہ مجھے بھی تسلیم ہے۔ میں نے گزشتہ اوراق میں عربی شاعری پر جو بحث کی ہے، شاید اس کو تخریبی تنقید سے تعبیر کیا جائے لیکن میں مجبور ہوں کہ حقائق کے اظہار میں قلم نہیں روک سکا۔ مجھے تو یہ بتانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عصرِ جاہلیت کی فصیح و بلیغ شاعری کے انہی

عناصر ترکیبی یا فطرت جاہلیت کی نمائندگی کے باعث اپنے حبیب لبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس فن سے آشنا نہیں کیا اور ان کے شایانِ شان نہیں سمجھا۔ انہی معائب کے باعث تو خالق کائنات نے واضح الفاظ میں ان شعرائے جاہلیت کی مذمت کی ہے۔ البتہ صاحبانِ ایمان کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ جو ایمان لانے کے بعد بھی شاعری کو اپنائے رہے اور اس کے دلدادہ بنے رہے ان کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا کہ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے لاف زنی، دروغ بافی، فخر و خود ستائی اور ہوس رانی کے اوصافِ ذمیمہ ان سے رخصت ہو چکے تھے۔ حضرت لبید بن ربیعہ عامری رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد تو شعر گوئی بالکل ترک ہی کر دی تھی۔ عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مومنین حضرات نے جو کچھ بھی لکھا وہ حمدِ الٰہی اور نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کر کے بدبخت ہجو نگاروں کو ان کی ہجو کا دندان شکن جواب دیا۔ خلافتِ راشدہ تک خیالات کی پاکیزگی اور احساساتِ ایمانی کی ترجمانی یہ حضرات شاعری کے ذریعہ کرتے رہے، البتہ اموی اور عباسی دور میں شاعری پھر پچھلی ڈگر پر آگئی بلکہ مدحت طرازی میں ممدوح کے ذرہ کو آفتاب تاباں کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا!

مجھے اس سے انکار نہیں کہ عصر جاہلیت کی شاعری نے عربی زبان پر جو اثر ڈالا اور اس کے جو نتائج عربی ادب میں جاگزیں ہوئے وہ کسی طرح نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔ عربی ادب اور زبان کو وسعت اسی عصر جاہلیت کی شاعری کی بدولت نصیب ہوئی۔ ہر چند کہ آج سے مدتوں پہلے وہ الفاظ متروک ہو گئے جو امرؤ القیس، طرفہ، عمرو بن کلثوم، نابغہ اور اعشیٰ وغیرہ نے زبان کو عطا کئے تھے۔ متنبیؔ اور معریؔ تیسری صدی ہجری کے شعرا ہیں، ان کے یہاں ہزاروں الفاظ ایسے ہیں جو آج رواج پذیر نہیں، ان کے کلام کے سمجھنے کیلئے شرحوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ فصاحت و بلاغت کو پروان چڑھانے میں بھی عصر جاہلیت کے شعرا کا بڑا حصہ ہے۔ ان کی شاعری میں انکے ماحول کے اعتبار سے خیال کی نزاکت بھی ہے اور رعنائی بھی ہے لطافت و نزاکت تشبیہ و استعارہ کے سلسلہ میں وہ لائقِ درگزر ہیں کہ ان کے یہاں گل و گلزار و سرو و شمشاد کی وہ رعنائیاں ہی ناپید تھیں جو تشبیہ و استعارے اور مجاز میں رعنائی اور خوبصورتی پیدا کرتی ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اپنے ماحول کی پوری پوری ترجمانی کی ہے۔ میں کسی موقع پر اس سلسلہ میں عرض کر چکا ہوں، البتہ

قدیم تاریخ شعرائے جاہلیت کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ تاریخ عصر جاہلیت اور ان کے تمدن و معاشرے کے حقائق سے بعد کی نسلیں انہی شعرا کی بدولت واقف ہوئیں سوائے اشعارِ جاہلیت کے ان سے آگاہی کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں ان کے اشعار نے جزئیات تک سے ہم کو باخبر بنایا، ایام العرب کا پتا انہی کی شاعری سے چلا۔ علم الانساب قدیم ان کے اشعار ہی کی بدولت زندہ رہا ورنہ قدیم خانوادۂ عرب کا سراغ کیسے لگتا۔ قدیم عربوں کی معاشی و معاشرتی زندگی کے ترجمان ان کے یہ اشعار ہی تھے۔ چند سنگ نبشتوں یا کتبات سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا تھا۔

زبان کے اعتبار سے دیکھئے تو انہوں نے عربی زبان کو محاورات اور ضرب الامثال بھی عطا کئے شعرائے عصر جاہلیت نے جو اصنافِ سخن اپنی سخن سنجی و سخن طرازی کے لئے قائم کی تھیں وہ عربی شاعری میں آج تک قائم ہیں، ان کے یہاں غزل، مثنوی، رباعی نہ پہلے تھی نہ آج ہے، انہوں نے شاعری میں جو طرزِ ادا قائم کی تھی آج بھی معمولی اختلاف کے ساتھ قائم ہے، عصر جاہلیت کے مخصوص موضوعات ان کے بعد صدیوں تک عربی شاعری میں قائم رہے۔ انہوں نے قصیدے میں تشبیب کو ضروری سمجھا تھا، مدتوں تک اس کی پیروی کی جاتی رہی۔ اب رہے ادب سے متعلق علوم و فنون یعنی صرف، نحو، معانی، بیان، عروض اور فصاحت و بلاغت جو عربی ادب کا وقیع سرمایہ ہے اور دوسری زبانیں ان علوم میں عربی زبان کی خوشہ چین ہیں عصر جاہلیت میں وجود میں نہیں آئے تھے۔ یہ علوم عہد اسلامی کی پیداوار ہیں اور ان موضوعات پر مسلمانوں نے بیش بہا کتب تالیف کی ہیں اس افتخار میں عصر جاہلیت کے عربی ادب کا کوئی حصہ نہیں ہے بس ان علوم کی امثلہ پیش کرنے میں ان کے اشعار سے مدد لی گئی ہے آپ چاہیں تو کچھ مایۂ افتخار ان کے دامن میں ڈال دیں۔

شعرائے عصر جاہلیت کے کلام میں علم معانی و بیان کی جو نشاندہی کی جاتی ہے یہ عصر مابعد کے محققین ادب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جس طرح قرآن حکیم سے متعدد علوم و فنون کو اخذ کیا گیا ہے یا ان کے مباحث کا تعین یا ان کی تطبیق قرآن حکیم اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کی گئی ہے۔ مثلاً اس ارشاد باری تعالیٰ کو صاحبان علم بیان نے استعارہ بالتصریح کی مثال میں پیش کیا ہے:

الرٓ قف کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج النّاس من الظلمٰتِ الی النور ظلمات اور نور میں استعارہ بالتصریح ہے کفر اور ایمان کے لیے (البلاغۃ الواضحہ) مجازِ مرسل کے قرینہ کل بول کر جزو مراد

لینے کے لئے یجعلون اصابعھم فی اذانھم من الصواعق حذر الموت سے دلیل لانا۔ غرض ایسی امثال سے معانی و بیان کی کتابیں مملو اور مشحون ہیں۔ یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی رفقاً بالقواریر، استعارہ کی تعریف میں پیش کیا جائے یا الان حمی الوطیس کو کنایہ کی بہترین مثال میں لایا جائے، یہ تمام علوم و فنون تو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں ایجاد ہوئے، ان کے اصول و قواعد جو کچھ منضبط ہوئے ہیں ان کا عصر جاہلیت سے کوئی تعلق نہیں البتہ ان کی امثلہ کا انطباق اشعار جاہلیت سے ضرور کیا گیا ہے۔ اس لئے آپ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ عصر جاہلیت کی شاعری نے بہت سے علوم کو فروغ بخشا۔ اسی طرح عصر جاہلیت کی شاعری کو لغات عرب کا ماخذ بنایا گیا انہوں نے جو لغات اپنی شاعری میں استعمال کئے تھے ان کو اخذ کر کے مدون کیا گیا اور ان کے کلام سے ان کے معانی کا تعین کیا گیا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس اعتبار سے عصر جاہلیت کی شاعری، عربی زبان و ادب کی محسن ہے۔ عربی ادب کی تاریخ بھی ان کی ممنون ہے کہ نسابین، خطباء، شعراء اور کہانت و عرافت کی تفصیلات بھی اس شاعری کے ذریعہ اس کے ہاتھ آئیں اور ان کو قلم بند کیا جا سکا۔ اگر اشعار عصر جاہلیت کا یہ عظیم سرمایہ موجود نہ ہوتا اور دفتر بہ دفتر نہیں بلکہ سینہ بہ سینہ منتقل ہو کر عصر اسلامی تک نہ پہنچتا تو علوم قدیم کی تاریخ کسطرح مرتب ہوتی لیکن یہاں موضوع بحث یہ تھا کہ ایسی جامع اور فصیح، بلیغ شاعری کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں اپنایا اور نہ حق تعالیٰ نے اس فن کو اپنانے کی آپ کو توفیق بخشی تو کیا اس سے آپ کی زباندانی اور آپ کی فصاحت و بلاغت میں کوئی خلا رہ گیا! یا اس پر کوئی حرف آیا۔ یہ چند اوراق اس کے جواب میں معرض تحریر میں لائے گئے اور یہی نکتہ آپ کے سامنے پیش کرنا تھا کہ خالق یکتا اور علام الغیوب نے اپنے حبیب لبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شاعری کیوں نہیں سکھائی اور اس کو آپ کے شایان شان کیوں نہیں سمجھا (اللہ تعالیٰ اپنے راز اور اپنی مشیت سے آگاہ ہے اور بس)، انسان تو جہاں تک رسائی ممکن ہے وہاں تک پہنچ سکتا ہے اور وہ بھی ؎

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

آخر میں یہی عرض کروں گا کہ بیان کردہ دلائل یا تصریحات اور وجوہ کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شعر گوئی کو نہیں اپنایا اور خداوند تعالیٰ نے جو اس کو آپ کے شایان شان

نہیں سمجھا تو اس سے آپ کے کلام کی فصاحت و بلاغت پر کوئی حرف نہیں آیا، آپ کے کلامِ منثور میں فصاحت و بلاغت کے تمام پہلو اس طرح جمع ہو گئے تھے کہ جن کی گراں مایگی کے مقابلے میں شعراءِ جاہلیت کی فصاحت و بلاغت ہم سنگی کا دعویٰ تو کیا کر سکتی بلکہ وہ اس کے پاسنگ بھی نہیں تھی اور یہی میرے معروضات کا منتہائے مقصود تھا اور یہی مجھے بتانا تھا کہ اس جانِ فصاحت کی فصاحت اور شیوا بیانی کا کیا پوچھنا جس کے دستِ مبارک میں پہنچ کر سنگریزے بھی گویا اور ناطق ہو جاتے تھے گویا ان کی صورتِ نوعیہ بدل جاتی تھی۔

وہ گراں سنگیِ قدرِ مس، وہ ارزانیِ جود
نوعیہ بدلا کیے، سنگ و لآلی ہاتھ میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت بہر نوع اور بہر اعتبار نہ صرف عرب جاہلیت کی فصاحت بلکہ تمامی دنیائے نطق و گویائی کی فصاحت و بلاغت سے کہیں برتر اور بلند و بالا مقام پر فائز تھی اور یہی ہے صاحبِ قرآن کی فصاحت کا مقام (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

مدارج النبوّۃ

مُصنّفہ:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

مترجمہ:۔ مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمیؒ

حصّہ اوّل میں آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حُلیہ مُبارک ، اخلاق وعادات، دینی و دُنیاوی معاملات، مخلوقات سے تعلقات، عبادات ومسائل کی وضاحت، ظاہری وباطنی امراض کے علاج کے متعلق مکمّل اشارات ہیں اور حصّہ دوم میں آپؐ کے نسبی و پیدائشی حالات، رسالت ونبوت سے متعلق کمالات، غزوات وعلالت اور رحلت کی تفصیلات کے علاوہ، آپ کے خاندانی رشتوں ، ذاتی خادموں اور خانگی اُمور کو بیان کیا گیا ہے۔ غرضیکہ ایک مکمل سیرت نبوت ہے۔ دیدہ زیب کتابت، آفسٹ طباعت، سفید کاغذ مجلد مع مضبُوط پلاسٹک کا خوبصورت کور، سائز ۲۰×۲۶/۸

صفحات حصّہ اول ۸۰۸ حصّہ دوم ۱۰۸۰

مکتوباتِ امامِ ربّانی

(دفترِ اوّل تینوں حصّے)

تصنیف: حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ ٭ ترجمہ: مولانا محمد سعید احمد نقشبندی

یہ مکتوبات، شریعت و طریقت کے معارف کی تفصیل، رُوحانی و جسمانی حقائق کی وضاحت، علماء و صُوفیا کے مراتب کا موازنہ، قضا و قدر اور اسرارِ الٰہی کی وضاحت اور عالمِ بالا و برزخ کے اُصول پیش کرتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پراگندہ خاطر لوگوں کو دلجمعی اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور غیر اسلامی نظریات اور ان کے بُرے نتائج سے واقفیت ہو جاتی ہے۔

عُمدہ کتابت و طباعت، گلیز کاغذ

مجلّد مع مضبوط و خوبصورت پلاسٹک کور، سائز ۲۰×۲۶/۸

ضخامت ۴۹۰

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت
صدارتی ایوارڈ یافتہ
۱۹۸۶ء
حضرت شمس بریلوی
مدینہ پبلشنگ کمپنی
ایم اے جناح روڈ کراچی